التحقیقات النافعہ

في

مسائل الجنازہ

جنازہ میں

نیت، ثناء، چار تکبیرات، قراۃ فی الجنازہ جنازہ غائبانہ یا حاضرانہ، جنازہ بالجہر یا بالسر، سلام یکطرفہ یا دو طرفہ، جنازہ مسجد میں یا باہر وغیرہ مضامین پر مشتمل علمی گلدستہ



مناظر اہل السنۃ والجماعۃ، ترجمان علماء دیوبند، محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مفتی محمد ندیم المحمودی

ادام اللہ ظلہ علینا وطول اللہ عمرہ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن عابد

حفظہ اللہ ورعاہ

مدرس مرکز امام اعظم ابوحنیفہؒ پشاور

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند

(کثر اللہ سوادھم) پشاور 0333-3300274

مسائل جنازہ پر علمی و تحقیقی بحث اور احناف کے طریقۂ جنازہ پر غیر مقلدین کے بے جا اعتراضات کے علمی جوابات، نیز غیر مقلدین کے گھر سے بیسیوں حوالہ جات کا مجموعہ

المعروف به

مسائلِ جنازہ

ازافادات

مناظرِ اسلام، فخرِ دیوبند، فاتح فرقِ باطله

حضرت مفتی محمد ندیم المحمودی ادام الله ظلّه علینا

ترتیب، تدوین و تنقیح

حضرت مولانا عبدالرحمٰن عابد حفظه الله ورعاه

اردو ترجمہ

حافظ شہزاد گل حفظه الله تعالیٰ

ناشر

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند (کثر الله سوادهم) پشاور

پاکستان 0333-3300274

نام کتاب	:	مسائلِ جنازہ
ازافادات	:	مناظرِ اسلام، وکیل احناف، فاتح فرق باطلہ
		حضرت مفتی محمد ندیم المحمودی ادام اللہ ظلّہ علینا
ترتیب وتنقیح	:	حضرت مولانا عبدالرحمٰن عابد حفظہ اللہ ورعاہ
اردو ترجمہ وکتابت	:	حافظ شہزاد گل حفظہ اللہ تعالیٰ پخہ غلام پشاور، پاکستان
صفحات	:	200
قیمت	:	
طبع اول	:	جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ/ دسمبر ۲۰۲۳ء

ملنے کا پتہ

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند (کثر اللہ سوادھم) پشاور

پاکستان 0333-3300274

فہرست

افتتاحی کلمات

بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللّٰہ......!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس کے فضل وکرم سے ایک اور تحقیقی مسوّدہ تیار ہوا، یہ کتاب بہت عجلت سے تیار ہوئی جس کی وجہ سے نہ تو اس پر استاذ محترم حضرت مفتی محمد ندیم المحمودی صاحب حفظہ اللہ کا مقدمہ آیا اور نہ ہی ہر موضوع کے ساتھ دعویٰ اور جوابِ دعویٰ لکھا گیا اور کچھ دیگر موضوعات بھی رہ گئے جن پر قلم اٹھانا ناگزیر تھا، ہم ان کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور ان موضوعات وغیرہ کو دوسرے ایڈیشن میں مفصل بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ کتاب بھی دیگر کتب کی طرح تحقیقی مواد سے لبریز ہے الحمد للہ! اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی غلطی یا خطا نظر آئے یا کہیں پر اکابر علماء دیوبند کی تحقیقات کے خلاف کوئی عبارت پائی گئی تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ اصلاح کی جاسکے، یا کوئی اس میں کسی ترمیم یا اضافہ کا مشورہ دینا چاہے تو ہم ہر معقول مشورے کا دل کی گہرائیوں سے خیر مقدم کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے تمام اساتذہ کرام اور دوست احباب کی عمر میں اور علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے اور لغزشوں کو معاف فرمائے......آمین یارب العالمین

خادم نوجوانانِ احناف طلباء دیوبند **عبدالرحمٰن عابد** عفی عنہ

مدرّس مرکز امام اعظم ابوحنیفہؒ پشاور

۴ دسمبر ۲۰۲۳ء بمطابق ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ

رابطہ نمبر: 0333-3300274

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.

﴿جنازہ کا طریقہ﴾

بحث شروع کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ نمازِ جنازہ حقیقی نماز نہیں ہے بلکہ اس کو مجازاً نماز کہا گیا ہے البتہ احادیث میں اور سلف صالحین رحمہم اللہ نے جو عمل مشترک یا مخصوص ٹھہرایا ہے تو وہ مشترک یا مخصوص ہوگا۔

پہلی تکبیر: پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے گا، پھر ناف کے نیچے باندھ لے اور سبحانک اللّٰھم پڑھے گی جس طرح نماز میں ثناء پڑھتے ہیں۔ (مجموعہ رسائل از حضرت اوکاڑوی ج:۱ص:۲۴۷)

ثناء یہ ہے: ''عن أبی سعیدٍ، قال؛ کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا افتتح الصلاۃ قال؛ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ ''(سنن النسائی:۱/۱۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ:۱/ ۲۰۹، مسند احمد:۱۸/ ۱۹۹، ابن ماجہ:۱/ ۱۶۵، المعجم الکبیر:۱۰/ ۱۰۸، دارقطنی ص:۱۶۳)

فائدہ: ثناء کی بحث اور اعتراضات مع الجوابات ان شاء اللہ آگے ذکر ہوں گے۔

دوسری تکبیر: دوسری تکبیر میں ہاتھ اٹھائے بغیر یہ درود شریف پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (صحیح بخاری ج:۱ص:۴۷۷)

تیسری تکبیر: تیسری تکبیر میں ہاتھ اٹھائے بغیر بالغ مرد و عورت کے لئے یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا، اَللّٰھُمَّ مَنْ أَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَأَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ.

(مستدرک للحاکم، کتاب الجنائز ج:۱ص:۳۸۶، مصنف عبدالرزاق ج:۳ص:۱۲۱)

میت اگر نابالغ لڑکا ہو:

یہ بات یاد رکھیں کہ احادیث میں اس دعا کے خاص الفاظ متعین نہیں ہیں کہ وہی پڑھنا ہوں گے اور ان کے

علاوہ دیگر الفاظ ممنوع ہیں بلکہ احادیث میں مطلق دعا کی تلقین آئی ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے: ''وَالسِّقْطُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَيُدْعٰى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ'' (سنن ابی داؤد ج:۲، ص:۹۷، باب المشی امام الجنازۃ، السنن الکبریٰ ج:۴، ص:۸، مسند احمد ج:۱۰، ص:۱۱۷، المعجم الکبیر ج:۹، ص:۱۰۵، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج:۵، ص:۲۷۲، شرح السنۃ للبغوی ج:۵، ص:۳۷۳)

یعنی نابالغ کا نماز جنازہ پڑھا جائے گا اور اس کے والدین کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نابالغ میت کے لئے نماز جنازہ میں یوں دعا فرماتے:

''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ عَلَى الْمَنْفُوْسِ الَّذِيْ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيْئَةً قَطُّ، وَيَقُوْلُ؛ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّفَرَطًا وَّذُخْرًا'' (السنن الکبریٰ للبیہقی ج:۴، ص:۱۰، بَابُ السِّقْطِ يُغَسَّلُ وَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ، ناشر: مکتبۃ المعارف، ریاض)

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (المتوفی:۱۱۰ھ) یوں دعا فرماتے:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّفَرَطًا وَّأَجْرًا'' (صحیح بخاری:۱/۱۷۸، باب قرأۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ)

مشکوٰۃ میں بھی یہی دعا نقل ہوئی ہے مگر اس میں ایک لفظ ''وَذُخْرًا'' اضافی ہے۔ (مشکوٰۃ ص:۱۴۶)

تو احادیث میں نابالغ میت کی دعا کے خاص الفاظ متعین نہیں مگر سلف صالحین رحمہم اللہ سے مختلف الفاظ نقل ہیں، اسی لئے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے فیصلہ فرمایا کہ دعا کے لئے جو الفاظ چاہے ان کو اختیار کرے اور ان تمام روایات سے ایک نچوڑ اور خلاصہ اخذ کیا اور تمام روایات سے ان الفاظ میں دعا منتخب فرمائی:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا'' (الہدایہ مع نصب الرایہ ج:۲، ص:۲۷۹، فصل فی الصلوۃ علی المیت، المحیط البرہانی ج:۲، ص:۳۲۸، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، کنز الدقائق للنسفی مع البحر الرائق ج:۲، ص:۲۲۲، فصل السلطان احق بصلاتہ)

ترجمہ: الٰہی اس بچے کو ہمارے لئے (آگے پہنچ کر) سامان کرنے والا بنا، اس کو ہمارے لئے اجر (کا موجب) اور وقت پر کام آنے والا بنا، اس کو ہماری سفارش کرنے والا بنا اور جس کی سفارش منظور ہو جائے۔

تنبیہ: اگر بچے کی جگہ بچی ہو تو پھر ''اجْعَلْهُ'' کی جگہ ''اجْعَلْهَا'' اور ''شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا'' کی جگہ ''شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً'' پڑھیں۔

فائدہ: امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے بھی یہ تصریح کی ہے:

''اور اگر نماز جنازہ کی دعا میں کوئی ''ھو - ھا'' بدل دے تو بھی صحیح ہے لیکن منقول الفاظ تبدیل نہ ہوں تو بہتر ہے'' (نمازِ جنازہ کا مسنون طریقہ اور دعائیں (پشتو) ص:۷)

ابو عمار سمیع اللہ صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اکثر علماء کا راجح قول یہ ہے کہ ضمائر کو بدل دیا جائے یعنی دعا کرنے والا اپنی دعا میں مرد کے لئے ''لـه'' کی ضمیر اور عورت کے لئے ''لھا'' کی ضمیر استعمال کرے'' (نماز کا طریقہ ص:۱۶۰)

اور مشہور غیر مقلد مولانا داؤد غزنوی صاحب نمازِ جنازہ کے طریقہ کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''میت اگر نابالغ لڑکا ہے تو تیسری تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھو: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّفَرَطًا وَّذُخْرًا وَّأَجْرًا'' اور اگر میت نابالغ لڑکی ہے تو ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ'' کی جگہ ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا'' کہو'' (نمازِ مترجم ص:۳۵-۳۶)

غیر مقلدین کے محقق عبد الولی عبد القوی صاحب لکھتے ہیں: ''اور اگر میت عورت ہو تو مؤنث کے صیغے استعمال کرے چنانچہ ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ'' کی بجائے ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهَا'' کہے''
(مسائل جنازہ پر ایک تحقیقی نظر ص:۱۳۰، ناشر: انجمن اصلاح معاشرہ انڈیا)

غیر مقلدین کے شیخ التفسیر عبد السلام الرستمی صاحب لکھتے ہیں:

''چھوٹے لڑکے کی نمازِ جنازہ میں یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّسَلَفًا وَّذُخْرًا وَّأَجْرًا'' یا یہ دعا پڑھے ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا'' اور چھوٹی لڑکی کی نمازِ جنازہ میں یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهَا لَنَا أَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً'' (تحفۃ السجن ص:۱۶۸-۱۶۹)

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''عورت کے جنازے کے لئے بھی مذکورہ دعائیں ہی پڑھی جائیں گی البتہ ضمیروں میں تبدیلی کر لی جائے یعنی ''لَهٗ'' کی جگہ ''لَهَا'' اور ''وَارْحَمْهُ'' کی جگہ ''وَارْحَمْهَا'' وغیرہ'' (محفوظات اردو ج:۱، ص:۳۰)

زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد بھی اسی کے قائل ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

''عورت کے لئے اگر ضمائر کو نہ بدلا جائے تو ''ہ'' سے مراد ''المیت'' ہو جائے گا، اگر ضمائر بدل لی جائیں تو عورت ہی مراد ہوگی'' (فتاویٰ علمیہ ج:۱، ص:۵۲۹)

الغرض کسی کو یہ دعا نہ آتی ہو تو کوئی بھی پڑھ لے، یہ لازم و فرض نہیں ہے، اسی لئے فقہاء کرامؒ نے تصریح کی

ہے: ''فَاِنْ كَانَ لَا يُحْسِنُ يَأْتِيْ بِأَيِّ دُعَاءٍ شَاءَ'' (فتاویٰ ھندیہ ج:۱، ص:۱۶۴، الصلوٰۃ علی المیۃ)

ترجمہ: اگر کوئی یہ دعا اچھے طریقے سے نہ مانگ سکے تو جو دعا چاہے مانگ لے۔

مفتی ابو یوسف درویش رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً نے بھی یہی تصریح کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ''ہم اس دعا کے لزوم کے قائل نہیں ہیں، عام دعا جو نمازِ جنازہ میں حضور ﷺ سے ثابت ہو، بھی پڑھ سکتے ہیں، اعتراض تو جب ہوتا جب ہم اس کے لزوم کے قائل ہوتے'' (کیا نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت ہے؟ ص:۲۴)

امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے بھی یہی تصریح کی ہے، لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ میں ہر قسم کی دعا مانگنا جائز ہے جو میت کے لئے فائدہ مند ہو'' (نمازِ جنازہ کا مسنون طریقہ اور دعائیں (پشتو) ص:۷)

اور اسی طرح کا مفہوم ''الحق الصریح ج:۶، ص:۵۱۳'' میں بھی لکھا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''لیکن نبی علیہ السلام نے نمازِ جنازہ میں ہر قسم کی دعا مانگنے کی اجازت دی ہے''

(نمازِ جنازہ کا مسنون طریقہ اور دعائیں (پشتو) ص:۱۲)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ میں شرعی اذکار اور منقول دعاؤں کی پابندی کرنا مستحب اور افضل عمل ہے اور ہر قسم کی دعا مانگنے کی اجازت (فأخلصوا له فى الدعاء) کے ساتھ آئی ہے، اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مُردوں کے لئے مختلف دعائیں مانگتے تھے، تو اگر آپ کے پاس شرعی اذکار اور دعائیں ختم ہو جائیں تو اپنی طرف سے بھی بنائی جاسکتی ہیں'' (الحق الصریح ج:۶، ص:۵۱۷)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ میں ہر قسم کی دعا مانگنا جائز ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے (فأخلصوا له فى الدعاء) لیکن بہتر وہ دعا ہے جو احادیث میں آئی ہو'' (مسنون مستند اذکار اور دعائیں (پشتو) ص:۱۲۲)

ابو عمار سمیع اللہ صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''میت کے لئے کوئی خاص دعا مقرر نہیں ہوئی جس میں کمی وبیشی جائز نہ ہو'' (نماز کا طریقہ (پشتو) ص:۱۵۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اور یہ بھی جائز ہے کہ میت کے لئے کوئی دوسری دعا مانگ لے جس میں میت کے لئے رحمت اور مغفرت طلب کی گئی ہو اور جس میں اللہ تعالیٰ سے اس میت کے برے اعمال کی بخشش کا سوال ہو'' (نماز کا طریقہ ص:۱۵۲)

اور پھر دلیل کے طور پر یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ اپنی مصنف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: ''مَا بَاحَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، وَلَا اَبُوْبَكْرٍ، وَلَا عُمَرٍ فِي الصَّلَاةِ عَلَى

الْمَيِّتِ بِشَيْءٍ"(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۲،ص:۴۸۹)

کہ نبی کریم ﷺ، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ میں ہمارے لئے کوئی خاص دعا مقرر نہیں فرمائی۔

سعید بن المسیب اور شعبی رحمہما اللہ کا قول بھی اسی طرح ہے:

"**قَالَا ؛ لَيْسَ عَلَى الْمَيِّتِ دُعَاءٌ مُوَقَّتٌ**"(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۲،ص:۴۸۹)

اور پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:"جب میت نابالغ ہو تو اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی خاص دعا منقول نہیں لیکن علماء نے اس کے لئے یہ دعائیں ذکر کی ہیں......الخ"(نماز کا طریقہ (پشتو) ص:۱۵۸)

زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

"میت پر کوئی دعا موقت (خاص طور پر مقرر شدہ) نہیں ہے لہٰذا جو بھی ثابت شدہ دعا کر لیں جائز ہے" اور پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں"**ابن ابی شیبہ (۳۴۸۹) عن سعید بن المسیب والشعبی عن محمد بن سیرین وغیرھم من آثار التابعین قالوا لیس علی المیت دعاء موقت (نحو المعنی) وھو صحیح عنھم**"(ماہنامہ الحدیث شمارہ:۱۷،ص:۳۷،صحیح نماز نبوی ص:۳۲)

حافظ ابن تیمیہؒ (المتوفی:۷۲۸ھ) بھی یہی اقرار کرتے ہیں:"**وَلَمْ يُوَقِّتْ النَّبِيُّ ﷺ فِيهَا دُعَاءً بِعَيْنِهِ**"(مجموع الفتاویٰ ج:۱۱،ص:۳۵۳)

ابو ثاقب محمد صفدر حضروی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:"تابعین کا اس پر اجماع ہے کہ میت پر کوئی موقت دعا نہیں ہے، جو دعا چاہیں مانگ سکتے ہیں"(ماہنامہ الحدیث شمارہ:۲۶،آخری اندرونی ٹائٹل یعنی ص:۶۶)

غیر مقلدین کے محقق عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:"ان ماثورہ دعاؤں کے علاوہ امام دوسری دعائیں بھی حسب اختیار پڑھ سکتا ہے"(احکامِ جنازہ ص:۸۹)

عجیب اور مفید نکتہ:

یہاں پر ایک عجیب نکتہ ملاحظہ کیجئے! غیر مقلدین حضرات نے اپنی کتب میں لکھا ہے کہ نماز کی پہلی تکبیر میں نبی کریم ﷺ سے ثناء کے مختلف الفاظ اور مختلف دعائیں نقل ہوئی ہیں مثلاً غیر مقلدین کے مدارس کی درسِ نظامی میں پڑھائی جانے والی کتاب میں یوں لکھا ہوا ہے:

"نبی کریم ﷺ تکبیر کے بعد بہت سے دعائیں مانگتے جن میں کچھ درج ذیل ہیں (پھر وہ مختلف دعائیں

ذکر کی ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں...... ناقل عفی عنہ) احادیث میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی دعائیں نقل ہیں جن کو یاد کرنا اور مانگنا چاہئے، یہ بات یاد رکھیں کہ اس مقام پر دعائیں جمع نہ کریں بلکہ صرف ایک دعا پڑھیں، کبھی ایک کبھی دوسری، دو تین دعائیں جمع نہیں کرنی چاہئیں" (محفوظاتِ حنفی ج:۲،ص:۵۵-۵۶،الفقہ)

اور امین اللہ پشاوری غیر مقلد نے بھی یہ تصریح کی ہے:

"اس مقام پر چھ سات اذکار وارد ہیں، ان کو جمع کرنا جائز نہیں ہے" (زینۃ الصلوٰۃ ص:۹۶)

مگر اس کے برعکس غیر مقلدین حضرات نمازِ جنازہ میں مختلف دعائیں جمع کرتے اور مانگتے ہیں! آخر کس دلیل کی بنیاد پر یہ عمل کرتے ہیں کہ اول مقام پر دعائیں اور ثناء جمع کرنے کو ناجائز کہتے ہیں اور نمازِ جنازہ میں وہ دعائیں جمع کرتے ہیں؟ اس پر صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کریں! چونکہ چنانچہ اگرچہ مگرچہ سے کام نہیں چلے گا تا کہ ہمارے دلوں سے یہ بات ختم ہو جائے کہ غیر مقلدین کے بے دلیل اعمال میں سے ایک عمل یہ بھی ہے، یاد رکھیں! جواب میں صرف صحیح مرفوع حدیث معتبر ہوگی۔

چوتھی تکبیر: آخر میں چوتھی تکبیر بھی ہاتھ اٹھائے بغیر کریں اور دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

﴿نماز میں ''نیت'' کا تفصیلی، تحقیقی و علمی جائزہ﴾

نماز کی ادائیگی کے لئے سب سے پہلے نیت کا ہونا ضروری ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے......سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر غیر مقلدین حضرات علمائے احناف کثر اللہ سوادہم کے ساتھ اختلاف کیوں رکھتے ہیں......!

تو عرض ہے کہ غیر مقلدین حضرات خوامخواہ کے بے جا اختلافات پیدا کر کے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہیں اور بے بنیاد الزامات لگا کر غلط بیانی کرتے ہیں ورنہ اصل مسئلہ سمجھ میں آجائے تو غیر مقلدین کا تعصب خود بخود سامنے آجاتا ہے۔

یہ لوگ یوں اعتراض کرتے ہیں کہ احناف زبان سے نیت کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں جو کہ بدعت ہے...... حالانکہ یہ ہم پر خالص جھوٹ اور محض الزام ہے جس میں کوئی حقیقت نہیں۔

اصل حقیقت: ہمارے ہاں ''نیت'' دل کے ارادے کا نام ہے۔(بدائع الصنائع ج:۱ص:۱۲۷)

نمازی جب نماز ادا کرتا ہے تو وہ طے کرے گا کہ میں نماز پڑھتا ہوں فلاں کیفیت وکمیت کے ساتھ یعنی وہ جس وقت کی نماز پڑھ رہا ہے، قضاء بھی پڑھ سکتا ہے ادا بھی! فرض بھی پڑھ سکتا ہے واجب بھی! سنت ونفل بھی اور عام صلوٰۃ مطلقہ بھی ادا کرسکتا ہے! نمازِ جنازہ بھی پڑھ سکتا ہے اور سجدہ تلاوت بھی ادا کرسکتا ہے! چار رکعات بھی ادا کرسکتا ہے، تین اور دو بھی بلکہ غیر مقلدین کے مسلک میں ایک رکعت بھی ادا کرسکتا ہے! انفرادی طور پر بھی ادا کرتا ہے اور جماعت کے ساتھ امام کی اقتداء میں بھی ادا کرتا ہے! تو نمازی ان سارے امور سے گزرتا ہے۔اصل نیت اور امور کے تعین کے لئے دل ہی میں اس کا استحضار کافی ہے، زبان سے اس کا تلفظ بالکل شرط یا ضروری نہیں۔

البتہ آج کل کے ڈیپریشن اور ٹینشن کے دور میں اگر کسی کو وساوس اور عدم استحضارگی کی بیماری لاحق ہو اور اس اضطرابی کیفیت کی وجہ سے نماز شروع کر کے پھر توڑ دیتا ہے یا نماز میں خشوع وخضوع اور دھیان میں اضطراب ہو تو اس وسوسے کو ختم کرنے کے لئے عذراً ومجبوراً وضرورۃً اگر زبان سے بھی نیت کر لی جائے تو بہتر ومستحسن ہے کیونکہ اس سے نیت پختہ ہو جاتی ہے جیسا کہ مشہور محدّث ابن قدامہ الحنبلیؒ (المتوفی:۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

''وان لفظ بما نواہ تاکیدًا'' (المغنی ج:۱،ص:۵۰۹)

یعنی جس چیز کی نیت کی ہے اگر اس کا تلفظ کرلے تو معاملہ پختہ ہوجائے گا۔

چونکہ زبان دل کی ترجمان ہے تو اپنے دل کے اظہار اور خوب توجہ پیدا کرنے کے لئے زبان سے تلفظ کیا جائے تاکہ دل بیدار ہوجائے، حدیث پاک میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ آدمی کا دل سیدھا نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی زبان سیدھی ہو۔ (مسند احمد:۳/۱۹۸)

معلوم ہوا کہ زبان سیدھی ہو تو دل سیدھا ہوتا ہے، زبان سے نیت کی حفاظت ہوتی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''وحافظوا علی نیاتکم فی الصّلوۃ'' (مجمع الزوائد ج:۱،ص:؟؟؟،باب النیۃ والخروج من الصّلوۃ)

ترجمہ: اور نماز میں اپنی نیت کی حفاظت کرو۔

لیکن زبان سے ادائیگی بھی اس شرط پر کہ وہ خود سن لے، اونچی آواز کو لازمی قرار دینا اور لمبی چوڑی نیت کر کے امام کے ساتھ جلدی شریک نہ ہونا بالکل درست نہیں! یہ صرف توجہ پیدا کرنے اور ذہنی وساوس کو ختم کرنے کے لئے بطورِ ایک آلہ کے ہے، کوئی فرض، واجب یا سنت نہیں ہے۔ اسی لئے ہمارے فقہ میں یہ اصول لکھا گیا ہے: ''ولا عبرۃ للذّکر باللّسان فان فعلہ لتجتمع عزیمۃ قبلۃ فھو حسن کذا فی الکافی ومن عجز عن احضار القلب یکفیہ اللّسان کذا فی الزاھدی'' (فتاویٰ عالمگیری ج:۱،ص:۶۵)

یعنی زبان کی محض نیت کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں! اگر دل کے ارادہ کی مضبوطی کے لئے زبان سے نیت کرے تو بہتر ہے۔

اسی وجہ سے فقہ کی کتاب میں یہ مسئلہ لکھا گیا ہے: ''أحسنہ السّلف'' (درّ مختار ج:۱،ص:۲۷۹)

یعنی سلف نے اس کو پسند فرمایا ہے۔

اسی وجہ سے ہمارے ہاں محض تلفظ بالنیۃ کا اعتبار نہیں جب تک دل سے نیت نہ کریں، مخالفین حضرات ہم پر جو الزامات لگاتے ہیں کہ احناف زبان سے نیت کرنے کو ضروری یا نیت کا حصہ سمجھتے ہیں کہ اس زبانی نیت کے بغیر نماز یا نیت ہی نہیں ہوتی محض الزام ہے جس میں ذرہ برابر صداقت نہیں۔ موقع کی مناسبت سے اختصاراً چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں بعونہٖ تعالیٰ:

زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں:

۱۔ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں: ''آواز سے نیت کرنا اور اس کے لئے امام کو پابند قرار دینا اور نہ کروانے پر اعتراض ونکیر کرنا، ناراضگی کا اظہار کرنا خلافِ سنت ہے، اس رسم کا ترک کرنا لازم ہے'' (دارالافتاء دارالعلوم دیوبند فتویٰ نمبر:۵۹۶۵۳)

۲۔ ''فتاویٰ عباد الرحمٰن'' میں لکھا ہے: ''نماز کے لئے دل کی نیت کا ہونا ضروری ہے، اگر کوئی دل میں نیت کرے زبان سے نہ کرے تو نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا'' (فتاویٰ عباد الرحمٰن :۱/ ۴۸)

۳۔ ''فتاویٰ رحیمیہ'' دل کی نیت کے متعلق لکھتے ہیں: ''دل میں عصر کی نیت تھی مگر زبان سے ظہر کا لفظ نکل گیا تو مضائقہ نہیں، نماز ہوجائے گی، درّ مختار میں ہے: **والمعتبر فیھا عمل القلب اللازم للارادۃ فلا عبرۃ للذّکر باللّسان** '' (فتاویٰ رحیمیہ ج:۵، ص:۲۹)

۴۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ''نیت دل کے ارادے کا نام ہے نہ کہ زبان کے بول کا، زبان سے جو الفاظ کہے جاتے ہیں وہ تو محض نیت کو نقل کرنا ہے اور اس سے ذہنی استحضار مقصود ہے، اس لئے اول تو عربی یا اردو میں نیت کے الفاظ کہنا واجب یا مستحب نہیں، دوسرے چونکہ یہ کلمات نماز شروع کرنے سے پہلے کہے جاتے ہیں اس لئے اس کو اردو میں بھی کہا جاسکتا ہے اور عربی میں بھی''

(کتاب الفتاویٰ ج:۲، ص:۱۶۲)

۵۔ وکیل احناف، ترجمان علماء دیوبند حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی شخص صرف زبان سے نیت کرے دل میں نیت نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی کیونکہ **انّما الاعمال بالنّیات** کے موافق دل کی نیت اصل تھی جب وہ نہ پائی گئی تو نماز نہ ہوئی'' (مجموعۂ رسائل ۲/ ۲۱۸)

تلفظ بالنیۃ (شوافع کے حوالے سے): اور یہ صرف احناف کثر اللہ سوادہم کے نزدیک ہی نہیں بلکہ مذاہب ثلاثہ (مالکیہ، حنابلہ اور شوافع) کے نزدیک بھی جائز و مستحسن ہے:

(۱) علامہ محمد بن عبدالرحمٰن الشافعیؒ (المتوفی: ۷۸۰ھ) فرماتے ہیں: ''**ومحل النّیّۃ القلب والکمال ان ینطق بلسانہ بما نواہ بقلبہ**'' (رحمۃ الامۃ ص:۱۴)

ترجمہ: محلِ نیت قلب ہے اور کمال یہ ہے کہ جس چیز کی دل میں نیت ہے اس کا تلفظ کرلے۔

(۲) خود امام شافعیؒ (المتوفی:۲۰۴ھ) کا عمل بھی ملاحظہ فرمائیں، علامہ مقریؒ (المتوفی:۳۸۱ھ) اپنی کتاب میں باسند لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ نماز کی نیت زبان سے ادا کرتے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''أخبرنا ابن خزیمة، ثنا الربیع قال؛ کان الشافعی اذا اراد ان یدخل فی الصّلوة قال بسم اللّٰه موجّها لبیت اللّٰه مؤدیا لفرض اللّٰه (عزّ وجلّ) اللّٰه اکبر''

(المعجم لابن المقری ص:۱۲۱، رقم:۳۳۶، مکتبۃ الرشد، ریاض)

یعنی امام شافعیؒ جب نماز شروع کرنے کا ارادہ کرتے تو فرماتے ''بسم اللّٰه موجّها لبیت اللّٰه مؤدیا لفرض اللّٰه'' اور پھر ''اللّٰه اکبر'' کہہ کر نماز میں داخل ہوتے۔

(۳) امام تاج الدین سبکی الشافعیؒ (المتوفی:۷۷۱ھ) نے بھی اپنی مشہور کتاب ''الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' میں یہی درج بالا قول ''الربیع بن سلیمان'' کے ترجمہ میں درج کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے (الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج:۲، ص:۱۳۹، رقم:۲۹)

بتائیے کیا امام شافعیؒ جیسے مجتہد وامام کو بھی بدعتی کہا جائے گا......؟! العیاذ باللہ

(۴) ابوبکر بن العربی المعاضریؒ (المتوفی:۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:

''وقد قال الشافعی؛ یستحب له أن یتکلّم بلسانه بنیته فیقول أُؤَدِّیُ ظهر الوقت ثمّ یکبّر'' (کتاب القبس فی شرح موطا مالک ج:۱، ص:۲۱۴)

اور یقیناً امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: مستحب ہے کہ نمازی اپنی زبان سے نیت کرے پس وہ کہے کہ میں وقتِ ظہر کی نماز ادا کر رہا ہوں پھر تکبیر کہے۔

معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ سے تواتراً یہ بات نقل ہے کہ نمازی زبان سے نیت کر سکتا ہے خواہ ناقلین کا اپنا نظریہ کچھ بھی ہو مگر یہاں پر بات امام شافعیؒ کی ہو رہی ہے۔۔

(۵) عبدالرحمٰن بن محمد الجزیریؒ (المتوفی:۱۳۶۰ھ) زبان سے نیت کرنے کے متعلق لکھتے ہیں: ''لیسنّ أن یتلفظ بلسانه بالنیّة'' (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج:۱، ص:۱۹۵، بیروت)

ترجمہ: زبان کے ساتھ نیت کرنا مسنون (یعنی مستحسن) ہے۔

معلوم ہوا کہ زبان سے نیت کرنا بدعت نہیں بلکہ مشروع و متحقق ہے۔

تنبیہ: یہاں سنت سے مراد سنت نبوی ﷺ نہیں بلکہ بمعنی لغوی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ نیت کا تعلق دل کے

ساتھ ہے، محض زبان کے ساتھ نہیں جیسا کہ تفصیلی بات گزر چکی ہے، زبان سے نیت کرنے سے مقصود صرف دل کو بیدار کرنا اور وسوسہ وڈ پریشن ختم کرنا ہے۔

(۶) امام ابوالحسین یحی بن ابی الخیر بن سالم العمرانی الشافعیؒ (المتوفی: ۵۵۸ھ) نیت کے متعلق لکھتے ہیں:

''فأمّا محلها فالقلب؛ لأن النيّة الاخلاص ولا يكون الاخلاص الّا بالقلب فان نوى بقلبه وتلفظ بلسانه فقد أتى بالأكمل''

(البيان فى مذهب الامام الشافعى ج:۲،ص:۱۶۰، ناشر: دارالمنہاج، جدّہ)

ترجمہ: نیت کا محل دل ہے کیونکہ نیت کا خالص ہونا صرف دل کے ساتھ ہوتا ہے پس اگر اپنے دل کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی نیت کا تلفظ کیا تو تحقیق کے ساتھ وہ کامل طریقے پر آیا۔

کن کن اسلاف کو بدعتی کہو گے......؟؟ کچھ خوفِ خدا کریں اگر احساس اور قیامت کا یقین رکھتے ہیں......!!

(۷) ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل المعروف بالرویانیؒ (المتوفی: ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

''فأمّا محلها فهو القلب، لقولهٖ تعالىٰ ''وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ'' والاخلاص بالقلب فان نوى بقلبه وتلفظ بلسانه فهو الكمال''

(بحر المذهب ج:۱،ص:۴۷، ناشر: دارالکتب العلمیہ)

اس کا ترجمہ ومفہوم درج بالا حوالے جیسا ہے۔

(۸) حنابلہ میں سے الولی الکامل الشیخ عبدالقادر الجیلانیؒ (المتوفی: ۵۶۱ھ) بھی نیت کے تلفظ کو مستحب کہتے ہیں، اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''امام کو چاہئے کہ نماز شروع کرنے اور تکبیر کہنے سے پہلے دل میں امامت کی نیت کرے، اگر زبان سے بھی کہے تو اچھا ہے'' (غنیۃ الطالبین مترجم ص: ۶۳۵، ماتحت عنوان: امام کا نیت کرنا اور صفیں سیدھی کرنا)

یادرہے زبیر علیزئی غیر مقلد نے ''غنیۃ الطالبین'' حضرت جیلانیؒ کی کتاب تسلیم کی ہے اور حضرت جیلانیؒ کو غیر مقلدین کی طرف سے خراجِ تحسین کے بیسیوں حوالہ جات ہماری کتاب ''نصرۃ المعبود فی مسئلۃ وحدۃ الوجود'' میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں **فللّٰه الحمد والمنة**

(۹) ابوعبداللہ المواق المالکیؒ (المتوفی: ۸۹۷ھ) نے بھی ابن العربیؒ کے حوالے سے لکھا ہے: ''ابـــــن

العربی؛ قال الشافعی؛ یستحب له أن یتکلّم بلسانه بنیته فیقول أُؤَدِّیُ ظهر الوقت ثمّ یکبّر'' (التاج والاکلیل لمختصر خلیل ج:۲،ص:۲۰۷،فصل فی فرائض الصلوۃ،ناشر: دارالکتب العلمیہ)

اس کا مفہوم وہی ہے جو اوپر ابن العربیؒ کے حوالہ میں درج ہے، پھر آگے ابوعبداللہؒ خود لکھتے ہیں: **''أمّا أنّه یستحبّ للمشوش الخاطر الموسوس الفکر اذا خشی ان لا یرتبط فی قلبه عقبه النّیّة أن نعضّده بالقول حتّی یذهب عنه اللّبس''**

خبردار......! اضطرابی اور وسوسے کی فکر میں مبتلاء شخص کے لئے یہ مستحب ہے کہ جب وہ دل میں نیت کرتا ہے لیکن دل متوجہ نہیں ہوتا تو اس کے ساتھ قول کو بھی ملائے یہاں تک کہ اس سے التباس ختم ہو جائے۔

غیر مقلدین کا مذہب:

اس سلسلے میں غیر مقلدین کا مؤقف بھی خود انہی کی کتب سے ملاحظہ فرمائیے تا کہ ایک منصف اور ثالث کے لئے نتائج اخذ کرنا آسان ہو جائے اور ہمارے ان سے مطالبات کرنے اور اپنے مؤقف کو مزید تقویت میں معاون بھی ثابت ہو سکے ان شاء اللہ الرحمٰن وبعونہ تعالیٰ!

(۱) غیر مقلدین کے محقق الشیخ عبدالرحمٰن عزیز صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''نیت کے دو حصے ہیں، پہلا یہ کام کس کے لئے کرنا ہے اور دوسرا حصہ یہ کہ کون سا کام کرنا ہے، پہلے کا جواب یہ ہے کہ...... دوسرے کا جواب یہ ہے کہ فلاں نماز پڑھنے لگا ہوں مثلاً فجر یا ظہر، یا کوئی دوسرا فرض یا نفل، اتنی رکعات ہیں، ادا ہے یا قضاء، یہ پوری تفصیل ذہن میں ہونی چاہئے''

(صحیح نماز نبوی ص:۱۳۶ طبع قدیم،ص:۲۵۲ طبع جدید، ناشر: دارالاندلس لاہور)

یاد رہے اس پر بطورِ نظر ثانی غیر مقلدین کے معروف محقق ومناظر ''مبشر احمد ربانی'' اور ''شیخ الحدیث حافظ عبداللہ رفیق صاحب'' کے نام درج ہیں۔

تنبیہ: موجودہ جدید ایڈیشن میں کافی ڈنڈیاں ماری گئی ہیں جس کی تفصیل یہاں درج کرنے کا موقع نہیں تاہم یہ حوالہ جدید ایڈیشن میں بھی موجود ہے فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

معلوم ہوا کہ درج ذیل اشیاء کی تعیین ضروری ہے جو نیت ہی کے حصے ہیں:

۱۔ فرض (واجب،سنت) یا نفل

۲۔ ادا نماز ہے یا قضاء نماز ہے

۳۔ کس وقت کی نماز ہے؟ فجر کی یا ظہر کی؟

۴۔ کتنی رکعات پڑھنا ہے دو، تین یا چار؟

اگر درج بالا شقوں میں ایک بھی نہ رہے تو گویا نیت ہی ادا نہیں کی اور نیت ادا نہ کرنے سے نماز باطل وکالعدم ہے......**تدبّروا!**

(۲) غیر مقلدین کے مشہور مفسّر قرآن شیخ عبدالسلام الرستمی صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''نیت شریعت میں دل کے ارادے، اللہ کی رضا کے لئے کو کہتے ہیں، ہر نماز میں دل میں ارادہ کرنا کہ یہ فرض، سنت یا نفل نماز اتنی رکعات فلاں وقت کی کرتا ہوں'' (تحفۃ السجن ص:۵۹-۶۰)

(۳) امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''کسی سے بہت سی نمازیں فوت ہوئی ہوں تو قضاء کے وقت یہ نیت کرنا کہ فوت شدہ نماز ادا کرتا ہوں کافی نہیں ہے بلکہ نیت کی تعیین ضروری ہے کہ مثلاً ظہر یا عصر کی فوت شدہ نماز ادا کرتا ہوں، مطلق نیت پر اکتفاء صحیح نہیں ہے'' (الحق الصریح ج:۱،ص:۶۷ طبع جدید)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''مقتدی کے لئے امام کی نیت ضروری ہے لیکن امام کے لئے مقتدی کی نیت ضروری نہیں ہے'' (الحق الصریح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج:۵،ص:۸۴)

(۴) حافظ صادق اللہ صافی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''نمازی اپنے دل میں ظہر یا عصر یا نفل نماز کی نیت یعنی قصد کریں'' (صلوٰۃ الرسول ﷺ ص:۶۷)

﴿جنازہ میں ثناء پڑھنا﴾

نمازِ جنازہ میں ثناء پڑھنا دلائل کی روشنی میں ثابت ہے، ثناء جن الفاظ کے ساتھ بھی پڑھی جائے مشروع ہے البتہ ہمارے نزدیک ''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ......الخ'' پڑھنا بہتر وافضل ہے اور ثناء بھی وہی پڑھی جائے گی جو عام نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ (مجموعہ رسائل ج:۱،ص:۲۴۷، از حضرت اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ)

اور چونکہ غیر مقلدین نمازِ جنازہ کو حقیقی اور کامل نماز کہتے ہیں تو اُن کے لئے اس سے انکار کی گنجائش ہونی ہی نہیں چاہئے۔

آمدم برسرِ مقصد: وہ ثناء یہ ہے:

''**عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ؛ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ قَالَ؛ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ**'' (سنن نسائی ج:۱،ص:۱۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ:۱/ ۲۰۹، مسند احمد:۱۸/ ۱۹۹، ابن ماجہ:۱/ ۱۶۵، المعجم الکبیر للطبرانی:۱۰/ ۱۰۸، سنن الدارقطنی ص:۱۶۳)

رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو یوں پڑھتے: ''**سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ**''

''**عن أنس قال؛ کان رسول اللّٰه ﷺ اذا افتتح الصلٰوۃ کبر ثم رفع یدیه حتی یحاذی ابهامیه أذنیه ثم یقول؛ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ**'' (سنن الدارقطنی ص:۶۲)

غیر مقلدین کے شیخ التفسیر عبدالسلام رستمی صاحب اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ''یہ حدیث انسؓ سے منقول ہے، ابویعلیٰ ودارقطنی اور طبرانی نے ذکر کی ہے اور یہ صحیح ہے'' (نماز احادیث کی روشنی میں (پشتو) ص:۵۹)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''**أَنَّ أَبَا عَلِيٍّ الْجَنْبِيَّ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ يقول؛ سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا يَدْعُو فِيْ صَلَاتِهٖ لَمْ يُمَجِّدِ اللّٰهَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّيْ، ثُمَّ عَلَّمَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ**'' (سنن النسائی:۱/ ۱۴۴)

مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کی دعا سنی جس نے نماز میں (دعا سے پہلے) نہ تو اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم نے جلدی سے کام لیا،

پھر نبی کریم ﷺ نے اس کو (دعا کی) صحیح تعلیم دی۔

غیر مقلدین کے مشہور محقق اور شارح الحدیث مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب (المتوفی:۱۳۴۹ھ) حدیث کے الفاظ تصحیح کے ساتھ یوں نقل کرتے ہیں: ’’عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ يقول؛ سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رَجُلًا يَدْعُو فِیْ صَلَاتِہٖ لَمْ يُمَجِّدِ اللّٰهَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَجَّلَ هٰذَا ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَمْجِيْدِ رَبِّہٖ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ يصلى على النبى ثم يدعو بعد بما شاء وقال الترمذی حسن صحيح ورواه ابن حبان فی صحيحه والحاكم فی المستدرک وقال صحيح على شرط مسلمٍ‘‘ (عون المعبود ج:۸،ص:۳۵۱)

درج بالا روایت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کی دعا سنی جس نے اپنی نماز میں (دعا سے پہلے) نہ تو اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے جلد بازی کی، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بلوایا اور اس سے فرمایا کہ تم میں سے جو نماز پڑھے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ثناء اور بزرگی بیان کرے، پھر نبی پر درود شریف پڑھے، اس کے بعد جو دعا چاہے مانگ لے۔

غیر مقلدین کے محقق عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب درج بالا حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

’’فصل: جنازہ کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد دعا ثناء پڑھنے کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے سنا جس نے دعا کرنے سے پہلے نہ اللہ تعالیٰ کی ثناء کی تھی اور نہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا تھا پس آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی، روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے۔ اس حدیث سے نمازِ جنازہ میں دعا ثناء کا پڑھنا ثابت ہے، ’’مؤطا امام مالک ص:۷۶‘‘ میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ جنازہ کی نماز کیونکر پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں جنازہ کے ساتھ ان لوگوں کے یہاں سے چلتا ہوں، پس جب جنازہ رکھا جاتا ہے تو اللہ اکبر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اس کے نبی پر درود بھیجتا ہوں پھر کہتا ہوں ’’اللّٰهم عبدک وابن عبدک......الخ‘‘

حضرت ابوہریرہؓ کے اس اثر سے بھی نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد دعا ثناء پڑھنے کا ثبوت ہوتا ہے اور اس کا ثبوت اس سے بھی کہ نمازِ جنازہ نماز ہے، پس جیسے تمام نمازوں میں دعا ثناء پڑھی جاتی ہے، نمازِ جنازہ میں بھی پڑھنا چاہئے‘‘ (کتاب الجنائز ص:۵۲، فاروقی کتب خانہ لاہور)

غیر مقلدین کے ایک اور محقق وعلامہ عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں: ''تکبیر اولیٰ کے بعد: حضرت فضالہ بن عبیدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے سنا جس نے دعا کرنے سے پہلے نہ اللہ تعالیٰ کی ثناء کی تھی، نہ ہی رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا تھا، آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اس حدیث سے نمازِ جنازہ میں ثناء کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ نمازِ جنازہ کس طرح پڑھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا میں جنازہ کے ساتھ چلتا ہوں، جب جنازہ رکھا جاتا ہے تو اللہ اکبر کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور اس کے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتا ہوں پھر کہتا ہوں: **''اللّٰھم عبدک وابن عبدک......الخ''** (مؤطا امام مالکؒ ص:۲۷)

حضرت ابوہریرہؓ کے اس حدیث سے بھی نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد دعا ثناء پڑھنے کا ثبوت ہوتا ہے اور اس کا ثبوت اس سے بھی ہے کہ نمازِ جنازہ بھی نماز ہے، جیسے تمام نمازوں میں دعا ثناء پڑھی جاتی ہے، نمازِ جنازہ میں بھی پڑھنا چاہئے'' (صلوٰۃ النبی ﷺ ص:۱۷-۲۷، ناشر: اشاعۃ السنۃ المحمدیہ، فیصل آباد)

اور یہ بحث دوسری کتاب ''احکامِ جنازہ ص:۱۷-۲۷، طبع: ۱۹۷۷'' میں بھی کی ہے اور اس کتاب پر غیر مقلدین کے درج ذیل اکابرین ومحققین کی تقاریظ اور کلمات بھی ثبت ہیں:

☆ ساجد میر صاحب
☆ حافظ عبدالقادر روپڑی صاحب
☆ حافظ احسان الٰہی ظہیر صاحب
☆ مولانا محمد شریف اشرف صاحب
☆ مولانا محمد عبدہ صاحب

خلاصہ: بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ نمازِ جنازہ سے مقصود دعا ہے جس کی مفصل بحث ''نمازِ جنازہ میں قرأت'' کے فصل میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، تو جب نمازِ جنازہ سے مقصود دعا ہے تو دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پڑھنا بالکل درست ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: **''عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِيْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَأَلَ**

اَبَا هُرَيْرَةَ؛ كَيْفَ تُصَلِّي عَلَى الْجَنَازَةِ فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ؛ أَنَا لَعَمْرُ اللّٰهِ أُخْبِرُكَ، أَتَّبِعُهَا مِنْ أَهْلِهَا فَاِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللّٰهَ وَصَلَّيْتُ عَلٰى نَبِيِّهٖ ثُمَّ أَقُوْلُ؛ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدُكَ......الخ'' (مؤطا مالک ص:۲۰۹، مؤطا امام محمد ص:۱۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳، ص:۱۷۹)

ابوسعید المقبریؒ نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ نمازِ جنازہ کس طرح پڑھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میری زندگی کے خالق کی قسم! میں تمہیں خبر دیتا ہوں، میں جنازہ کے ساتھ اس کے گھر سے چلتا ہوں، جب جنازہ رکھا جاتا ہے تو اللہ اکبر کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتا ہوں اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف بھیجتا ہوں پھر (یہ دعا) مانگتا ہوں: ''اللّٰھم عبدک و ابن عبدک......الخ''

معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ میں اللہ کی حمد وثناء (یعنی سبحانک اللّٰھم) پڑھنی چاہئے۔

علامہ زرقانیؒ (المتوفی:۱۱۲۲ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ''فِيْهِ أَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يَّرَى الْقِرَاءَ ةَ فِيْ صَلٰوتِهَا'' (شرح الزرقانی علی الموطا ج:۲، ص:۸۷)

اس روایت میں ہے کہ ابوہریرہؓ نمازِ جنازہ میں قرأت کے قائل نہیں تھے۔

معلوم ہوا کہ ابوہریرہؓ نماز میں حمد وثناء پڑھتے تھے لیکن قرأت نہیں کرتے تھے، اس سے تو ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ابوہریرہؓ ثناء پڑھتے تھے اور قرأت کو چھوڑتے تھے۔ اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ محض ثناء اور چیز ہے اور محض قرأت اور چیز ہے فافھم۔

اعتراض: اس میں تو ثناء کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے؟

جواب: اس میں ''حَمِدْتُ اللّٰهَ'' کے الفاظ نہیں آئے؟ کیا اس کا اطلاق ثناء (یعنی سبحانک اللّٰھم) پر نہیں ہوتا......؟ ضد اور تعصب کا تو کوئی علاج نہیں ہے!!!

خود امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے بھی حمد کی تعریف ثناء کے ساتھ کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''معنی الحمد: حمد لغت میں تعریف، ستائش اور صفت کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ''ھو الثناء باللسان علی الجمیل الاختیاری من نعمة او غیرھا'' کو کہتے ہیں یعنی ایک ذات کی صفت کرنا ان خوبصورت صفات کے ساتھ جو اس ذات کے اختیار میں ہوں......اور یہ صفت کرنا نعمت کے مقابلہ میں ہو یا نہ ہو'' (الحق الصریح ج:۱، ص:۱۰)

اسی لئے امین اللہ پشاوری صاحب کے مدرسے کے مہتمم عبداللہ فانی صاحب غیر مقلد ''وسبّح بحمد ربّک'' کا مفہوم یوں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ یہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ثناء اور پاکی بیان کریں'' (تفسیر لامثال ج:۵،ص:۲۳۷)

اگر حمد کے معنی ثناء نہیں ہیں تو پھر یہاں کیوں حمد کے معنی ثناء کے ساتھ کرتے ہیں......؟؟؟

حافظ ابن عبد البرؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) احناف کا عمل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وَقَالَ أَبُوحَنِيفَةَ وَأَصْحَابُهُ يَحْمَدُ اللّٰهَ وَيُثْنِيُ عَلَيْهِ بَعْدَ التَّكْبِيرِ ثُمَّ يُكَبِّرُ الثَّانِيَةَ فَيُصَلِّيُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ...... وَلَا يُقْرَأُ فِيهَا'' (الاستذکار ج:۳،ص:۴۱)

تو کیا یہاں بھی ''يَحْمَدُ اللّٰهَ'' سے سورۃ الفاتحہ مراد لیں گے یا ثناء مراد لیں گے......؟ اگر حمد و ثناء سے ہر جگہ سورۃ الفاتحہ مراد لیتے ہیں تو پھر درج ذیل روایت کے کیا معنی ہوں گے:

(۱) ''آخِرُ مَا خَطَبَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ صَلّٰى عَلٰى شُهَدَاءِ أُحُدٍ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ......الخ'' (صحیح ابن حبان ج:۸،ص:۱۸، كتاب الزكوٰة، ذكر الاخبار بأن التنافس فى هذه الدنيا الفانية مما كان يتخوف المصطفى ﷺ علٰى أمته منه)

عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو آخری خطبہ دیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے شہدائے احد پر نماز (جنازہ) پڑھی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی۔

یہاں پر مراد سورۃ الفاتحہ ہے یا مطلق مختصراً اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے......؟

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کا ایک عمل نقل کرتی ہیں: ''وَإِذَا رَفَعَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، ثُمَّ قَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ'' (مصنف عبدالرزاق ج:۳،ص:۹۹)

جب نبی کریم ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے تو ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہتے اور پھر سیدھا کھڑے ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کہتے۔

تو اس کا کیا مطلب ہوا کہ رکوع کے بعد سورۃ الفاتحہ پڑھتے یا حمد کے مخصوص الفاظ کہتے......؟

(۳) ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ؛ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَعَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' (الادب لابن ابی بیبہ ج:۱،ص:۳۱۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک قوم کے آدمی نے

چھینک ماری اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی تو نبی کریم ﷺ نے جواب میں ''یَرْحَمُکَ اللّٰہُ'' فرمایا۔

تو عرض یہ ہے کہ لوگ چھینک کے ساتھ سورۃ الفاتحہ پڑھیں گے یا حمد کے مخصوص الفاظ کہیں گے؟

(۴) ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَمْسٌ مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ...... وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ اِذَا حَمِدَ اللّٰهَ'' (مسند احمد ج:۶، ص:۵۴، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں (اور اس میں ایک یہ ہے کہ) جب کوئی مسلمان چھینک مارے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے تو اُس کو جواب میں ''یَرْحَمُکَ اللّٰہُ'' کہے۔

تو کیا مطلب کہ چھینکنے والا سورۃ الفاتحہ پڑھے گا؟ بلکہ خود غیر مقلدین بھی اس سے ثناء مراد لیتے ہونگے۔

مضمون طوالت کا شکار ہو جائے گا بس انہی امثلہ پر اکتفاء کرتے ہیں، ان شاء اللہ سمجھنے والوں کے لئے یہ کافی وشافی ہوں گے اور ضد وعناد رکھنے والوں کے لئے ہزاروں دلائل بھی ناکافی ہیں...... اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی فرمائے۔

دوم: درج بالا روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے اور محدثین بلکہ خود غیر مقلدین نے بھی اس بات کا اقرار اور اعتراف کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو قرأۃ فی الجنازہ کے منکر اور تارک تھے! چند حوالہ جات بطورِ نمونہ ملاحظہ کیجئے:

(۱) امام المحدثین حضرت عبداللہ بن وہبؒ (المتوفی: ۱۹۷ھ) صحابہ کرامؓ اور اسلافؒ کا عمل یوں نقل کرتے ہیں: ''قَالَ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ رِجَالٍ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَعَلِیِّ بْنِ أَبِیْ طَالِبٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَفَضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ وَأَبِیْ هُرَیْرَةَ...... أَنَّهُمْ لَمْ یَكُوْنُوْا یَقْرَءُوْنَ فِی الصَّلَاةِ عَلَی الْمَیِّتِ'' (المدونۃ الکبریٰ ج:۱، ص:۲۵۱، القرأۃ علی الجنائز)

عبداللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب، علی بن ابو طالب، عبداللہ بن عمر، فضالۃ بن عبید، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہم) واثلہ بن الاسقع، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، سعید بن المسیب، ربیعہ، عطاء بن ابی رباح اور یحییٰ بن سعید (رحمہم اللہ تعالیٰ) یہ سب نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

دیکھئے یہاں تارکین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر کیا، معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قرأۃ فی الجنازہ

کے قائل نہیں تھے۔

(۲) مشہور شارح صحیح البخاری ابن بطالؒ (ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک، المتوفی: ۴۴۹ھ) صحابہ کرامؓ اورتابعینؒ وغیرہ اسلافؒ کے نام ذکر کرتے ہیں جو نمازِ جنازہ میں قرأۃ نہیں کرتے تھے:

''وممن کان لایقرأ علی الجنازۃ وینکر ذالک؛ عمر بن الخطاب وعلی بن أبی طالب وأبی ھریرۃ ومن التابعین؛ عطاء وطاؤس وسعید بن المسیب وابن سیرین وسعید ابن جبیر والشعبی والحکم وبہ قال مالک والثوری وأبوحنیفۃ وأصحابہ''

(شرح صحیح البخاری ج:۳،ص:۳۱۶،مکتبۃ الرشد، السعودیۃ، الریاض)

(۳) حافظ ابن حجر العسقلانی الشافعیؒ (المتوفی: ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

''(قَوْلُہٗ بَابُ قِرَاءَۃِ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ عَلَی الْجَنَازَۃِ) أَیْ مَشْرُوْعِیَّتُھَا وَھِیَ مِنَ الْمَسَائِلِ الْمُخْتَلَفِ فِیْھَا ونقل ابن الْمُنْذر عن ابن مسعود والحسن بن علی وابن الزُّبَیْرِ وَالْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَۃَ مَشْرُوْعِیَّتَھَا وَبِہٖ قَالَ الشَّافِعِیُّ وَأَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ وَنُقِلَ عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَابْنِ عُمَرَ وَلَیْسَ فِیْھَا قِرَاءَ ۃٌ وَھُوَ قَوْلُ مَالِکٍ وَالْکُوْفِیِّیْنَ''(فتح الباری ج:۳،ص:۱۴۵)

(۴) علامہ ابن ترکمانیؒ (المتوفی: ۷۵۰ھ) فرماتے ہیں:''وکان عمر وابنہ وعلی و أبوھریرۃ ینکرونہ وبہ قال أبوحنیفۃ ومالک''(الجوہر النقی ج:۴،ص:۳۹)

فرماتے ہیں کہ حضرت عمر، ان کے بیٹے (یعنی عبداللہ بن عمر) علی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نمازِ جنازہ میں قرأت کے منکر تھے اور یہ قول امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ کا ہے۔

(۵) علامہ زرقانیؒ (المتوفی: ۱۱۲۲ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

''فِیْہِ أَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ یَرَی الْقِرَاءَ ۃَ فِیْ صَلَاتِھَا''(شرح الزرقانی علی المؤطا ج:۲،ص:۸۷)

اس روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نمازِ جنازہ میں قرأت کے قائل نہ تھے۔

(۶) مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب (المتوفی: ۱۳۲۹ھ) بھی شارحین سے نقل کرتے ہیں کہ واقعی بعض صحابہ کرامؓ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے خصوصاً ابو ہریرہؓ، چنانچہ لکھتے ہیں:''ونقل ابن المنذر عن أبی ھریرۃ وأبن عمر لَیْسَ فِی الْجَنَازَۃِ قِرَاءَ ۃُ الْفَاتِحَۃِ، قال ابن بطال وَبِہٖ قَالَ عُمَرُ وَعَلِیٌّ ومن التابعین؛ عطاء وطاؤس وسعید بن المسیب وغیرھم''(عون المعبود ج:۸،ص:۳۵۱)

فرماتے ہیں کہ حضرت عمر، ان کے بیٹے (یعنی عبداللہ بن عمر) علی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نمازِ جنازہ میں قرأت کے منکر تھے اور یہ قول امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ کا ہے۔

(۷) امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد بھی ابن المنذرؒ کے حوالے سے بغیر کسی تنقید کے لکھتے ہیں: ''ابو ہریرہؓ اور ابن عمرؓ نقل کرتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں ہے اور یہ قول امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، ان کے ساتھیوں اور تمام کوفیوں کا ہے'' (الحق الصریح ج:۶،ص:۵۰۶)

(۸) غیر مقلدین کے فضیلۃ الشیخ مولانا ابو صہیب محمد بن عبدالرحمٰن صاحب یوں اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''۲۔نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی جائے گی اور نہ قرآن پڑھا جائے گا بلکہ جنازہ ثناء اور دعا ہے، یہ قول امام سفیان ثوری، اوزاعی، ابو حنیفہ، مالک رحمہم اللہ کا ہے اور اس پر عبداللہ بن عمر، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما نے قول کیا ہے'' (نمازِ جنازہ کے احکام ومسائل (پشتو) ص:۲۸۲)

(۹) غیر مقلدین کے ایک فتاویٰ میں ''عمدۃ القاری'' کے حوالے سے بغیر کسی تنقید کے لکھتے ہیں: ''ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں، امام مالک اور کوفیوں کا بھی یہی قول ہے اور ابن بطال نے کہا کہ عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابو ہریرہؓ اور تابعین میں سے عطاء، طاؤس، سعید بن مسیّب، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، شعبی اور حکم۔ یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں جو نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں پڑھتے اور انکار کرتے ہیں اور امام مالکؒ نے کہا کہ سورۃ فاتحہ کا نمازِ جنازہ میں پڑھنا ہمارے شہر (یعنی مدینہ منورہ) میں اس پر عمل نہیں'' (فتاویٰ علمائے حدیث:۱۸۴/۵)

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نمازِ جنازہ میں قرأت کے قائل نہیں تھے......! یقیناً اس سے مراد سورۃ الفاتحہ (**وما زاد علی الفاتحۃ**) نہیں ہے بلکہ دعاء الاستفتاح ہے......**تدبر! ولا تکن من المتعصّبین.**

حضرت علی رضی اللہ عنہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نمازِ جنازہ میں ثناء پڑھتے تھے چنانچہ امام بخاریؒ کے استاذ امام ابن ابی شیبہؒ (المتوفی:۲۳۵ھ) درج ذیل روایت ذکر کرتے ہیں:

''حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ "اِذَا صَلّٰى عَلٰى مَيِّتٍ يَبْدَأُ بِحَمْدِ اللّٰهِ، وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَحْيَائِنَا وَأَمْوَاتِنَا وَأَلِّفْ

بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاجْعَلْ قُلُوْبَنَا عَلٰى قُلُوْبِ خِيَارِنَا'' (مصنف ابن ابی شیبہ:۳/۱۷۹)

حضرت علیؓ جب کبھی کسی میت پر نمازِ جنازہ پڑھتے تو حمد وثناء سے ابتداء فرماتے، پھر نبی کریم ﷺ پر درود شریف بھیجتے اور پھر یہ دعا مانگتے: ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَحْيَائِنَا وَأَمْوَاتِنَا وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاجْعَلْ قُلُوْبَنَا عَلٰى قُلُوْبِ خِيَارِنَا''

اعتراض: یہاں تو ''بحمد اللّٰه'' سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے اور یہ غیر مقلدین کی دلیل ہے۔

جواب: حمد کے متعلق تفصیل ذکر ہو چکی ہے، دوبارہ ذکر کرنے کی حاجت نہیں، وہاں ملاحظہ فرمالیں اور اس سے مراد سورۃ الفاتحہ اس لئے نہیں کیونکہ اوپر گزر چکا کہ کون کون سے صحابہ کرامؓ سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتے تھے اوران میں محدثین بلکہ خود غیر مقلدین نے حضرت علیؓ کا نام بھی ذکر کیا ہے تو اس وجہ سے یہاں مراد خاص سورۃ الفاتحہ نہیں بلکہ مطلق حمد وثناء ہے۔

اور یہ غیر مقلدین کی دلیل کیونکر ہو سکتی ہے؟ کیونکہ ان کا عمل متناقض ہے، بعض اس میں ثناء یعنی دعاء الاستفتاح بھی کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ تعوذ سے ابتداء کرتے ہیں، سورۃ الفاتحہ سے نہیں......**تدبر!**

مزید تبصرے کی تو بالکل ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو صحابی کا عمل ہے جو کہ غیر مقلدین کے نزد بالاتفاق حجت نہیں اور دوسرے یہ کہ اس میں ان کا پورا عمل نہیں ہے...... **كما لايخفى على اولى الالباب.**

صحابہ کرامؓ کے بعد اب اسلاف (تابعینؒ وفقہاءؒ وغیرہ) کا عمل بھی ملاحظہ فرمائیں:

امام شعبی رحمہ اللہ: مشہور تابعی امام شعبیؒ (المتوفی:۱۰۳تا۱۰۹ھ بنابر اختلاف) فرماتے ہیں:

''عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ؛ أَلتَّكْبِيْرَةُ الْأُوْلٰى عَلَى الْمَيِّتِ ثَنَاءُ عَلَى اللّٰهِ، وَالثَّانِيَةُ صَلَاةٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَالثَّالِثَةُ دُعَاءٌ لِلْمَيِّتِ، وَالرَّابِعَةُ تَسْلِيْمٌ'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۱۷۹)

نمازِ جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد ثناء، دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف، تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ: حافظ ابن عبد البرؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) امام ابوحنیفہ اور احناف کا عمل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وَقَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ وَأَصْحَابُهُ يَحْمَدُ اللّٰهَ وَيُثْنِيْ عَلَيْهِ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ ثُمَّ يُكَبِّرُ الثَّانِيَةَ

فَيُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ...... وَلَا يُقْرَأُ فِيهَا''(الاستذکار ج:۳،ص:۴۱)

امام ابوحنیفہؒ (المتوفی:۱۵۰ھ) اوران کے اصحاب فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد حمد وثناء پڑھی جائے گی اور پھر دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھا جائے گا......اوراس میں قرأت نہیں کی جائے گی۔

معلوم ہوا کہ حمد وثناءتو پڑھی جائے گی اوروہ بھی اسلاف (امام ابوحنیفہؒ اوران کے شاگردوں) کے عمل سے لیکن اس میں قرأت نہیں پڑھی جائے گی۔

ابن الھمام الحنفیؒ (المتوفی:۸۶۱ھ) بھی امام صاحبؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''عن أبي حنيفة يقول سبحانك اللّٰهم الى آخره''(فتح القدیر ج:۲،ص:۸۵)

سفیان ثوری رحمہ اللہ: سفیان ثوریؒ (المتوفی:۱۶۱ھ) بھی اس کو مستحب کہتے تھے، چنانچہ ابن قدامہؒ (المتوفی:۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:''قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ كَانَ الثَّوْرِيُّ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُسْتَفْتَحَ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ''(المغنی لابن قدامہ ج:۳،ص:۱۳۵)

امام ابن المنذرؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ نمازِ جنازہ میں دعاءالاستفتاح پڑھنا مستحب سمجھتے تھے۔

حسن بن حی رحمہ اللہ: حافظ ابن عبد البرؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) بھی سفیان ثوریؒ اورحسن بن حیؒ (المتوفی:۱۶۹ھ) کا دعاءالاستفتاح کا عمل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَقَالَ الثَّوْرِيُّ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَقُوْلَ فِيْ أَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ بْنِ حَيّ''(الاستذکار ج:۳،ص:۴۰)

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ کی پہلی تکبیر میں''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ''پڑھا جائے اور یہی قول حسن بن حیؒ کا بھی ہے۔

غیر مقلدین کے فضیلۃ الشیخ مولانا ابوصہیب محمد بن عبد الرحمٰن صاحب بھی اعتراف کرتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ دعاءالاستفتاح کے قائل تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ كَانَ الثَّوْرِيُّ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُسْتَفْتَحَ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ ولم نجده فى كتب سائر اهل العلم''(المغنی لابن قدامہ ج:۳،ص:۱۳۵)

امام ابن المنذرؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ نمازِ جنازہ میں دعاء الاستفتاح پڑھنا مستحب سمجھتے تھے اور دوسرے علماء کی کتب میں ہم نے نہیں دیکھا۔ (نمازِ جنازہ کے احکام ومسائل (پشتو) ص:۲۸۱)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ: عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ (المتوفی:۱۸۳ھ) بھی نمازِ جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد حمد وثناء پڑھتے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''یکبر الأولی ویحمد اللّٰہ تعالی بعد التکبیرۃ الأولی ویثنی علیہ ولم یوقت فی الثناء ھھنا شیئًا، وفی سائر الصلوات وقتوا فی الثناء وھو قولہ؛ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ الی آخرہ'' (المحیط البرھانی ج:۲،ص:۱۷۸)

پہلی تکبیر ہوگی اور پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جائے گی لیکن اس کے لئے یہاں ثناء کے کوئی خاص الفاظ متعین نہیں جبکہ باقی تمام نمازوں میں متعین ہیں جو کہ ''**سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ**'' آخر تک ہیں۔

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ: امام بخاریؒ کے استاذ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ (المتوفی:۲۳۵ھ) باب قائم کرتے ہیں: ''**مَا یُبْدَأُ بِہٖ بِالتَّکْبِیْرَۃِ الْأُوْلٰی فِی الصَّلَاۃِ عَلَیْہِ وَالثَّانِیَۃِ، وَالثَّالِثَۃِ، وَالرَّابِعَۃِ**'' کہ نمازِ جنازہ کی پہلی تکبیر میں کیا پڑھا جائے گا؟ اور پھر اس کے ثبوت کے لئے امام شعبیؒ کا قول پیش کیا جس میں ثناء کا ذکر ہے جو ہم اوپر پیش کر چکے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ: امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی:۲۴۱ھ) بھی ثناء پڑھنے کے قائل تھے، چنانچہ ابن قدامہؒ (المتوفی:۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

''وَقَدْ رُوِیَ عَنْ أَحْمَدَ مِثْلُ قَوْلِ الثَّوْرِیِّ لِأَنَّ الْاِسْتِعَاذَۃَ فِیْھَا مَشْرُوْعَۃٌ فَسُنَّ فِیْھَا الْاِسْتِفْتَاحُ کَسَائِرِ الصَّلَوَاتِ'' (المغنی ج:۲،ص:۳۶۲)

امام احمدؒ سے بھی سفیان ثوریؒ کی طرح قول نقل ہوا ہے (یعنی سفیان ثوریؒ نے جواز کا قول کیا ہے تو امام احمد بن حنبلؒ سے بھی جواز کا قول ثابت ہے) اس لئے کہ نمازِ جنازہ میں استعاذہ (تعوذ) ہے تو پھر نمازِ جنازہ میں دعاء الاستفتاح (**سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ**) بھی سنت ہونی چاہئے جیسے دیگر نمازوں میں سنت ہے۔

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ: شمس الائمہ سرخسیؒ (المتوفی:۴۸۳ھ) بھی ثناء پڑھنے کے قائل تھے، چنانچہ اس میں اختلاف کی ایک صورت یوں بیان کرتے ہیں:

''قال شمس الائمة رحمه اللّٰه؛ وقد اختلفوا فی هذا الثناء بعد التحریم، قال بعضهم یحمد اللّٰه تعالی بکل ذکر فی ظاهر الروایة، وقال بعضهم یقول سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ الی آخره کما فی الصلوات المعهودة''(المحیط البرهانی ج:۲،ص:۱۷۸)

شمس الائمہؒ فرماتے ہیں کہ پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھنے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ظاہر الروایۃ قول کے مطابق ہر لفظ کے ساتھ اللہ کی حمد وثناء ہوسکتی ہے اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ ''سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ'' آخر تک پڑھی جائے گی جس طرح عام نمازوں میں پڑھی جاتی ہے۔

علامہ سمرقندی رحمہ اللہ: امام ابوبکر علاء الدین السمرقندیؒ (المتوفی:۵۴۰ھ) نے بھی اپنی کتاب میں دعاء الاستفتاح کا ذکر کیا ہے، چنانچہ نمازِ جنازہ کا طریقہ یوں ذکر کرتے ہیں:

''وأما کیفیة الصلاة علی المیت فنقول أن یقوم الامام والقوم فیکبر الامام أربع تکبیرات والقوم معه فیکبرون التکبیرة الاولی ویحمدون الله بما هو أهله کذا ذکر الکرخی...... وروی الحسن عن أبی حنیفة أنه یکبر الأولی ویقول سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ الی آخره ثم یکبرون الثانیة ویصلون علی النبی علیه السلام علی ما هو المعروف ثم یکبرون الثالثة ویدعون للمیت ولأموات المسلمین ویستغفرون لهم''(تحفۃ الفقہاء ج:۱،ص:۲۴۹، باب الصلوٰۃ)

یہاں بھی ثناء (سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ) ثابت ہوگئی الحمد للہ۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ: علامہ کاسانیؒ (المتوفی:۵۸۷ھ) پہلی تکبیر کے بعد ثناء کے متعلق لکھتے ہیں:

''فاذا کبر الأولی أثنی علی اللّٰه تعالی وهو أن یقول سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ الی آخره''(بدائع الصنائع ج:۱،ص:۳۱۳،فصل بیان کیفیة الصلوة علی الجنازة)

علامہ نسفی رحمہ اللہ: امام ابوالبرکات علامہ نسفیؒ (المتوفی:۷۱۰ھ) اس کے متعلق یوں فرماتے ہیں:

''وهی أربع تکبیرات بثناءٍ بعد الأولی وصلوة علی النبی ﷺ بعد الثانیة ودعاءٌ بعد

الثالثة وتسليمتين بعد الرابعة'' (کنزالدقائق ج:۲،ص:۳۱۹)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ: حافظ ابن تیمیہؒ (المتوفی:۷۲۸ھ) بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اسلاف میں بعض حضرات دعاءالاستفتاح پڑھتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''فان السلف فعلوا هذا وهذا وكان كلا الفعلين مشهورًا بينهم كانوا يصلون على الجنازة بقراءةٍ وغير قراءةٍ كما كانوا يصلون تارةً بالجهر بالبسملة وتارةً بغير جهرٍ با وتارةً باستفتاحٍ وتارةً بغير استفتاحٍ'' (مجموع الفتاویٰ ج:۱۲،ص:۲۴۵،باب صلوٰة الجمعة، القرأة جهرًا فى صلوٰة الجنازة)

اعتراض: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ پہلی تکبیر میں ثناء(سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ...... الخ) پڑھنا بدعت ہے العیاذ باللہ!

چنانچہ غیر مقلدین کے محقق اور مناظر ابو یزید عبد القاہر صاحب لکھتے ہیں: ''آج کل بعض مقلدین نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں تو ''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ'' کی دعا میں کچھ الفاظ (وَجَلَّ ثَنَاءُ کَ) کا اضافہ کرتے ہیں، تو یہ دوقسم کی بدعات میں گرفتار ہیں، ایک تو یہ کہ ''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ...... الخ'' نمازِ جنازہ میں ثابت نہیں اور دوم یہ کہ اس دعاء استفتاح میں اور ملاوٹی الفاظ شامل کردیئے جو ''وَجَلَّ ثَنَاءُ کَ'' ہے'' (التحقیقات فی ردّ الھفوات ص:۵۸۹، ناشر: مکتبہ ایوب قصہ خوانی بازار پشاور)

اسی کتاب کے پچھلے صفحہ پر لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ میں دعا ''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ...... الخ'' پڑھنا ثابت نہیں لہٰذا علماء نے اس کو بھی بدعات میں شمار کیا ہے'' (ایضاً ص:۵۸۸)

غیر مقلدین کے محقق اور مناظر عبد الغفار محمدی صاحب لکھتے ہیں: ''اور ثناء پڑھنے کا موقف اہلحدیث کا نہیں، نہ حدیث سے ثابت ہے'' (حنفیوں کے سوالات اور ان کے جوابات ص:۶۱۸)

غیر مقلدین کے مناظر داؤد ارشد صاحب لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ میں ثناء کا پڑھنا کسی اہلحدیث کا موقف نہیں، الغرض آپ کا اس مسئلہ کو اہلحدیث کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے'' (تحفہ حنفیہ ص:۵۰۱)

اس بے چارے کو اپنے مسلک کا بھی نہیں پتہ!

مختصراً یہ کہ کتاب بمع صفحہ کی قید وجلد کے ملاحظہ کیجئے، اس میں غیر مقلدین کا یہ اقرار واعتراف موجود ہے کہ ثناء غیر ثابت اور نقل نہیں ہے:

(نمازِ جنازہ کا مسنون طریقہ اور دعائیں (پشتو) ص:۶، الحق الصریح ج:۶،ص:۵۱۳، فتاویٰ الدین الخالص ج:۷، ص:۱۵۴،مستند اذکار اور دعائیں ص:۱۲۶، از امین اللہ پشاوری، نماز کا طریقہ، آداب اور احکام ص:۱۴۶، از شیخ ابوعمار سمیع اللہ، کنز الحقائق ص:۴۰، از وحید الزمان، ماہنامہ الحدیث شمارہ:۱۷۵،ص:۳۹،مختصر صحیح نماز نبوی، ہدیۃ المسلمین ص:۱۰۵، از زبیر علیزئی، فتاویٰ اصحاب الحدیث ص:۱۶۷، حافظ عبدالستار حماد، فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۳،ص:۹۵، احکام ومسائل ج:۲،ص:۲۲۳، از عبدالمنان نورپوری، فتاویٰ حصاریہ ج:۴،ص:۵۷۴)

جواب: ہم پچھلے صفحات میں ’’سنن نسائی ج:۱،ص:۱۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج:۱،ص:۲۰۹، مسند احمد ج:۱۸،ص:۱۹۹، ابن ماجہ ج:۱،ص:۱۴۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج:۱۰،ص:۱۰۸، سنن الدار قطنی ص:۱۴۳‘‘ کے حوالوں سے احادیث ذکر کر چکے ہیں کہ ثناء ثابت ہے، ان کا انکار کرنا حدیث کی کون سی خدمت ہے......؟؟؟

اور اس کے ساتھ ہم نے سفیان ثوریؒ کا قول بھی ذکر کیا کہ انہوں نے اس کو مستحب کہا ہے: ’’**قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ كَانَ الثَّوْرِيُّ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُسْتَفْتَحَ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ**‘‘ (المغنی لابن قدامہ ج:۳،ص:۱۳۵)

غیر مقلدین کے گھر سے ثناء کا ثبوت:

پھر بھی اگر غیر مقلدین احادیث پر قناعت نہیں کرتے تو اپنے گھر کے حوالے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مولانا قاری احمد یار سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ’’پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھے، دوسری کے بعد فاتحہ، تیسری کے بعد درود شریف، چوتھی کے بعد دعا، پانچویں کے بعد سلام‘‘

(سنن ابی داؤد ج:۲،ص:۵۱۸، فصل باب التكبير على الجنازة)

۲۔ غیر مقلدین کے محقق عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں:

’’جنازہ کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد دعا ثناء پڑھنے کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے سنا جس نے دعا کرنے سے پہلے نہ اللہ تعالیٰ کی ثناء کی تھی اور نہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا تھا پس آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی، روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے۔ اس حدیث سے نمازِ جنازہ میں دعا ثناء کا پڑھنا ثابت ہے، ’’مؤطا امام مالک ص:۶۷‘‘ میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ جنازہ کی نماز کیونکر پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں جنازہ کے ساتھ ان لوگوں کے یہاں سے چلتا ہوں، پس جب جنازہ رکھا جاتا ہے تو اللہ اکبر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اس کے نبی پر درود بھیجتا ہوں پھر کہتا ہوں

''اللّٰھم عبدک و ابن عبدک......الخ''

حضرت ابو ہریرہؓ کے اس اثر سے بھی نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد دعا ثناء پڑھنے کا ثبوت ہوتا ہے اور اس کا ثبوت اس سے بھی کہ نمازِ جنازہ نماز ہے، پس جیسے تمام نمازوں میں دعا ثناء پڑھی جاتی ہے، نمازِ جنازہ میں بھی پڑھنا چاہئے'' (کتاب الجنائز ص:۵۲، فاروقی کتب خانہ لاہور)

۳۔ مولانا اسماعیل سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''پہلی تکبیر کے بعد ثناء سورۃ فاتحہ اور کوئی سورت اس کے ساتھ ملائی جائے، دوسری تکبیر کے بعد......الخ'' (رسول اکرم ﷺ کی نماز ص:۱۲اس ۷)

۴۔ مولانا مقبول احمد سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''سورۃ فاتحہ سے قبل دعائے استفتاح اور اس کے بعد کوئی سورت پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے'' (جنازہ کے اہم مسائل واحکام ص:۲۶)

۵۔ محمد احسان الحق شاہ نامی غیر مقلد اپنے ہم مسلک عالم کا واقعہ لکھتے ہیں: ''کچھ عرصہ قبل یہ عاجز ایک جنازے میں شریک ہوا تو امام صاحب نے (بلا وقف) تکبیر تحریمہ کے بالکل متصل (دعائے استفتاح اور تعوذ وتسمیہ کو حذف کرتے ہوئے) الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع فرمادی اور دعائے استفتاح، تعوذ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا موقع ہی نہ دیا، اس پر خاکسار نے مندرجہ ذیل سوالنامہ تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندہ کے ذہن میں مندرجہ ذیل اشکالات ہیں جن کے تدارک کی درخواست ہے:

اشکال نمبر۱: کیا نماز جنازہ میں ثناء کے لئے علیحدہ ثبوت کی ضرورت ہے اور کیا اُس حدیث کا اطلاق نمازِ جنازہ پر نہیں ہوتا جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جب پوچھا گیا: **اِسْکَاتُکَ بَیْنَ التَّکْبِیْرِ وَالْقِرَاءَ ۃِ مَا تَقُوْلُ؟ قَالَ؛ أَقُوْلُ؛ أَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ ......الآخر** (صحیفہ اہلحدیث کراچی جنوری ۲۰۲۰ء ص:۱۵)

۶۔ اسی صفحہ پر مفتی محمد جاسم سلفی صاحب غیر مقلد کا ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں: ''نمازِ جنازہ بھی چونکہ ایک نماز ہے جسے احادیث مبارکہ میں ''صلاۃ'' اور اس کے مشتقاتِ الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے اس میں ''صلاۃ'' کی شروط وصفات کو ملحوظ رکھا جائے گا مثلاً:

(۱) نمازِ جنازہ کے لئے وضو (اس سلسلے میں مرفوعاً کچھ ثابت نہیں ہے) (۲) استقبالِ قبلہ (۳) سینے پر ہاتھ باندھنا (۴) دعائے استفتاح (۵) تعوذ (۶) تسمیہ (۷) ستر عورت وغیرہ۔ (ایضاً)

۷۔ مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب اپنی کتاب میں نمازِ جنازہ کا طریقہ یوں لکھتے ہیں:

’’پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد دوسری نمازوں کی طرح ثناء (سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ والی دعا) تعوذ، بسم اللہ اور سورۃ فاتحہ پڑھو‘‘ (نمازِ مترجم ص:۳۱، ناشر: فاران اکیڈمی لاہور)

۸۔ غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے: ’’نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد دعائے ماثورہ پڑھ کر امام اور مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے‘‘ (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۱۸۵)

۹۔ غیر مقلدین کے محسن کبیر اور محقق عبداللہ فانی صاحب لکھتے ہیں:

’’یہ کلمات (سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ...... الخ) بھی نمازِ جنازہ میں ثابت نہیں ہیں مگر دیگر نمازوں میں ثابت ہیں، تو بعض علماء نے نمازِ جنازہ میں بھی شامل کی ہیں‘‘ (نمازِ مترجم (پشتو) ص:۳۰، معراج کتب خانہ پشاور)

موصوف اقرار کر رہے ہیں کہ ’’بعض علماء نے نمازِ جنازہ میں بھی شامل کی ہیں‘‘، چونکہ ایک تو یہ لوگ مقلدین کو علماء نہیں کہتے (حقیقۃ التقلید ص:۲۴) تو یقیناً یہ بات انہوں نے اپنے علماء یا اپنے اصول کے مطابق محدثین سے لی ہوگی، اور دوسرے یہ کہ انہوں نے خود بھی یہی ثناء (سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ) لکھی ہے...... **الحمد للّٰہ علی ذالک۔**

۱۰۔ غیر مقلدین کے شیخ التفسیر عبدالسلام الرستمی صاحب نمازِ جنازہ کا طریقہ یوں سکھا رہے ہیں:

’’مسئلہ۴۲: نمازِ جنازہ کا تفصیلی طریقہ یہ ہے کہ پہلے دل میں نیت کرے...... پھر ’’سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ...... الخ‘‘ پڑھے اور سورۃ فاتحہ بھی پڑھے‘‘ (تحفۃ السجن ص:۱۶۵-۱۶۶)

۱۱۔ غیر مقلدین کے محقق الشیخ عبدالرحمٰن عزیز صاحب اپنی کتاب ’’صحیح نمازِ نبوی‘‘ جس پر نظر ثانی مشہور غیر مقلد مبشر ربانی صاحب اور شیخ الحدیث عبداللہ رفیق صاحب نے کی ہے، میں لکھتے ہیں:

’’نمازِ جنازہ کا مسنون طریقہ:...... پہلی تکبیر: تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اٹھائیں...... پھر دعائے استفتاح پڑھیں کیونکہ یہ بھی نماز ہے اور کسی بھی صریح وصحیح نماز میں اس سے منع نہیں کیا گیا‘‘

(صحیح نمازِ نبوی ص:۴۵۰-۴۵۱، ناشر: دارالاندلس لاہور)

غیر مقلدین کی تضاد بیانی:

درج بالا کے جدید ایڈیشن میں ڈنڈیاں ماری گئی ہیں چنانچہ وہی کتاب ہے، اسی مکتبہ اور انہی محققین ومصححین وغیرہ سے مزین ہے لیکن اس میں مضمون بالکل جدا ہے کیونکہ اس پر وقت گزرا، اور وقت گزرنے

پر ان حضرات کے اجتہادات بدلتے رہتے ہیں، چنانچہ جدید ایڈیشن میں ان کا اجتہاد ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں: ''نماز جنازہ میں ثناء نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ کسی صحیح حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور اسے عام نمازوں پر قیاس کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ دونوں کے لئے الگ الگ طریقہ ثابت ہے'' (صحیح نماز نبوی ص:۴۸۱)

سبحان اللہ!

یہ دین خدا کی غیر کو دعوت کریں گے کیا

خود گم ہیں غیروں کو ہدایت کریں گے کیا

نوٹ: اب یہ کتاب مفت تقسیم کر رہے ہیں اور مجھے بھی یہ نسخہ مفت ملا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ترک تقلید کے خوفناک نتائج سے بچا کر اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے...... آمین یارب العالمین

۱۲۔ غیر مقلدین کے حضرت العلام مولانا عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں: ''پھر دعائے استفتاح کے بعد سورۃ فاتحہ اور کوئی ایک سورت پڑھے'' (صلوٰۃ النبی ﷺ ص:۶۵، ناشر: اشاعۃ السنۃ المحمدیہ فیصل آباد)

اور چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں: ''پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد دوسری نمازوں کی طرح ثناء (**سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ** والی دعا) تعوذ، بسم اللہ اور سورۃ فاتحہ پڑھو'' (ایضاً ص:۷۵)

۱۳۔ غیر مقلدین کے مشہور مفتی عبید اللہ عفیف صاحب لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ کا طریقہ...... پھر امام اور مقتدی دوسری فرض نمازوں کی طرح دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھ کر تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز شروع کریں اور دعا و ثناء پڑھیں جو دوسری نمازوں میں پڑھی جاتی ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھیں اور کوئی سورت ساتھ ملائیں...... الخ'' (سفر آخرت ص:۱۱۶ و ۱۱۸)

۱۴۔ امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''تو اس بات پر اتفاق ہے کہ استفتاح تو تمام نمازوں کے لئے ہے'' (زینۃ الصلوٰۃ ص:۱۰۷)

اب اگر غیر مقلدین واقعی نمازِ جنازہ کو حقیقی نماز کہتے ہیں تو پھر اس میں ''**سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ**'' پڑھنا شروع کر دیں اور اس کو بدعت کہنے سے باز آجائیں۔

۱۵۔ غیر مقلدین کے محقق شمس الحق عظیم آبادی صاحب (المتوفی:۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں: ''**وَأَمَّا الْبُدَاءَ ةُ بِالثَّنَاءِ قبل القراء ة فلأن الاتيان بالدعوات استغفار للميت والبداء ة بالثناء ثم**

بالصلاة سنة الدعاء‘‘(عون المعبود ج:۸،ص:۳۵۱)

بہر حال ابتداء ثناء کے ساتھ قرأت سے پہلے ہے اس لئے اس کا دعا کے ساتھ آنا میت کے لئے استغفار ہے اور ابتداء ثناء کے ساتھ، پھر درود شریف دعاء کی سنت ہیں۔

پھر چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں:’’**فَحَصَلَ مِنْ مَجْمُوْعِ الْأَحَادِيْثِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْ هٰذَا الْبَابِ أَنَّ الْمَشْرُوْعَ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ الثَّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ بَعْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلٰى ثم يصلى على النبى ثم يدعو للميت ثم يكبر ثانيا ولا يقرأ الفاتحة بل يصلى على النبى ويستكثر من الدعاء للميت مخلصا له ثم يكبر ثالثا ويصلى ويدعو مثل ما فعل بعد التكبير الثانى ثم يكبر رابعا من غير قراءة شىء من الدعاء وغيره ويسلم بعد ذالک والله أعلم**‘‘(ایضاً ص:۳۵۸)

۱۶۔ غیر مقلدین کے امام عبدالوہاب محدث دھلوی صاحب نمازِ جنازہ کا طریقہ لکھتے ہیں:’’پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لینا چاہئے اور اس کے بعد دعاءِ استفتاح یعنی ثناء’’**أَللّٰهُمَّ بَاعِدْ...... الخ**‘‘پڑھ کر پھر سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھنی چاہئے‘‘(مکمل نماز المعروف بہ ھدایۃ النبی المختار ص:۲۶۹)

۱۷۔ غیر مقلدین کے محقق شیخ الحدیث کرم الدین سلفی صاحب اپنی کتاب میں نمازِ جنازہ کا طریقہ یوں لکھتے ہیں:’’اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور پھر ثناء، سورۃ الفاتحہ (امام فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت) پڑھیں......الخ‘‘(غائبانہ نمازِ جنازہ ص:۱۵)

۱۸۔ محمد خالد سیف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:’’نمازِ جنازہ کا طریقہ: سب سے پہلے امام ومقتدی تکبیر تحریمہ کہہ کر آہستہ سے وہ دعا پڑھیں جو ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے، پھر تعوذ وتسمیہ پڑھیں، اس کے بعد بآوازِ بلند یا آہستہ سے سورۃ فاتحہ پڑھیں‘‘(نماز مصطفیٰ ﷺ ص:۱۸۷)

غیر مقلد بھائیوں سے مطالبہ: دعا آہستہ آواز سے پڑھنا اور سورۃ فاتحہ جہر کے ساتھ پڑھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟ یعنی یہ تقسیم کہاں سے لی ہے؟

۱۹۔ غیر مقلدین کے محقق، مجتہد اور امام العصر حافظ محمد محدث گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:’’اگر پہلی تکبیر کے بعد دعائے استفتاح بھی پڑھے تو بہتر ہے‘‘(مقالاتِ محدث گوندلوی ص:۲۴۱)

۲۰۔ غیر مقلدین کے مشہور محقق اور مصنف مولانا صادق سیالکوٹی صاحب نمازِ جنازہ کا طریقہ یوں

لکھتے ہیں: ''دونوں ہاتھ کندھوں یا کانوں تک اٹھا کر سینہ پر باندھ لیں، یہ پہلی تکبیر ہوئی، اب امام بھی اور آپ بھی دعائے افتتاح آہستہ پڑھیں (پھر دعائے افتتاح ''**أَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ**'' ذکر کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں) دعائے افتتاح کے بعد اب دعائے ثناء پڑھیں آہستہ امام بھی اور مقتدی بھی، **سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ**...... **الخ**'' (نمازِ جنازہ ص:۲۷-۲۸، ناشر: دائرۃ التبلیغ سیالکوٹ)

۲۱۔ غیر مقلدین کے فتاویٰ میں نمازِ جنازہ کا طریقہ ملاحظہ فرمائیں: ''امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھا کر سینہ کے اوپر باندھ لیں پھر وہی دعا آہستہ پڑھیں جو ہر نماز کی تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھتے ہیں پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۃ فاتحہ کو آواز سے پڑھے اور مقتدی آہستہ پڑھیں......الخ'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵، ص:۲۰۸)

۲۲۔ غیر مقلدین کے مناظر و محقق رئیس ندوی صاحب البانی صاحب پر رد کرتے ہوئے اپنا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

''(البانی صاحب، ناقل عفی عنہ) فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں ثنا و دعائے استفتاح مشروع نہیں (احکام الجنائز حاشیہ:۱۱۹) حالانکہ نمازِ جنازہ کا بھی ایک نماز ہونا مسلّم ہے تو عام نمازوں کے بالمقابل اس کے کسی معاملہ میں ثبوت استثناء کے بغیر دعویٰ استثناء ساقط الاعتبار ہے...... یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نمازِ جنازہ بھی عام نمازوں کی طرح ایک نماز ہے...... یہ معلوم ہے کہ عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے ثناء و دعائے استفتاح مسنون و مستحب ہے، شریعت کے اس حکم عام سے نمازِ جنازہ کے لئے کوئی استثنائی حکم شرعی نہیں صادر ہوا ہے، اس لئے نمازِ جنازہ میں بھی عام نمازوں کی طرح تکبیر تحریمہ کے بعد امام و مقتدی سبھی لوگوں کا سرا بلا جہر دعائے ثناء پڑھنا مسنون و مستحب ہے'' (نمازِ جنازہ اور اس کے مسائل ص:۱۰۴، ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس ہند)

۲۳۔ حافظ عبد الوکیل صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''اس کے بعد ثناء پڑھی جاتی ہے جو دیوبندی حضرات بھی پڑھتے ہیں'' (سوال گندم جواب چنا ص:۱۰، از مولانا نور محمد تونسویؒ)

۲۴۔ غیر مقلدین کے محقق و مصنف صادق اللہ صافی صاحب لکھتے ہیں: ''نماز کی چند سنتیں یہ ہیں: دعاء استفتاح......الخ'' (محفوظات ج:۲، ص:۸۲، فقہ)

۲۵۔ مولوی ابوالبرکات صاحب لکھتے ہیں: ''نماز جنازہ میں ''**سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ**......**الخ**'' کا ذکر حدیث میں نہیں آیا، چونکہ نماز جنازہ بعض شرائط و ارکان کے لحاظ سے دوسری نمازوں سے ملتی جلتی ہے لہٰذا

اگر پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں“ (فتاویٰ برکاتیہ ص:۷۰)

اب اگر غیر مقلدین نمازِ جنازہ اور دیگر نمازوں میں فرق نہیں کرتے تو پھر وہ اس سنت کے منکر کیوں ہیں؟ اور صرف منکر ہی نہیں بلکہ اس کو بدعت بھی کہتے ہیں......!!!

خلاصہ: درج بالا بحث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوئی کہ غیر مقلدین کے اکابرین نے بھی یہی قول کیا ہے اور ایک دو نہیں بلکہ دو درجن حوالے اس پر ہم پیش کر چکے ہیں، اس کے علاوہ بھی حوالہ جات ہوں گے مگر ہم نے صرف اپنے پاس دستیاب حوالہ جات پر اکتفاء کیا ورنہ حوالہ جات مزید بھی ذکر کئے جا سکتے تھے۔ اور مزے کی بات یہ کہ ان حوالہ جات میں صرف جواز کا قول نہیں بلکہ اسے سنت اور مستحب بھی کہا گیا ہے، تو قارئین کرام خود غور فرمائیں کہ کتنے غیر مقلدین حضرات ایک سنت اور مستحب عمل کے منکر ہیں بلکہ اس کو بدعت تک کہتے ہیں؟ کیا انکارِ حدیث والے کام کرنے والوں کو اہلحدیث کہا جاتا ہے؟؟؟

اعتراض: غیر مقلدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ بھی ثناء ہے تو کیوں نہیں پڑھتے؟

جواب: ہم کب اس کے منکر ہیں؟؟؟ اگر واقعی بطورِ ثناء کے پڑھا جائے تو اس کا انکار کس نے کیا ہے؟ اختلاف تو محض قرأت میں ہے......**فافهم**

اعتراض: اگر سورۃ فاتحہ پڑھے تو اس میں ثناء بھی شامل ہوگئی جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے:

”قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی؛ قَسَمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ ’أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ‘ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ، وَإِذَا قَالَ ’الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ‘ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی؛ أَثْنَی عَلَیَّ عَبْدِیْ، وَإِذَا قَالَ ’مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ‘ قَالَ؛ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ......الخ“ (صحیح مسلم ج:۱ص:۲۹۵،باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ)

جواب: اس سے کس کو انکار ہے کہ یہ ثناء کے الفاظ نہیں؟ البتہ مکمل سورۃ فاتحہ اول تا آخر ثناء نہیں ہے، کیونکہ غیر مقلدین یہ جو سورۃ فاتحہ کی تین آیات پیش کرتے ہیں اس میں تو ثناء کی تصریح ہے مگر اس کے بعد حمد وثناء کی تصریح نہیں ہے، اسی لئے تو غیر مقلدین حضرات پوری روایت پیش نہیں کرتے۔

اس روایت کے اگلے الفاظ یہ ہیں: **”فَإِذَا قَالَ ’إِیَّاکَ نَعْبُدُ وَإِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ‘ قَالَ هٰذَا بَیْنِیْ**

وَبَیْنَ عَبْدِیْ، وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ، فَاِذَا قَالَ 'اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ أَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ' قَالَ؛ هٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ''

دیکھئے یہاں تو نمازی نے اپنے لئے دعائیہ کلمات شروع کر دیئے، حمد وثناء تو ختم ہوگئی اور میت کے لئے بھی دعا ختم ہوگئی! صرف اپنے (اوریا دوسرے زندہ اشخاص بھی مراد ہو سکتے ہیں صیغۂ جمع ''اِهْدِنَا'' کے پیش نظر) لئے دعا شروع کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک بے مثال انتہاء درجہ تک پہنچنے والے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (المتوفی: ۷۲۸ھ) بھی یوں اقرار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَلِأَنَّ الْفَاتِحَةَ نِصْفُهَا ثَنَاءٌ عَلَى اللّٰهِ وَنِصْفُهَا دُعَاءٌ لِّلْمُصَلِّیْ نَفْسِهٖ لَا دُعَاءٌ لِّلْمَیِّتِ''
(مجموع الفتاویٰ ج:۱۱،ص:۳۵۴)

کہ آدھی فاتحہ اللہ کی ثناء ہے اور آدھی نمازی کا اپنے لئے دعا ہے نہ کہ میت کے لئے دعا۔

اعتراض: ''امام ابوداوٴدؒ، امام احمدؒ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ امام احمدؒ نے کسی سائل کے سوال ''نمازِ جنازہ میں ثناء ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں فرمایا ''مَا سَمِعْتُ ''یعنی میں نے نہیں سنا (مسائل احمد لابی داوٴد ص:۱۵۳)'' (الحق الصریح ج:۶،ص:۵۱۳، التحقیقات ص:۵۸۹)

جواب: کیا اُن کا نہ سننا اس بات کی دلیل ہوا کہ یہ عمل شریعت میں ہے ہی نہیں؟ عجیب مضحکہ خیز استدلال ہے! اگر ''نہ سننے'' کو اس (شریعت میں ثابت نہ ہونے) پر حمل کرتے ہیں تو پھر عطاء بن ابی رباحؒ (جنہوں نے دوسو (۲۰۰) صحابہ کرامؓ کی زیارت کی ہے دیکھئے ''تہذیب الکمال ج:۵،ص:۱۶۸'') سے سوال ہوا کہ کیا نمازِ جنازہ میں قرأت ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے یوں جواب دیا ''مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۲) ''یعنی ہم نے یہ نہیں سنا'' تو پھر یہاں بھی یہی اصول اپنائیں......!!!

ابن قدامہ حنبلیؒ (المتوفی: ۶۲۰ھ) سے اس کے برعکس روایت بھی ذکر ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''وَقَدْ رُوِیَ عَنْ أَحْمَدَ مِثْلُ قَوْلِ الثَّوْرِیِّ لِأَنَّ الْاِسْتِعَاذَةَ فِیْهَا مَشْرُوْعَةٌ فَسُنَّ فِیْهَا الْاِسْتِفْتَاحُ كَسَائِرِ الصَّلَوَاتِ'' (المغنی ج:۲،ص:۳۶۲)

امام احمدؒ سے بھی سفیان ثوریؒ کی طرح قول نقل ہوا ہے (یعنی سفیان ثوریؒ نے جواز کا قول کیا ہے تو امام احمد بن حنبلؒ سے بھی جواز کا قول ثابت ہے) اس لئے کہ نمازِ جنازہ میں استعاذہ (تعوذ) ہے تو پھر نمازِ جنازہ میں

دعاءالاستفتاح (سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ) بھی سنت ہونی چاہئے جیسے دیگر نمازوں میں سنت ہے۔

اور غیر مقلدین کے فضیلۃ الشیخ مولانا ابوصہیب محمد بن عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں: ''دوسرا قول یہ ہے کہ دعائے استفتاح پڑھی جائے گی اور یہ قول امام سفیان ثوریؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کا ہے (المجموع:٦/٢٢٦، المغنی:٣/٢١٠)'' (جنازہ کے احکام ومسائل (پشتو) ص:٢٨٠)

توجب امام احمد بن حنبلؒ سے ثناء کا ثبوت بھی آ گیا اور اگر نفی والے قول کا بھی اعتبار کیا جائے تو غیر مقلدین کا اصول ہے کہ ''مثبت نفی پر مقدم ہوتا ہے'' (التحقیقات ص:٦١٠)

لہٰذا غیر مقلدین انکارِ حدیث اور اندھی تقلید کے مرتکب نہ بنیں......!!

﴿ثناء میں ''وَجَلَّ ثَنَاءُ کَ'' پڑھنا﴾

نمازِ جنازہ کی پہلی تکبیر میں درج ذیل ثناء پڑھی جاتی ہے:

''**عَنْ أَبِی سَعِیْدٍ قَالَ؛ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ قَالَ؛ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ**'' (سنن نسائی ج:۱،ص:۱۴۳،مصنف ابن ابی شیبہ:۱/ ۲۰۹،مسند احمد:۱۸/ ۱۹۹،ابن ماجہ:۱/ ۱۶۵،المعجم الکبیر للطبرانی:۱۰/ ۱۰۸،سنن الدارقطنی ص:۱۶۳)

جہاں تک لفظ ''**وجلّ ثناء ک**'' ہے تو اس کا پڑھنا ضروری نہیں بلکہ درج بالا دعا پڑھنا بہتر ہے، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ شائع ہوا جس میں یوں تحقیق درج ہے کہ ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

''نمازِ جنازہ کے ثناء میں ''وجلّ ثناء ک'' کی زیادتی کسی معتبر حدیث میں نہیں ملی، درمختار کی ایک حدیث سے ثبوت ہوتا ہے لیکن صاحب بحر نے منیۃ المصلی سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی اسے پڑھے تو منع نہ کیا جائے اور نہ پڑھے تو اسے پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے'' (دارالافتاء دیوبند فتویٰ:۱۶۲۰۸۱،تاریخ اجراء:۷جون ۲۰۱۸ء)

تنبیہ: پڑھنے سے منع کیوں نہیں کیا جائے گا؟ اس کا جواب آئندہ صفحات میں آرہا ہے کہ اس پر غیر مشہور (باللسان)، مطلق اور عام روایات موجود ہیں ان شاء اللہ۔

اسی طرح ''جامعۃ الرشید'' کے فتویٰ میں ہے:

''احادیث شریف کی معروف کتب میں ان الفاظ کا ثبوت نہیں ہے البتہ غیر معروف کتب احادیث اور کتب فقہ میں ان کا ثبوت ملتا ہے، اس لئے اسے بدعت بھی نہیں کہا جا سکتا مگر یہ اضافہ ضعیف ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ عام نماز والی ثناء ہی پڑھی جائے'' (دارالافتاء جامعۃ الرشید کراچی فتویٰ:۷۰۶۶۷،تاریخ اجراء:۲۱نومبر ۲۰۲۰ء)

اورانہوں نے بھی گذشتہ کتب سے حوالہ جات نقل کئے ہیں مثلاً علامہ مرغینانیؒ سے یوں نقل کرتے ہیں: ''**قوله (وجلّ ثناء ک) لم یذکر فی المشاھیر فلا یأتی به فی الفرائض**'' (الھدایہ ج:۱،ص:۴۹)

اورعلامہ علاءالدینؒ سے بھی یوں نقل کرتے ہیں:

''**وجلّ ثناء ک ولیس ذالک فی المشاھیر**'' (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۲۰۲)

تو معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ میں وہ ثناء پڑھی جائے گی جو عام طور پر کامل نمازوں میں پڑھی جاتی ہے۔

اس تحقیق کے بعد یہ بات ذہن نشین فرمائیں کہ شریعت میں نمازِ جنازہ کے لئے حمد وثناء کے الفاظ کا مخصوص

ہونا ثابت نہیں کہ بس یہی پڑھے جائیں گے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں پڑھیں گے جیسا کہ درود شریف یا دعا کے لئے مخصوص الفاظ منقول نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ''وجلّ ثناء ک'' کے الفاظ عام احادیث سے ثابت ہیں اگرچہ خاص نماز کے متعلق نقل نہیں ہیں کہ بس یہی نمازِ جنازہ کے لئے خاص الفاظ ہیں بلکہ مطلق حمد وثناء کے لئے نقل ہیں، بس اتنا ثبوت کافی ہے۔ تو اس وجہ سے اگر کوئی نمازِ جنازہ میں بطورِ ثناء ان الفاظ سے عمومی روایات کی بنیاد پر استدلال کرے اور پڑھے تو ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

اب وہ روایات ملاحظہ فرمائیں جن میں ان الفاظ کا ثبوت موجود ہے:

۱۔ ''حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ؛ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ، عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ؛ حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْحَارِثَ بْنَ سُوَيْدٍ يَقُوْلُ؛ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ؛ اِذَا كَانَ عَلٰى أَحَدِكُمْ إِمَامٌ يَخَافُ تَغَطْرُسَهُ أَوْ ظُلْمَهُ، فَلْيَقُلْ؛ اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، كُنْ لِيْ جَارًا مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ وَأَحْزَابِهٖ مِنْ خَلَائِقِكَ، أَنْ يَفْرُطَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ أَوْ يَطْغٰى عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ''

(الادب المفرد للبخاری ص:۱۹۷، باب اذا خاف السلطان، وحیدی کتب خانہ پشاور)

<u>فائدہ:</u> اس کتاب کے محقق اور محشی محمد انس مصطفیٰ صاحب اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: ''واسناده صحيح'' (ایضاً) اور ساتھ ہی غیر مقلدین کے امام البانی بھی کہتے ہیں ''واسناده صحيح''

تو اس روایت میں ''وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ'' کا تذکرہ آیا الحمد للہ۔

۲۔ ''عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ؛ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ؛ اِذَا تَخَوَّفَ أَحَدُكُمُ السُّلْطَانَ فَلْيَقُلْ؛ اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، كُنْ لِيْ جَارًا مِنْ شَرِّ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ ''يَعْنِي الَّذِيْ يُرِيْدُ'' وَشَرِّ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَأَتْبَاعِهِمْ أَنْ يُفْرُطَ عَلٰى أَحَدٍ مِنْهُمْ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ'' (مجمع الزوائد ج:۱۰، ص:۱۹۸، دار الفکر بیروت لبنان، روایت نمبر:۱۷۱۳۵)

۳۔ ''وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ؛ اِذَا أَتَيْتَ سُلْطَانًا مُهِيْبًا تَخَافُ أَنْ يَسْطُوَ بِكَ فَقُلْ؛ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِهٖ جَمِيْعًا اللّٰهُ أَعَزُّ مِمَّا أَخَافُ وَأَحْذَرُ وَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ (الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) الْمُمْسِكِ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ أَنْ يَقَعْنَ عَلَى الْأَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ مِنْ شَرِّ عَبْدِكَ فُلَانٍ وَجُنُوْدِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ وَأَشْيَاعِهٖ مِنَ

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِلٰهِیْ کُنْ لِیْ جَارًا مِنْ شَرِّهِمْ جَلَّ ثَنَاؤُکَ وَ عَزَّ جَارُکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ (ثَلَاثُ مَرَّاتٍ)'' رواه الطبرانی ورجال الصحیح. (ایضاً ص:۱۹۹)

نوٹ: یہ دونوں احادیث اسی جلد میں ''ص:۳۰۰-۳۰۱'' پر بھی ہیں۔

۴۔ ''حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِیَةَ وَوَکِیْعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ ثُمَامَةُ بْنُ عُقْبَةَ الْمَحْلَمِیِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنَ سُوَیْدٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِذَا کَانَ عَلٰی أَحَدِکُمْ اِمَامٌ یَخَافُ تَغَطْرُسَهُ وَ ظُلْمَهُ، فَلْیَقُلْ؛ اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، کُنْ لِیْ جَارًا مِنْ فُلَانٍ وَأَحْزَابِهٖ وَأَشْیَاعِهٖ أَنْ یَفْرُطُوْا عَلَیَّ وَأَنْ یَطْغَوْا عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ'' (مصنف ابن ابی شیبہ:۶/۲۲)

۵۔ ''حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا الْحَکَمُ بْنُ ظُهَیْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ؛ شَکَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ الْمَخْزُوْمِیُّ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ؛ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا أَنَامُ اللَّیْلَ مِنَ الْأَرَقِ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا أَوَیْتَ اِلٰی فِرَاشِکَ فَقُلْ؛ اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا أَظَلَّتْ وَرَبَّ الْأَرَضِیْنَ وَمَا أَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّیٰطِیْنِ وَمَا أَضَلَّتْ، کُنْ لِیْ جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِکَ کُلِّهِمْ جَمِیْعًا أَنْ یَفْرُطَ عَلَیَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَوْ أَنْ یَبْغِیَ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ'' (جامع الترمذی)

الغرض کتب احادیث کی کثیر احادیث میں اس کا تذکرہ ہے، حدیث کا یہ حصہ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

(جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد ج:۴، ص:۹۷و۱۰۷، مصنفہ: محمد بن محمد المغربی المالکی (المتوفی:۱۰۹۴ھ، ألمنتقی من کتاب مکارم الأخلاق ومعالیها ص:۲۳۹، مصنفہ: أبوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سهل بن شاکر الخرائطی السامری (المتوفی:۳۲۷ھ) الدعاء للطبرانی (المتوفی:۳۶۰ھ، ص:۳۲۲) المعجم الکبیر للطبرانی ج:۴، ص:۱۵۱ وج:۱۰، ص:۱۵، عمل الیوم واللیلة لابن السنی ص:۳۰۵)

معلوم ہوا کہ یہ اضافہ کثیر احادیث اور صحیح السند روایات میں موجود ہے، تو جیسے نماز کے آخر میں دعاؤں کا اختیار ہے کہ جو چاہے دعا مانگے (بشرطیکہ قرآن وحدیث میں موجود ہو، تفصیل ان شاءاللہ ''فصل نمازِ جنازہ میں دعا'' میں آرہی ہے) کوئی خاص معین الفاظ نہیں کہ ان کے علاوہ دوسری دعا جائز نہ ہو تو اسی طرح حمد وثناء کے الفاظ میں بھی اختیار ہے۔

لطیفہ: استاذ المناظرین حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ رحمۃً وواسعۃً وکثر اللہ امثالہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ''غیر مقلدین کے پاس شور وشر، فتنہ وفساد کے سوا اور کچھ نہیں، جب فتنہ برپا کرنے کا اور بہانہ نہ ملا تو ایک اشتہار شائع کیا، اس میں ایک طرف **سبحانک اللّٰھم** لکھا جس طرح ہم سب نماز میں پڑھتے ہیں، دوسری طرف **سبحانک اللّٰھم** میں **جلّ ثناء ک** زیادہ کر دیا ہے، بس آسمان سر پر اٹھالیا۔ میں نے اس غیر مقلد سے کہا کہ جتنی ثناء آپ نے لکھی ہے، خاص نمازِ جنازہ میں آنحضرت ﷺ سے اتنی پڑھنی تم ثابت کر دو، **جلّ ثناء ک** میں دکھادوں گا، آج چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے وہ پریشان ہے، اسے حدیث نہیں مل رہی، وہ اپنے ضمیر اور اپنی ساری جماعت کو لعنت ملامت کر رہا ہے کہ ایسی حدیث تلاش کر دو مگر کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔

ایک دوسرے غیر مقلد سے میں نے کہا کہ حنفی فقہ کی معتبر کتاب سے ہمیں یہ دکھادو کہ نمازِ جنازہ کی ثناء میں **جلّ ثناء ک** ضروری ہے، وہ بھی نہیں دکھا سکا، پھر دیکھئے ایک خود بہتان تراشتے ہیں، پھر خود ہی فتنہ کھڑا کرتے ہیں، اس لئے تو نواب صدیق حسن کو لکھنا پڑا کہ ''**ان ھذا الا فتنة فی الارض وفسادًا کبیر**'' (الحطہ) یہ فرقہ خدا کی زمین میں فتنہ وفساد پھیلانے کا ٹھیکہ دار ہے۔'' (مجموعہ رسائل ص:۲۴۷-۲۴۸)

سبحان اللہ! اس میں کیا خوبصورت نکات ہیں، **جزاہ اللہ خیرا**، مطلب یہ کہ غیر مقلدین کے پاس اس اپنی ثناء میں کوئی خاص دلیل نہیں ہے لیکن اس کے عموم سے استدلال کرتے ہیں مگر یہ بھی غیر مقلدین کے لئے فائدہ مند نہیں کیونکہ امین اللہ پشاوری غیر مقلد نے لکھا ہے:

''عموم سے استدلال کرنے سے بدعات پیدا ہوتی ہیں'' (الحق الصریح ج:۱،ص:۱۷۸)

خلاصہ یہ ہوا کہ نمازِ جنازہ میں وہ ثناء پڑھنی چاہئے جو عام نمازوں میں پڑھی جاتی ہے اور اس میں فوائد وبرکات بھی بہت ہیں اور لوگ اختلافات سے بھی بچ سکتے ہیں لیکن اگر کسی نے اضافہ کر دیا تو اس پر بدعت کے ٹھپے نہیں لگانا چاہئے بلکہ اس کے عموم کی بنا پر ان شاء اللہ صحیح و درست ہوگا۔

فائدہ: دعا کے متعلق بحث آرہی ہے جس میں غیر مقلدین کے حوالے بھی موجود ہیں کہ نماز میں عام دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں تو یہ ثناء بھی ایک دعا ہے تو ان اصولوں کے مطابق اس کے عموم کی بناء پر یہ اضافہ جو صحیح احادیث سے ثابت ہے بھی پڑھا جاسکتا ہے ان شاء اللہ الرحمٰن، واللہ اعلم۔

جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا

دیگر اختلافی مواضع کی طرح اس میں بھی اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے چلا آرہا ہے، احناف کثر اللہ سوادھم کا نظریہ یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے گا جبکہ خود کو اہلحدیث کہنے والے حضرات کا عمل یہ ہے کہ رفع الیدین کیا جائے گا (دیکھئے ماہنامہ الحدیث شمارہ:۱۷، ص:۳۵، مختصر صحیح نمازِ نبوی از زبیر علیزئی) اور مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ ''کسی صحابی سے جنازے کی تکبیرات پر ترک رفع الیدین ثابت نہیں ہے'' (فتاویٰ علمیہ ج:۱، ص:۵۳۳)

اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل:

۱۔ ''حدّثنا القاسم بن دینارٍ الکوفی قال؛ حدّثنا اسماعیل بن أبان الوراق، عن یحی بن یعلی، عن أبی فروۃ یزید بن سنانٍ، عن زیدٍ وھو ابن أبی أنیسۃ، عن الزھری، عن سعید بن المسیب، عن أبی ھریرۃ، أنّ رسول اللہ ﷺ کبّر علی جنازۃٍ فرفع یدیہ فی أول تکبیرۃٍ، ووضع الیمنی علی الیسری'' (سنن الترمذی ج:۱، ص:۲۰۶)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی نمازِ جنازہ پڑھاتے تو پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے اور پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے۔

نوٹ: یہ روایت درج ذیل کتب میں بھی موجود ہے، بعض میں بعینہٖ یہی الفاظ اور بعض میں مفہوماً یہی مضمون ہے:

۲۔ شرح السنۃ للبغوی ج:۵، ص:۳۴۸

۳۔ سنن الدارقطنی ص:۴۶۰

۴۔ مسند الامام الشافعی ص:۲۱۱

۵۔ ''حدّثنا الحسین بن اسماعیل، ثنا عبید اللہ بن جریر بن جبلہ، ثنا الحجاج بن نصیر، عن الفضل بن السکن، حدثنی ھشام بن یوسف، ثنا معمر، عن ابن طاؤس، عن أبیہ، عن ابن عباس، أنّ رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیہ علی الجنازۃ فی أول

تکبیرۃٍ ثم لا یعود''(سنن الدارقطنی ،باب وضع الیمنی علی الیسری ورفع الأیدی عند التکبیر)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے اور پھر دوبارہ نہ اٹھاتے۔

__فائدہ:__ یہ روایت مشہور غیر مقلد عبدالعزیز نورستانی صاحب نے بھی اپنی مترجم کتاب میں بغیر کسی تنقید کے نقل کی ہے دیکھئے''نمازِ جنازہ کے احکام اور بدعات (پشتو) ص:۲۱۲''

اورالبانی صاحب (المتوفی:۱۴۲۰ھ) نے بھی اپنی کتاب میں بطورِ استدلال ذکر کی ہے دیکھئے''**احکام الجنائز وبدعھا** ص:۱۴۷،**مکتبۃ المعارف، الریاض**''

اسی لئے تو زبیر علیزئی صاحب بھی یہ بات لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ''شیخ البانی رحمہ اللہ نے سنن ترمذی وسنن دارقطنی کی دونوں ضعیف سندوں کو ملا کر''حسن'' قرار دیا ہے''(ماہنامہ الحدیث شمارہ:۱۷،ص:۳۸ مختصر صحیح نمازِ نبوی)

۶۔ **''حدّثنا علی بن مسهرٍ، عن الولید بن عبد اللّٰہ بن جمیعٍ الزہری قال؛ رأیت ابراھیم، اذا صلی علی الجنازۃ رفع یدیہ فکبّر ثم لا یرفع یدیہ فیما بقی وکان یکبّر أربعًا**''(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۲۹۶)

ترجمہ: حضرت ولید بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعیؒ کو دیکھا کہ جب وہ نمازِ جنازہ پڑھتے تو (شروع میں) ہاتھ اٹھاتے اور تکبیر کرتے، پھر دیگر مقامات میں ہاتھ نہ اٹھاتے اور چار تکبیریں کرتے۔

۷۔ **''حدّثنا وکیع عن سفیان، عن الحسن بن عبید اللّٰہ؛ أنّہ کان یرفع یدیہ فی أول تکبیرۃٍ علی الجنازۃ**''(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۲۹۷)

ترجمہ: حضرت حسن بن عبیداللہؒ سے روایت ہے کہ وہ نمازِ جنازہ کی پہلی تکبیر میں رفع الیدین کرتے۔

۸۔ **''عن الثوری عمّن سمع الحسن بن عبید اللّٰہ عن ابراھیم، أنہ کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃٍ فی الصلاۃ علی المیت ثم لا یرفع بعد**''(مصنف عبدالرزاق ج:۳،ص:۲۹۸)

ترجمہ: ابراہیم نخعیؒ بھی شروع میں رفع الیدین کرتے اور پھر دیگر مقامات میں رفع الیدین نہ کرتے۔

اس پر کافی دلائل ہیں جن کو قصداً ترک کرتے ہیں تاکہ بحث طویل نہ ہوجائے کیونکہ ماننے والوں کے لئے ایک روایت بھی کافی ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے ہزاروں دلائل بھی بے جا ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اتباعِ نفس سے بچائے اور شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے......آمین۔

غیر مقلدین کے گھر سے شہادت:

غیر مقلدین کے گھر سے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ غیر مقلدین علامہ ابن حزم صاحبؒ (المتوفی:۴۵۶ھ) کو بھی اپنا بزرگ مانتے ہیں، تو موصوف اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ ملاحظہ کیجئے:

''**مسألة رفع اليدين فی الصّلاة علی الجنازة، مسألة: ولا ترفع اليدان فی الصّلاة علی الجنازة الا فی اوّل تكبيرةٍ فقط؛ لأنه لم يأت برفع الأيدی فيما عدا ذلک نصّ، وروی مثل قولنا هذاعن ابن مسعودٍ، وابن عباسٍ وهو قول أبی حنيفة وسفيان**'' (المحلی ج:۳،ص:۱۸۱)

ترجمہ: ''مسئلہ: نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر پر رفع الیدین کیا جائے گا کیونکہ پہلی تکبیر کے علاوہ اور جگہوں میں رفع الیدین کی نص نہیں ہے، اسی طرح یہ قول ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے اور یہ قول ابو حنیفہؒ اور سفیانؒ کا بھی ہے۔''

۲۔ ابو عمار سمیع اللہ صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نمازِ جنازہ کی پہلی تکبیر میں ہاتھوں کو اٹھایا جائے گا اور باقی تکبیرات میں ہاتھ اٹھانے میں اختلاف ہے'' (نماز کا طریقہ، آداب اور احکام (پشتو) ص:۱۴۳ و ۱۴۸)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ سے صحیح مرفوع روایت نہ رفع یدین میں ہے اور نہ عدم رفع یدین میں ہے'' (نماز کا طریقہ، آداب اور احکام (پشتو) ص:۱۵۰)

۳۔ غیر مقلدین کے شیخ التفسیر عبد السلام الرستمی صاحب لکھتے ہیں:

''پھر (دوسری مرتبہ......ناقل) اللہ اکبر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے......الخ'' (تحفۃ السجن ص:۱۶۶)

۴۔ مشہور غیر مقلد وحید الزمان صاحب (جن کو غیر مقلدین نے ''امام اہلحدیث'' کے لقب سے موسوم کرتے ہیں دیکھئے ''مجموعۂ مقالات پر سلفی تحقیقی جائزہ ص:۹۴۴'') لکھتے ہیں: ''**ولا يرفع يديه الا فی التكبيرة الاولی**'' (کنز الحقائق ص:۴۱)

یعنی صرف پہلی تکبیر میں رفع الیدین کریں۔

۵۔ غیر مقلدین کے محقق و مفتی شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب لکھتے ہیں: ''اس طرح جنازہ کی

زوائد تکبیرات میں بھی رفع الیدین مرفوع حدیث سے ثابت نہیں“ (فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۱،ص:۴۸۹)

۶۔ سعودی عالم فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا ترجمہ غیر مقلدین کے مشہور محقق اور شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق الاثری صاحب نے کیا ہے، اس کتاب میں ہے: ”پھر (دوسری تکبیر میں ...... ناقل) ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے یا ہاتھ نہ اٹھائے ...... دونوں طرح درست ہے“ (منہاج المسلم ص:۴۰۵، ناشر: دار السلام لاہور)

۷۔ غیر مقلدین کے محقق و مفتی عبید اللہ عفیف صاحب لکھتے ہیں: ”جنازہ کی تکبیروں میں رفع الیدین کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں، ہاں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے ایک مرفوع حدیث بھی آتی ہے مگر وہ موقوف ہے، مرفوع نہیں (نیل الاوطار)“ (سفر آخرت ص:۱۱۶)

۸۔ غیر مقلدین کے مشہور شارح و محقق مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب (المتوفی:۱۳۵۳ھ) بھی اقرار و اعتراف کرتے ہیں کہ اس میں نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح روایت موجود نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: ”نمازِ جنازہ کی چار تکبیروں میں رفع یدین کرنا کسی مرفوع صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اور جو مرفوع حدیثیں اس بارے میں آئی ہیں وہ ضعیف ہیں“ (کتاب الجنائز ص:۵۵)

۹۔ غیر مقلدین کے مفتی ایک سائل کو لکھتے ہیں: ”تکبیراتِ جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی فعلی یا تقریری حدیث موجود نہیں ہے“ (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۱۵۶)

۱۰۔ غیر مقلدین قاضی شوکانی صاحبؒ (المتوفی:۱۲۵۰ھ) کو بھی تارک التقلید کہتے ہیں، وہ لکھتے ہیں: ”**والحاصل أنه لم يثبت في غير التكبيرة الأولى شيء يصلح للاحتجاج به عن النبي ﷺ وأفعال الصحابة وأقوالهم لا حجة فيها فينبغي أن يقتصر على الرفع عند تكبيرة الاحرام**“ (نیل الاوطار ج:۴،ص:۶۷)

اس بات کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین پر کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں جو دلیل بننے کے قابل ہو، اور صحابہ کرام کے اقوال و افعال حجت نہیں ہیں لہٰذا مناسب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع الیدین پر اکتفاء کیا جائے۔

۱۱۔ عبدالولی عبدالقوی صاحب غیر مقلد نے بھی قاضی شوکانی صاحب سے ترک رفع الیدین کا قول نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے ”مسائل جنازہ پر ایک تحقیقی نظر ص:۱۲۱، ناشر: انجمن اصلاح معاشرہ انڈیا“

۱۲۔ مولانا عبداللہ رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''تکبیراتِ جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی یا فعلی یا تقریری حدیث موجود نہیں ہے البتہ بعض صحابہ سے ضرور ثابت ہے، اس موقوف روایت و نیز بعض ضعیف احادیث کی رو سے تکبیراتِ جنازہ کے ساتھ رفع یدین کرنا جائز ہے، بدعت یا ممنوع نہیں'' (حاشیہ فتاویٰ ثنائیہ ج:۲،ص:۵۰،فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۱۵۶)

انہوں نے اس بات کی تصریح کر دی کہ ہمارے پاس اس مسئلہ پر صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے اور اس متعلق جو بات کی کہ صحابہ کرام کے اقوال و افعال موجود ہیں تو یہ غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں دیکھئے ''الدین الخالص ج:۱،ص:۶۴،۱۰۴،الحق الصریح ج:۱،ص:۴۷،حقیقۃ الفقہ ص:۱۴۶،عرف الجادی وغیرہ'' اور ضعیف روایت تو غیر مقلدین کے نزدیک بالکل بھی حجت نہیں ہے......؟؟؟

لیکن درحقیقت غیر مقلدین کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کو سیلاب بہائے لئے جا رہا ہو اور وہ کبھی ایک تنکے کا سہارا لے رہا ہو اور کبھی دوسرے کا مگر بچ نہ سکے۔

یہی وجہ ہے کہ زبیر علیزئی غیر مقلد نے بھی رفع الیدین کرنے کا قول کیا ہے مگر اس دعویٰ کے ثبوت پر کوئی ایک بھی مرفوع روایت پیش نہیں کی اور عبداللہ بن عمرؓ بلکہ تابعین یعنی مکحول، زہری، قیس بن ابی حازم، نافع بن جبیر اور حسن بصری رحمہم اللہ سے ثبوت پیش کیا ہے دیکھئے ''ماہنامہ الحدیث شمارہ:۱۷،ص:۳۵،شمارہ:۳،ص:۲۰'' حالانکہ یہ تو غیر مقلدین کے مسلک میں حجت ہی نہیں......!!! تو ان سے ثبوت پیش کرنا غیر مقلدین کے لئے لائق اور مفید نہیں۔

۱۳۔ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مفتی ثناء اللہ مدنی صاحب لکھتے ہیں: ''دوسری طرف حنفیہ وثوری کے علاوہ حافظ ابن حزم، امام شوکانی اور علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ تکبیر اولیٰ میں رفع یدین کے ماسوا باقی تکبیروں میں عدمِ رفع کے قائل ہیں'' (فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۳،ص:۱۱۰)

اور آگے لکھتے ہیں: ''ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے جواز منقول ہے بلکہ امام ترمذی نے اکثر علماء کا اس پر عمل نقل کیا ہے اگرچہ مرفوعاً کوئی روایت ثابت نہیں'' (فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۳،ص:۱۱۰)

۱۴۔ غیر مقلدین کے محقق اور مناظر ابو یزید عبدالقاہر صاحب نے بہت عجیب انداز میں بات لکھی ہے، توجہ سے پڑھیئے، لکھتے ہیں:

''ابن عمرؓ، انس بن مالکؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت سے (ہر تکبیر میں رفع یدین، ناقل) کا ثبوت ہے

البتہ رسول اکرم ﷺ سے اس بارے میں محدثینؒ نے کوئی صحیح حدیث نہیں روایت کی تو اگر کسی نے اِن صحابہ کرامؓ کے مذہب پر عمل کیا تو بھی کوئی حرج نہیں البتہ میری رائے یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں سوائے پہلی تکبیر کے رفع یدین نہ کرنا بہتر ہے رسول اللہ ﷺ سے اس کے عدم ثبوت کی وجہ سے'' (التحقیقات (پشتو) ص:۵۸۱)

چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں: ''اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث نہیں'' (ایضاً ص:۵۸۱)

۱۵۔ امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''نمازِ جنازہ کی تکبیرات میں رفع یدین کرنا کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے اور جو مرفوع حدیثیں اس بارے میں آئی ہیں وہ ضعیف ہیں'' (الحق الصریح (پشتو) ج:۶،ص:۵۰۴)

۱۶۔ غیر مقلد عالم مولانا محمد عبدہ فیروز پوری صاحب علامہ البانی صاحب کا نظریہ یوں لکھتے ہیں:

''تکبیر اولیٰ کے ماسوا تکبیرات میں رفع الیدین کی مشروعیت پر ہمیں کوئی دلیل نہیں مل سکی لہٰذا یہ غیر مشروع ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے، امام شوکانی وغیرہ محققین نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور یہی مسلک ابن حزم کا ہے'' (کتاب الجنائز ص:۱۷۹)

۱۷۔ عبدالولی عبدالقوی صاحب ترکِ رفع الیدین کی روایات ذکر کرنے کے بعد علامہ البانی صاحب کا نظریہ یوں لکھتے ہیں: ''مذکورہ روایتوں کی بنیاد پر اہل علم کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ نمازِ جنازہ میں رفع الیدین صرف پہلی تکبیر کے ساتھ کیا جائے گا، علامہ البانی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب ''**احکام الجنائز وبدعھا** ص:۱۴۷'' میں لکھتے ہیں:

ہمیں سنت رسول میں کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے پہلی تکبیر کے علاوہ باقی تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین کا پتہ چلتا ہو، لہٰذا ہم نہیں سمجھتے کہ باقی تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین کرنا مشروع ہے'' (مسائل جنازہ پر ایک تحقیقی نظر ص:۹۲، ناشر: انجمن اصلاح معاشرہ انڈیا)

۱۸۔ غیر مقلدین کے محقق عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں:

''**قلت لم اجد حدیثا مرفوعا صحیحا فی ھذا الباب**'' (تحفۃ الاحوذی ج:۲،ص:۱۴۵)

میں (مبارکپوری، ناقل) کہتا ہوں کہ اس باب میں مجھے کوئی صحیح مرفوع روایت نہیں ملی۔

تبصرہ بر خلاصہ: ان روایات اور حوالوں کے بعد غیر مقلدین کی خواہش پرستی پر ذرا غور فرمائیں!!!

اس بحث سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اولاً: نمازِ جنازہ کی ہر تکبیر میں (سوائے تکبیر اولیٰ کے) رفع الیدین کرنے پر رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے لیکن غیر مقلدین پھر بھی کرتے ہیں......!!!

ثانیاً: غیر مقلدین نے اقرار کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں لیکن صحابہؓ وتابعینؒ سے ثابت ہے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال غیر مقلدین کے نزدیک کہاں حجت ہیں؟ خود ابویزید عبدالقاہر صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''اگر بالفرض یہ اثر ثابت بھی ہو تو بھی صحابی کا فعل ہے اور صحابیؓ کا فعل دلیل نہیں ہوتا'' (التحقیقات ص:۵۹۵) تو یہاں پر غیر مقلدین کس طرح اسے دلیل بنانے کی سوچ میں ہیں؟ تعجب ہے......!!!

﴿جنازہ کی چار تکبیریں﴾

اسلام کے ابتدائی دور میں نمازِ جنازہ کی مختلف تکبیرات ہوتی تھیں، کبھی چار تکبیرات ہوتیں، کبھی پانچ، کبھی سات ہوتیں، پھر آخر میں چار تکبیرات پر اتفاق ہوا اور باقی غیر معمول بہا ٹھہریں، تو ہم اسے اس طور پر تعبیر کرتے ہیں کہ: ''اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں مشروع اور باقی زائد تکبیریں منسوخ اور غیر معمول بہا ہیں''

اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل:

۱۔ ''أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعريّ وحذيفة بن اليمان، كيف كان رسول الله ﷺ يكبّر في الأضحى والفطر؟ فقال أبو موسى؛ ''كان يكبّر اربعًا تكبيره على الجنائز'' فقال حذيفة؛ صدق'' (سنن ابی داؤد ج:۱،ص:۱۷۰)

حضرت سعید بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی کتنی تکبیرات کرتے تھے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جواب دیا کہ چار تکبیرات کرتے تھے نمازِ جنازہ کی طرح، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا۔

تنبیہ: یہ روایت ''مسند احمد، شرح معانی الآثار، السنن الکبریٰ للبیہقی'' وغیرہم کتب میں بھی موجود ہے مگر ہم اختصار پر عمل پیرا ہیں تا کہ بات لمبی نہ ہو جائے۔

۲۔ ''عن أبي هريرةؓ؛ أنّ رسول الله ﷺ نعى النجاشيّ في اليوم الّذي مات فيه خرج الى المصلّى، فصفّ بهم وكبّر اربعًا'' (صحیح بخاری ج:۱،ص:۱۶۷،باب الرجل ينبغي الى اهل الميت بنفسه)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت نجاشیؓ فوت ہوئے تو اُس دن نبی اکرم ﷺ نے ان کی وفات کی اطلاع دی، پھر نبی کریم ﷺ جنازہ گاہ کی طرف تشریف لے گئے تو صحابہ کرامؓ کی صف بندی فرمائی اور نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات فرمائیں۔

۳۔ ابوبکر بن ابی شیبہؒ (المتوفی:۲۳۵ھ) نے اپنی کتاب میں ایک حدیث ذکر کی: ''حدّثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن ابراهيم، قال؛ سئل عبدالله عن التّكبير على الجنائز فقال؛ كلّ ذالک قد صنع ورأيت النّاس قد أجمعوا على أربعٍ'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۲،ص:۱۳۲)

۴۔ امام طحاویؒ (المتوفی:۳۲۱ھ) اپنی احادیث کی مایہ ناز کتاب میں سند کے ساتھ یہ حدیث ذکر کرتے ہیں:''حدثنا ابن مرزوقٍ قال؛ ثنا وهبٌ قال ثنا شعبة عن عليّ بن الأقمر، عن أبى عطيّة قال؛ سمعت عبدالله يقول؛ التّكبير على الجنائز أربعٌ كالتّكبير فى العيدين ''(شرح معانی الآثار ج:۱،ص:۲۴۵)

۵۔ ''عن عبدالله (بن مسعودٍ ﷛) يقول التكبير فى العيدين أربعٌ كالصلوة على الميّت وفى روايةٍ التّكبير على الجنائز أربعٌ كالتّكبير فى العيدين ''(سنن طحاوی ج:۱،ص:۳۲۰، التّكبير على الجنائز كم هو؟)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ فرماتے ہیں کہ عیدین کی چار تکبیریں ہیں نمازِ جنازہ کی طرح اور ایک روایت میں ہے کہ نمازِ جنازہ کی چار تکبیریں ہیں نمازِ عیدین کی تکبیروں کی طرح۔

وضاحت: جیسے عیدین کی ہر رکعت میں چار تکبیریں ہیں ایک افتتاح کی اور تین زائد تکبیریں جو ثناء پڑھنے کے بعد ہوتی ہیں یا دوسری رکعت کی چار تکبیریں؛ تین رکوع سے پہلے کی اور ایک رکوع کی، اس طرح جنازہ کی بھی چار تکبیریں ہیں۔

اعتبار آخری عمل کو ہوگا:

حضرت امام بخاریؒ (المتوفی:۲۵۴ھ) نے ایک قاعدہ ذکر فرمایا ہے کہ جب کبھی نبی اکرم ﷺ سے دو عمل ثابت ہوں تو پھر اعتبار آخری عمل کو ہوگا، الفاظ درج ذیل ہیں:

''وانما يؤخذ بالآخر فالآخر، من فعل النبى ﷺ''(صحیح بخاری ج:۱،ص:۹۶)

آخری عمل چار تکبیرات کا ہے:

''عن ابن مسعودٍ قال؛ كنّا نكبّر على الميّت خمسًا وستًا، ثم اجتمعنا على أربع تكبيراتٍ''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۵)

محققِ کبیر استاذ العلماء حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی نوراللہ مرقدہٗ وکثر اللہ امثالہ فرماتے ہیں:

''حضرت ابووائلؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں جنازے کی نماز سات، چھ، پانچ اور چار تکبیروں سے ہوتی رہی، حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس اختلاف کو ختم کیا گیا۔

وروى البيهقىّ بأسنادٍ حسنٍ الى أبى وائلٍ قال كانوا يكبّرون على عهد رسول الله ﷺ سبعًا

وستًّا وخمسًا وأربعًا فجمع عمر النّاس على أربعٍ كأطول الصلاة. (فتح الباری ج:۳،ص:۲۰۲)

حضرت عمرؓ نے سب کو چار تکبیروں پر جمع فرمادیا کیونکہ بڑی نماز کی چار ہی رکعتیں ہیں (مجموعہ رسائل:۱/۲۱)

امام عبدالرزاقؒ اپنی سند کے ساتھ مشہور فقیہ اور تابعی ابراہیم نخعیؒ (المتوفی:۹۶ھ) کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''عن الثوری، عن الأعمش عن ابراهیم، قال كلٌّ قد فعل فاجتمع النّاس على أربع تكبيراتٍ'' (مصنف عبدالرزاق ج:۳،ص:۴۸۱)

کہ لوگ مختلف تکبیرات کرتے تھے مگر پھر لوگوں کا چار تکبیرات پر اجماع ہوگیا۔

امام ترمذیؒ (المتوفی:۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:''والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبيّ ﷺ وغيرهم؛ يرون التكبير على الجنازة أربع تكبيراتٍ، وهو قول سفيان الثّوريّ ومالك بن أنسٍ وابن مبارك والشافعيّ وأحمد واسحاق'' (سنن الترمذی ص:۱۶۶)

یعنی اکثر اہل علم (فقہاء)، نبی کریم ﷺ کے صحابہ وغیرہ (تابعین وبعدھم) کا عمل اس پر ہے کہ نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات ہیں اور یہی قول سفیان ثوری، امام مالک بن انس، ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی ہے۔

تو اس کے خلاف کرنا کیا اجماع کے خلاف نہ ہوگا......؟

اسی وجہ سے ابن قدامہؒ (المتوفی:۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:''أنّ سنّة التّكبير على الجنازة أربعٌ، ولا تسنّ الزّيادة عليها، ولا يجوز النّقص منها'' (المغنی ج:۲،ص:۳۶۲)

نمازِ جنازہ میں صرف چار تکبیریں سنت ہیں، اس سنت (چار تکبیرات) میں نہ زیادتی ہوگی اور نہ کمی۔

الزامی حوالہ جات:

۱۔ زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:''لیکن چار تکبیریں بہتر ہیں کیونکہ یہ کئی سندوں سے ثابت ہیں مثلاً دیکھئے صحیح بخاری وصحیح مسلم۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو چار تکبیروں پر جمع کیا تھا دیکھئے ''الاوسط لابن المنذر:۵/۴۳۰، وسندہٗ صحیح'' (ماہنامہ الحدیث شمارہ:۱۷،ص:۳۷، مختصر صحیح نمازِ نبوی)

۲۔ صادق اللہ صافی صاحب غیر مقلد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:''نمازِ جنازہ کھڑے ہوکر ادا کیا جاتا ہے، اس کی چار تکبیریں ہیں'' (صلوٰۃ الرسول ص:۱۳۰، از صادق اللہ صافی، معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور)

۳۔ مولانا محمد داؤد راز صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''اگرچہ جنازے پر ۵، ۶، ۷ تکبیریں کہی جاتی ہیں مگر آنحضرت ﷺ کا آخر عمل چار تکبیروں کا ہے، اس لئے اب اس پر اجماعِ امت ہے'' (صحیح بخاری مترجم ج:۲،ص:۴۰، حذیفہ اکیڈمی)

۴۔ نواب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں: ''بیہقی نے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جنازہ پر لوگ سات اور چھ اور پانچ اور چار تکبیریں کہا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے چار پر لوگوں کو اتفاق کرا دیا'' (تیسیر الباری مترجم ج:۱،ص:۴۷۷)

۵۔ غیر مقلدین کے محقق مولانا مقبول احمد سلفی صاحب لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ میں نو تکبیرات تک کا ثبوت ملتا ہے مگر چار تکبیرات نبی ﷺ کا آخری عمل ہے اور اس پہ صحابہ کرام کا اجماع ہے، اس لئے جنازہ میں چار تکبیرات ہی کہی جائیں گی'' (جنازہ کے اہم مسائل و احکام ص:۲۶)

اور اسی کتاب کے ص:۳۰ پر بھی اسی مفہوم والی بات کی ہے۔

۶۔ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ جنازہ پر چار تکبیروں سے زیادہ تکبیریں کہنا بدعت ہے، اصل عبارت ملاحظہ کیجیئے، لکھتے ہیں: ''وبطریق جماعہ از صحابہ و صحیحین وغیرھما مروی شدہ آنست کہ آنحضرت صللم (ﷺ، ناقل) چہار تکبیر بر جنازہ میکردوہمیں بسست مذہب جماہیر، ابن عبدالبر گفتہ **انعقد الاجماع بعد الاختلاف علی اربع وأجمع الفقهاء وأهل الفتوی بالامصار علی اربع علی ما جاء نا فی الاحادیث الصحاح وما سوی ذالک عندهم فشذوذ لا یلتفت الیه قال ولا نعلم أحدا من الامصار یخمس الا ابن ابی لیلی. انتهی** ......وبالجملہ کم وبیشی از چہار ابتداع ست اگر عمداً کنند نہ سہواً'' (بدور الاھلہ ص:۹۱-۹۲، بسہولت و شکریہ مجموعہ رسائل ج:۱،ص:۲۵۳، از مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً)

۷۔ سعودی عالم فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا ترجمہ غیر مقلدین کے مشہور محقق اور شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق الاثری صاحب نے کیا ہے، اس کتاب میں ہے:

''نمازِ جنازہ کے فرائض:......چار تکبیرات کہے، دعا کرے اور سلام پھیر دے''

(منہاج المسلم ص:۴۰۴-۴۰۵، ناشر: دار السلام لاہور)

ملاحظہ فرمائیں درج بالا حوالے میں چار تکبیرات کو فرض کہا ہے۔

۸۔ غیر مقلدین کے محقق الشیخ عبدالرحمٰن عزیز صاحب لکھتے ہیں:

''نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات کہنی چاہئیں'' (صحیح نمازِ نبوی ص:۴۵۰)

۹۔ عبدالولی عبدالقوی صاحب ''نمازِ جنازہ کے فرائض'' عنوان کے تحت دوسرا فرض لکھتے ہیں:

''چار تکبیرات کہنا'' (مسائل جنازہ پر ایک تحقیقی نظر ص:۱۱۱، ناشر: انجمن اصلاح معاشرہ انڈیا)

اور پھر آگے لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں نمازِ جنازہ کا رکن ہیں جن کی ادائیگی کے بغیر نہ تو امام کی نمازِ جنازہ درست ہے اور نہ ہی مقتدی کی، چنانچہ اگر امام بھول کر مثلاً تین تکبیروں ہی پر سلام پھیر دے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو یاد دلائیں تاکہ چوتھی تکبیر کہے ورنہ نمازِ جنازہ نہ ہوگی'' (ایضاً ص:۱۳۶)

۱۰۔ غیر مقلدین کے مدرسہ میں درس نظامی میں پڑھائی جانے والی کتاب میں ''نمازِ جنازہ کے ارکان'' عنوان کے تحت دوسری شق میں لکھا ہے: ''چار تکبیریں کہنا'' (محفوظاتِ حنفی ج:۲،ص:۱۱۳)

۱۱۔ امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''سلف وخلف کے جمہور علماء کہتے ہیں کہ جنازہ کی تکبیرات چار ہیں، نہ زیادہ ہیں اور نہ کم، جیسا کہ امام نوویؒ اور ابن عبدالبرؒ نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے لیکن علامہ شوکانی، مبارکپوری اور البانی وغیرہ علماء نے رَد کیا ہے'' (الحق الصریح ج:۶،ص:۴۹۶)

انّی رأیت احد عشر کوکبًا

قارئین کرام! آپ نے احادیث پاک کے حوالہ جات بلکہ غیر مقلدین کی عبارات بھی ملاحظہ فرمائیں کہ خود غیر مقلدین نے بھی اسلاف سے اس پر اجماع نقل کیا ہے تو پھر شوکانی صاحب (المتوفی:۱۲۵۰ھ) جو کہ تیرہویں صدی کے عالم ہیں، مبارکپوری صاحب (المتوفی:۱۳۵۳ھ) جو کہ چودھویں صدی کے عالم اور البانی صاحب (المتوفی:۱۴۲۰ھ) جو کہ پندرہویں صدی کے عالم ہیں، ان کے اختلاف سے اسلاف کے اجماع کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے؟ اور پھر خصوصاً زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''متقدمین کے مقابلہ میں متاخرین کی بات کب قابل مسموع ہوسکتی ہے؟'' (نور العینین ص:۱۳۷)

اب اس کے باوجود بھی کوئی مخالفت کرتا اور اختلاف بناتا ہے تو یہ اختلاف اس کے دل کے سکون کا باعث تو ہو سکتا ہے مگر ان شاءاللہ اس سے حقائق کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ تو امین اللہ پشاوری صاحب کا حوالہ درست ہے مگر اس پر تبصرہ صحیح نہیں کہ کوئی اپنے بزرگوں کا تابعدار نہ ہو تو وہ حلالی نہیں ہوتا (تحفۃ المناظر ص:۱۵۱) تو کیا ہوگا......؟؟؟

نمازِ جنازہ میں قرأت کا حکم

اہل السنۃ والجماعۃ احناف کا مذہب:

نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ کو بطورِ حمد وثناء اور دعا کے پڑھنا جائز ہے البتہ اگر کوئی بطورِ قرأت پڑھے تو دلائل کی روشنی میں احناف کے مفتیٰ بہ قول کی بنیاد پر یہ مکروہ ہے۔

تنبیہ: ''نہ پڑھنا ہی بہتر ہے......'' تفصیلاً دیکھئے (مجموعہ رسائل از حضرت اوکاڑوی ج:۱،ص:۲۴۳)

فقہ حنفی سے ثبوت کے لئے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ امام زیلعی الحنفیؒ (المتوفی:۷۴۳ھ) فرماتے ہیں:

''عن أبی حنیفة یقول؛ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ الی آخره، قالوا لایقرأ الفاتحة الّا أن یقرأها بنیّة الثّناء'' (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج:۱،ص:۲۴۰، کیفیة صلوة الجنازة)

۲۔ امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف با بن الھمامؒ (المتوفی:۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

''عن أبی حنیفة یقول؛ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ الی آخره، قالوا لایقرأ الفاتحة الّا أن یقرأها بنیّة الثّناء'' (شرح فتح القدیر ج:۲،ص:۱۲۱، فصل فی الصلوة علی المیت)

۳۔ علامہ علاء الدین الحصکفیؒ (المتوفی:۱۰۸۸ھ) فرماتے ہیں:

''وعندنا تجوز بنیّة الدعاء وتکره بنیّة القراء ة لعدم ثبوتها فیها عن علیه الصّلاة والسّلام'' (درّ مختار ج:۳،ص:۱۳۰)

۴۔ ابوالعباس شہاب الدین الحمویؒ (المتوفی:۱۰۹۸ھ) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''من قرأ فی صلاة الجنازة بفاتحة الکتاب، ان قرأها بنیّة الدّعاء لا بأس به وان قرأها بنیّة القراء ة لا یجوز، لأنّ صلاة الجنازة محلّ الدّعاء ولیس بمحلّ القراء ة''

(غمز عیون البصائر فی شرح الأشباه والنظائر ص:۴۶)

۵۔ ابن نجیم المصری الحنفیؒ (المتوفی:۹۷۰ھ) فرماتے ہیں:

''ولو قرأالفاتحة فیها بنیّة الدّعاء فلا بأس به وان قرأها بنیّة القراء ة لا یجوز، لأنّها محلّ الدّعاء دون القراء ة'' (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج:۲،ص:۱۹۷، باب دفن المیت بلا صلاة)

۶۔ علامہ علاء الدین الکاسانی الحنفیؒ (المتوفی:۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:

''وعندنا لو قرأ الفاتحة على سبيل الدّعاء والثّناء لم يكره''

(بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۱۲،فصل بيان كيفية الصلاة على الجنازة)

۷۔ ملاعلی القاری الحنفیؒ (المتوفی:۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

''أنّ الفاتحة لو قرأت مكان الثّناء لقامت مقام السّنّة، وفي شرح ابن الهمام قالوا؛ لا يقرأ الفاتحة الّا أن يقرأها بنيّة الثّناء ولم يثبت القراء ة عن رسول الله ﷺ''(مرقاۃ ج:۴،ص:۴۷)

یعنی اگر کسی نے ثناء کی جگہ سورۃ الفاتحہ پڑھی تو یہ سنت کے قائم مقام ہوگا اور ابن الھمامؒ کی شرح میں ہے کہ احناف حضرات (کثر اللہ سوادھم) کہتے ہیں کہ قرأت کی نیت سے نہیں پڑھی جائے گی البتہ ثناء کی جگہ پڑھی جائے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی قرأت ثابت نہیں ہے۔

۸۔ مشہور غیر مقلد رئیس ندوی صاحب بھی لکھتے ہیں:

''ان (احناف، ناقل عفی عنہ) میں سے بعض نے اتنی بات کہی کہ نماز کے جزء کی بناء پر نہیں بلکہ محض دعا کی نیت سے اگر کوئی آدمی سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہے تو اسے نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی اجازت مل سکتی ہے''

(نمازِ جنازہ اور اس کے مسائل ص:۱۴، جامعہ سلفیہ بنارس ہند)

فائدہ: سعودی عالم فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری صاحب کی کتاب ایک غیر مقلدین کے مشہور نامور محقق اور شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق الاثری صاحب نے ترجمہ کی ہے، اس کتاب میں یوں درج ہے:

''نمازِ جنازہ کے فرائض......سورۃ فاتحہ کی قرأت کرے یا اللہ کے لئے حمد وثناء کرے''

(منہاج المسلم ص:۴۰۴-۴۰۵، ناشر دار السلام لاہور)

اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ کی قرأت الگ چیز ہے اور ثناء پڑھنا الگ چیز ہے، ہاں! اس کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ الگ بحث ہے، یہاں پر فقط اس تحریر کے طرزِ استدلال کو دیکھیں۔

تنبیہ: جنازہ کو نماز کہا گیا ہے تو اس سے مراد حقیقی نماز نہیں بلکہ اس کو مجازاً کہا گیا ہے۔

بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ ہم بھی اس کے قائل ہیں البتہ ثناء کی نیت سے پڑھ سکتے ہیں، قرأت کی نیت سے نہیں پڑھ سکتے مگر ثناء کے مقام پر وہ لوگ پڑھ سکتے ہیں جو قرأت اور ثناء کے درمیان فرق کرنے کا علم اور سمجھ رکھتے ہوں۔

جنازہ درحقیقت دعا ہے:

☆......شمس الائمہ سرخسیؒ (المتوفی:۴۸۳ھ) فرماتے ہیں:

''ولأنّ هذه ليست بصلاةٍ على الحقيقة انّما هى دعاءٌ واستغفارٌ لميّت''

(المبسوط ص:۳۴۱،باب غسل الميت)

یعنی نمازِ جنازہ حقیقی نماز نہیں بلکہ دراصل میت کے لئے دعاء واستغفار ہے۔

☆......امام مالکؒ (المتوفی:۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

''انّما هو الدّعاء'' (المدونۃ ج:۱ص:۱۷۴)

یعنی جنازہ تو میت کے لئے ایک دعا ہے (حقیقی نماز تو نہیں جس میں قرأت کریں، ناقل)

☆......امام ترمذیؒ (المتوفی:۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

''والدّعاء للميّت، وهو قول الثّورىّ وغيره من اهل الكوفة'' (ترمذی ج:۱ص:۱۲۲)

یعنی جنازہ میت کے لئے دعا ہے اور یہ سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ (جیسے بحار العلوم) علماء کا قول ہے۔

☆......حافظ ابن تیمیہؒ (المتوفی:۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

''أنّ المقصود بالصّلاة على الميّت الدّعاء له'' (اقتضاء الصراط المستقيم الاستسقاء بأهل الخير ص:۲۹۱،الأحياء انما يكون بدعائهم)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''لأن المقصود بالصّلاة على القبور وزيارتها هو الدّعاء''

(الرد على الاخنائى قاضى المالكية ص:۲۴۱)

☆......حافظ ابن قیمؒ (المتوفی:۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

''اجماع الأمّة على الدّعاء له فى صلاة الجنازة...... وهذا كثير فى الأحاديث بل هو المقصود بالصّلاة على الميّت'' (کتاب الروح ص:۷۸،فصل والدّليل على انتفاعه بغير ما تسبب فيه القرآن والسنّة والاجماع وقواعد الشرع)

اور دوسری کتاب میں فرماتے ہیں: ''ومقصود الصّلاة على الجنازة؛ هو الدّعاء للميّت، لذلک حفظ عن النبى ﷺ ونقل عنه مالم ينقل من قراءة الفاتحة والصّلاة عليه ﷺ''

(زاد المعاد ج:۱ص:۳۱۴،فصلٌ فى الدّعاء للميّت فى الصّلاة عليه)

☆......ابن بازؒ (المتوفی: ۱۴۲۰ھ) بھی اقرار کرتے ہیں:

''**المقصود بالصّلاۃ علیھم الدّعاء لھم**'' (مجموع فتاویٰ العلامۃ عبدالعزیز بن باز ج:۱۳،ص:۵۱۴)

یعنی نمازِ جنازہ کا مقصد میت کے لئے دعائے مغفرت طلب کرنا ہے۔

☆......اسی طرح ایک اور سعودی عالم عبدالرحمٰن بن ناصر البراک بھی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''**لأن المقصود بالصّلاۃ ھو الشفاعۃ له والدّعاء له بالمغفرۃ والرّحمۃ والنّجاۃ من النّار**'' (فتاوی واستشارات موقع الاسلام الیوم ج:۱۵،ص:۹۴)

☆......ابن بازؒ کے شاگرد محمد صالح المنجد صاحب بھی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''**وقد دلّ علی انتفاع المیّت بالدّعاء؛ اجماع الأمۃ علی الدّعاء له فی صلاۃ الجنازۃ...... وھذا کثیر فی الأحادیث بل ھو المقصود بالصلاۃ علی المیت وکذلک الدّعاء له بعد الدفن**'' (القسم العربی من موقع الاسلام، سؤال وجواب:۵/۶۱۹۷)

☆......غیر مقلدین کے محقق اور شارح شمس الحق عظیم آبادی (المتوفی: ۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں:

''**والمقصود من صلاۃ الجنازۃ طلب المغفرۃ للمیت**'' (عون المعبود ج:۸،ص:۳۵۱)

☆......غیر مقلدین کے محقق ابوسعد احسان الحق شہباز صاحب لکھتے ہیں: ''جنازہ دعا کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے جسے نماز کا رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے جو شریعت نے ہمیں بتایا ہے، یہ کوئی باضابطہ نماز نہیں کیونکہ اس میں کوئی رکوع وسجود نہیں ہوتے'' (غائبانہ نمازِ جنازہ ص:۱۶، ناشر: دارالاندلس لاہور)

☆......درج ذیل کتب بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں جن میں اسی قسم کا مضمون وارد ہوا ہے کہ نمازِ جنازہ سے مراد اور مقصود دعا ہے:

(المحیط البرھانی ج:۲،ص:۳۴۳، مراقی الفلاح:۱/ ۳۲۵، التاج والاکلیل:۲/۲۱۳، فتح العزیز:۵/۱۵۹، المجموع شرح المھذب ج:۶،ص:۲۳۸، الانصاف ج:۲،ص:۳۳۵، المغنی ج:۳،ص:۲۴۵ وغیرہم)

خلاصۃ التحقیق: اسلاف محققین، محدثین اور فقہاء کرام رحمہم اللہ کی مذکورہ عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نمازِ جنازہ دراصل دعا ہے اور یہ جو اس کو نماز کہا گیا ہے تو یہ مجازاً اور صورۃً کہا گیا ہے ورنہ اگر حقیقی نماز مراد

ہے تو پھر غیر مقلدین نمازِ جنازہ کے لئے اذان کیوں نہیں دیتے ؟ نمازِ جنازہ کے لئے ہمیں صرف (اپنے دعویٰ کے مطابق) قرآن وحدیث سے وضو کرنا دکھا دیں ،نمازِ جنازہ میں رکوع ،سجود ورکعات وغیرہ کیوں نہیں؟ نمازِ جنازہ کے اوقات اور دن میں کتنی مرتبہ ہوگی ،اس کی تعیین ہمیں دکھا دیں وغیرہ وغیرہ ۔

جب معلوم ہوا کہ یہ حقیقی نماز نہیں بلکہ اس سے مقصود دعا ہے اور فقہاء کرامؒ کے پیش نظر بعض صحابہ کرامؓ کا نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی تھا اور ثناء پڑھنا بھی تو انہوں نے اپنی مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے تمام نظریات کے لئے قابل قبول حل نکالا اور فرمایا کہ نہ تو سورۃ فاتحہ سے انکار ہے اور نہ ہی ثناء سے لہٰذا جنازہ میں ثناء پڑھی جائے گی اور ثناء کے الفاظ متعین اور خاص نہیں ،اگر چاہے تو **سبحانک اللّٰھم...... الخ** پڑھے اور چاہے تو **اللّٰھم باعد بینی......الخ** پڑھے اور اگر کوئی سورۃ فاتحہ بطورِ ثناء پڑھنا چاہے تو بھی جائز ہے **واللہ اعلم بحقیقۃ الحال.**

غیر مقلدین کا مذہب:

غیر مقلدین کے نزدیک نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی ، چند تصریحی حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے :

☆......امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نمازِ جنازہ میں قرأت کرنے کے باب میں لکھتے ہیں :

’’سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری اور لازم ہے اور اس کے سوا نماز نہیں ہوتی ‘‘(الحق الصریح ج:۶ ص:۵۱۱)

اور دو صفحات کے بعد لکھتے ہیں :

’’اور فاتحہ جو کہ صحیح مرفوع احادیث سے ثابت ہے کا نہ پڑھنا اپنی نماز برباد کرنا ہے‘‘(ایضاً ج:۶ ص:۵۱۳)

☆......عبدالعزیز نورستانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں :’’اور جب اس (جنازہ میں سورۃ فاتحہ، ناقل) کا حکم ہے تو وہ فرضیت اور رکنیت ہے‘‘(پیغمبر کی نماز (پشتو) ص:۶۳۹)

☆......محمد خالد سیف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں :

’’سورۃ فاتحہ کا نمازِ جنازہ میں پڑھنا فرض ہے‘‘(نمازِ مصطفیٰ ﷺ ص:۱۸۷)

☆......غیر مقلدین کے محقق اور مناظر مفتی عبدالقادر حصاری صاحب لکھتے ہیں :

’’مذہب اہلحدیث میں سورۃ فاتحہ کے بغیر نمازِ جنازہ نہیں ہوتی ‘‘(فتاویٰ حصاریہ ج:۴ ص:۵۵۶)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ بطورِ قرأت قرآن پڑھنا حق اور مشروع ہے'' (ایضاً ص:۵۶۶)

مزید لکھتے ہیں:

''پس جس قدر حنفیہ نے بغیر سورہ فاتحہ کے جنازے پڑھے ہیں وہ سب باطل ہیں'' (ایضاً ص:۵۷۵)

☆......غیر مقلدین کے فتاویٰ میں یوں درج ہے: ''اگر امام یا مقتدی نے نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز باطل ہوگی'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۱۸۵)

پھر آگے لکھتے ہیں:

''جنازہ کی نماز میں بھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے جیسے اور نمازوں میں ہے'' (ایضاً ص:۲۰۹)

☆......غیر مقلدین کے محقق ابو یزید عبدالقاہر صاحب لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے'' پھر آگے لکھتے ہیں ''سورۃ فاتحہ کی فرضیت کے دلائل'' (التحقیقات ص:۵۹۹)

مزید دیکھئے ''مجموعہ فتاویٰ غازیپوری ص:۳۲۱''

سورۃ فاتحہ کے بعد مزید قرأت:

درج بالا بحث تو سورۃ فاتحہ کی تھی جو ہم نے خصوصی طور پر ذکر کر دی مگر یاد رکھیں کہ غیر مقلدین صرف سورۃ فاتحہ ہی نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت پڑھنے کے بھی قائل ہیں جس کے دلائل ذکر کرنے کی ضرورت تو نہیں مگر پھر بھی چند تصریحی حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

☆......غیر مقلدین کے محقق اور مناظر رئیس ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''نماز جنازہ میں عام نمازوں کی طرح سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری سورہ کا ملا کر پڑھنا متواتر المعنی حدیث سے ثابت ہے'' (نماز جنازہ اور اس کے مسائل ص:۱۳۳، ناشر جامعہ سلفیہ بنارس ہند)

☆......غیر مقلدین کے فتاویٰ میں بھی اسی طرح کی عبارات موجود ہیں: ''جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورۃ باآوازِ بلند پڑھنا جائز بلکہ سنت ہے'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۱۵۸، فتاویٰ ثنائیہ)

☆......مزید حوالہ جات کے لئے درج ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں:

(عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج:۳،ص:۱۹۱، زبیر علیزئی کا مضمون ماہنامہ الحدیث شمارہ:۱۷،ص:۳۵،

صحیح نمازِ نبوی ص:۳۰،فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۲،ص:۸۵۷ وج:۳،ص:۹۶،نمازِ نبوی از البانی مترجم ص:۱۴۵، محفوظاتِ حنفی ج:۲،ص:۱۱۴ حصہ فقہ،الحق الصریح ج:۶،ص:۵۱۳،مکمل نماز از عبدالوہاب دہلوی ص:۲۷۰، نمازِ نبوی از ڈاکٹر شفیق الرحمٰن ص:۳۶۴،سفر آخرت از مفتی عبید اللہ عفیف صاحب ص:۱۱۶،پیغمبر کی نماز از عبدالعزیز نورستانی (پشتو) ص:۶۴۴، غائبانہ نمازِ جنازہ از کرم الدین سلفی ص:۱۵،نمازِ مصطفیٰ ﷺ از محمد خالد سیف ص:۱۸۷،صراطِ مستقیم اور اختلافِ امت از مولانا صغیر احمد ص:۲۸۳، فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵، ص:۱۵۱،۱۸۵،تیسیر الباری ج:۱،ص:۶۷۷،صلوۃ الرسول از صادق اللہ صافی ص:۱۳۰،صلوۃ النبی ﷺ از عبدالرحمٰن ص:۶۸،مسائل جنازہ پر ایک تحقیقی نظر از عبدالولی عبدالقوی ص:۱۲۵،نمازِ جنازہ از صادق سیالکوٹی ص:۳۰،صلوٰۃ الجنازہ کا مسنون طریقہ از ابو جابر عبداللہ دامانوی ص:۵، جنازہ کے احکام ومسائل از مولانا ابو صہیب محمد بن عبدالرحمٰن (پشتو) ص:۲۸۸،فقہ الصلاۃ ج:۳،ص:۳۶۶،مجموعہ فتاویٰ غازیپوری ص:۳۲۱)

معلوم ہوا کہ غیر مقلدین صرف سورۃ فاتحہ ہی کے نہیں بلکہ اس کے ساتھ دوسری سورہ پڑھنے کے بھی قائل ہیں لہٰذا غیر مقلدین سے ایسی دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا جس میں صرف سورۃ فاتحہ ہی نہیں بلکہ دوسری سورہ پڑھنے کا بھی تذکرہ ہو، ورنہ وہ دلیل غیر مقلدین کے دعویٰ کے مطابق دلیل تام نہیں ہوگی۔

اور یاد رہے کہ غیر مقلدین نمازِ جنازہ میں امام اور مقتدی دونوں کے لئے سورۃ فاتحہ کی قرأت کے قائل ہیں اور سورۃ الفاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کی قرأت صرف امام کے لئے ضروری سمجھتے ہیں جیسا کہ غیر مقلدین کے محقق اور مناظر شیخ الحدیث کرم الدین سلفی صاحب مرحوم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ’’اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور پھر ثناء، سورۃ الفاتحہ (امام فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت) پڑھیں......الخ‘‘ (غائبانہ نمازِ جنازہ ص:۱۵)

اور اسی طرح کی تقسیم زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد بھی کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: ’’اہل حدیث امام سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ مثلاً سورۃ اخلاص وغیرہ جہراً پڑھتا ہے......اور اس پر عمل کرتے ہوئے اہل حدیث مقتدی تکبیر اولیٰ کے بعد سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھتے ہیں‘‘ (دین میں تقلید کا مسئلہ ص:۱۸۰،اشاعت:۲۰۱۳ء)

غیر مقلدین کا اصل دعویٰ اور عمل:

ہم نے غیر مقلدین کی متعدد کتب کھنگال ڈالیں بحمدہٖ تعالیٰ اور انہی کی کتب کے حوالے سے ان کا جو مؤقف سامنے آیا ہے اس کی روشنی میں ان سے یوں مطالبہ کیا جائے گا کہ:

ایک ایسی دلیل پیش کریں جس میں نبی اکرم ﷺ کا یہ حکم ہو کہ سورۃ فاتحہ امام اور مقتدی کے لئے بطورِ قرأت فرض ہے اور اس (سورۃ فاتحہ) کے بعد دوسری سورت صرف اور صرف امام پڑھے گا مقتدی نہیں پڑھے گا اور اس کے بغیر نماز باطل اور فاسد ہے......!

خلاصہ: غیر مقلدین کو ایسی کوئی مضبوط دلیل پیش کرنا ہوگی جس میں درج ذیل پانچ باتیں موجود ہوں:

(۱) جنازہ (۲) سورۃ الفاتحہ بطورِ قرأۃ (۳) امام اور مقتدی سب کے لئے (۴) سورۃ الفاتحہ کے علاوہ دوسری سورت صرف امام کے لئے (۵) اس کے بغیر نماز باطل وکالعدم

ضروری وضاحت: چونکہ سورۃ الفاتحہ پڑھنے نہ پڑھنے کا مسئلہ صحابہ کرامؓ کے دور سے اختلافی چلا آ رہا ہے اس لئے ایک دوسرے پر کوئی فتویٰ نہیں لگے گا، ہاں! غیر مقلدین کا مسلک بالکل جدا ہے اور مستقل تیسرا مسلک بلکہ فرقہ ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) غیر مقلدین صرف سورۃ الفاتحہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ مزید دوسری سورت پڑھنے کے بھی قائل ہیں (جس کے حوالہ جات گزر چکے) مگر شوافع اور حنابلہ کا مسلک یہ نہیں ہے، ان کا مسلک یہ ہے:

شوافع کا مسلک: علامہ عینیؒ (المتوفی: ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ شوافع سے پوچھا گیا کہ آپ حضرات تو سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں مگر اس کے بعد دوسری سورت نہیں پڑھتے حالانکہ روایت میں تو دوسری سورت ملانے کا تذکرہ بھی ہے؟ تو جواب دیا گیا:

’’**بأنّ البیھقیّ قال فی (سننہ) ان ذکر السّورۃ فیہ غیر محفوظ**‘‘ (عمدۃ القاری ج:۸، ص:۱۴۰)

یعنی امام بیہقیؒ نے اپنی سنن میں فرمایا ہے کہ اس روایت میں سورت کا ذکر غیر محفوظ ہے۔

حنابلہ کا مسلک: حنابلہ کے مسلک کے بارے میں علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (المتوفی: ۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

’’**ولا یقرأ بعد الفاتحۃ شیئًا** ‘‘ اور پھر فرماتے ہیں: ’’**أنّ صلاۃ الجنازۃ شرع فیھا التّخفیف، ولھذا لا یقرأ فیھا بعد الفاتحۃ بشیءٍ**‘‘ (الشرح الکبیر مع الغنی ج:۲، ص:۳۴۶)

(۲) غیر مقلدین سرے سے ایک مدوّن ومتواتر مذہب پر نہیں بلکہ ہر کسی کا اپنا اجتہاد اور مذہب ہے اسی لئے ان کا کوئی اصل مذہب معلوم نہیں۔

(۳) غیر مقلدین قرأت کو فرض کہتے ہیں جبکہ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کو سنت سمجھتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: ’’**ومنھم من یری القراءۃ فیھا سنّۃٌ کقول الشّافعیّ وأحمد**‘‘

(مجموع الفتاویٰ ج:۱۳،ص:۲۴،باب صلوۃ الجمعۃ)

(۴) غیر مقلدین تارکینِ قرأت کی نماز کو فرض چھوڑنے کی وجہ سے باطل اور عدم سمجھتے ہیں۔(فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۱۸۵،الحق الصریح ج:۶،ص:۵۱۱)

جبکہ اسلاف اس کے بغیر نماز باطل نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ امام مغنی حنبلیؒ (المتوفی:۶۲۰ھ) نے اپنی کتاب میں اس پر کثیر محدثین سے یہ شہادت ذکر کی ہے کہ تارکین قرأت کی نماز کو کسی نے باطل نہیں کہا، چنانچہ لکھتے ہیں:''قال (أحمد، الناقل) هذا النبیّ ﷺ وأصحابه والتّابعون، وهذا مالكٌ في اهل الحجاز وهذا الثوریّ فی اهل العراق، وهذا الأوزاعیّ فی اهل الشام، وهذا اللّیث فی اهل مصر، ما قالوا لرجلٍ صلّی خلف الامام، وقرأ امامه ولم یقرأ هو، صلاته باطلة ''(المغنی لابن قدامہ ج:۲،ص:۲۲۶،تحت: مسألة الاستحباب أن یقرأ فی سکتات الامام وایضًا کتاب القرأة ج:۲،ص:۱۱۸)

(۵) مذاہب اربعہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز جائز سمجھتے ہیں مگر اس کے برعکس غیر مقلدین نے اس مسئلہ پر اتنا زور دیا ہے کہ مخالف مسلک (احناف وغیرہ) پر فتوے لگاتے ہیں کہ ان کی پیچھے نماز نہیں پڑھی جائے گی، دیکھئے (امام صحیح العقیدہ ہونا چاہئے از پیر بدیع الدین راشدی ص:۳۸، بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم از زبیر علیزئی ص:۲۹)

(۶) غیر مقلدین کے نمازِ جنازہ کا طریقہ اول تا آخر کسی امام متبوع بلکہ مذاہب اربعہ میں بھی یہ مخصوص طریقہ نہیں تجرّب۔

خلاصہ: ہم نے جتنی کتب احادیث دیکھیں، اسلاف کی کتب کھنگالیں اور غیر مقلدین کی درجنوں کتب کا مطالعہ کیا تو اللہ کے فضل وکرم سے ان کتابوں کے مطالعہ کی روشنی میں یہ بات علی وجہ البصیرۃ کرتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ بطورِ قرأۃ نبی کریم ﷺ نے نہیں کی، نہ ہی اس کا حکم دیا! اس پر غیر مقلدین کے پاس کوئی ٹھوس اور مضبوط دلیل نہیں ہے! آئندہ صفحات میں قارئین کرام خود انصاف سے کام لیتے ہوئے اس بحث سے نتیجہ اخذ کریں۔

الحمدللہ احناف کا مسلک اتنا مضبوط ہے جس کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں وہ خود ملاحظہ کرلیں گے، اسی لئے تو مولانا حکیم محمود سلفی صاحب (ابن مولانا اسماعیل سلفی) علماء دیوبند کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ بھی وہی مسائل مانتے ہیں جو کتاب وسنت کے مطابق ہیں'' (مجموعہ رسائل ص:۲۵۸)

چونکہ غیر مقلدین نمازِ جنازہ کو حقیقی نماز کہتے ہیں اس لئے موقع کی مناسبت سے وہ اپنی اصل کو نہ بھولیں جو انہوں نے لکھی ہے مثلاً غیر مقلدین کے محقق رئیس ندوی صاحب لکھتے ہیں:''نماز کی صحت کے لئے ضروری

ہے کہ اس کی ادائیگی سنت نبوی کے مطابق ہو اور اس مطابقت کے لئے قرآن کریم اور حدیث صحیح کے علاوہ کسی اور چیز سے استدلال نہ کیا جائے'' (رسول اکرم ﷺ کا صحیح طریقہ نماز ص:۱۵)

اور دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

''ثبوت کے بغیر کسی قسم کی عبادت درست نہیں'' (نماز جنازہ اور اس کے مسائل ص:۱۲۰)

دلائل احناف: ہمارے اپنے مدّعا پر چند تحقیقی والزامی دلائل درج ذیل ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہی اس پر موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے جنازہ میں قرأت وغیرہ مقرر نہیں فرمائی، چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ''وعن عبد اللّٰہ بن مسعودٍ قال؛ لم یوقّت لنا فی الصّلاۃ علی المیّت قراءۃٌ ولا قولٌ، کبّر ما کبّر الامام، وأکثر من طیب الکلام. رواہ احمد ورجالہ رجال الصّحیح''

(مجمع الزوائد ج:۲،ص:۱۳۲،باب الصّلوۃ علی الجنازۃ)

ترجمہ ومفہوم: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں مقرر کی گئی اور نہ کوئی خاص قول، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور زیادہ سے زیادہ اچھے کلمات کو ترجیح دو۔

تو دیکھئے یہاں پر ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور نبی کریم ﷺ کے خادم خاص یہ تصریح فرما رہے ہیں کہ ہمارے لئے نمازِ جنازہ میں قرأت مقرر نہیں ہوئی اور ظاہر ہے کہ مقرر کرنے والے اس وقت نبی کریم ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتے بلکہ اس سے پیغمبر ﷺ ہی مراد ہیں تو گویا پیغمبر ﷺ نے نمازِ جنازہ کے لئے قرأت نہیں مقرر کی کہ یہ قرأت کرنا ورنہ پھر نماز نہیں ہوگی حاشا وکلا۔

اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے فللّٰہ الحمد۔

۲۔ ''حدّثنا عبد اللّٰہ بن أحمد بن حنبلٍ، ثنا علیّ بن حکیمٍ الاودیّ، ثنا شریکٌ، عن الشّیبانیّ، عن الشّعبیّ، عن علقمۃ، أو مسروقٍ، قال؛ قال عبد اللّٰہ لم یوقّت لنا علی الجنازۃ قولٌ ولا قراءۃٌ، کبّر ما کبّر الامام، أکثر من أطیب الکلام''

(المعجم الکبیر ج:۵،ص:۱۴۵،تحت خطبۃ ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

۳۔ اس کے بعد دوسری حدیث اس سند سے ذکر کرتے ہیں:

''حدّثنا أحمد بن عمرو القطرانی، ثنا محمّد بن الطّفیل النّخعیّ، ثنا شریکٌ، عن

جابر، عن الشّعبیّ، عن مسروقٍ، عن عبد اللّٰہ، قال؛ لم یوقّت لنا فی الصّلاۃ علی المیّت قراءۃٌ ولا قولٌ، کبّر ما کبّر الامام، وأکثر من طیّب القول"(ایضاً)

حدیث کا ترجمہ ایک مرتبہ گزر چکا ہے، دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں، آگے بھی صرف احادیث کے الفاظ پر اکتفاء کریں گے۔

۴۔ "حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ؛ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِیَاثٍ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ أَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابرٍ قَالَ؛ مَا أَبَاحَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَلَا أَبُوْبَکْرٍ وَلَا عُمَرُ فِیْ شَیْءٍ مَا أَبَاحُوْا فِی الصَّلَاۃِ عَلَی الْمَیِّتِ"(سنن ابن ماجہ ص:۴۸۱،باب ما جاء فی الدّعاء فی الصّلاۃ علی الجنازۃ)

ترجمہ:"جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ہمارے لئے نماز جنازہ میں کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔"

۵۔ "حدّثنا عبدالقدوس بن بکر بن خنیسٍ، أخبرنا حجّاجٌ، عن أبی الزّبیر، قال؛ سئل جابرٌ عمّا یدعی للمیّت؟ فقال ما أباح لنا فیہ رسول اللّٰہ ﷺ ولا أبوبکرٍ ولا عمر"(مسند احمد ج:۷،ص:۱۲۸،مسند جابر بن عبداللّٰہ رضی اللہ عنہ)

۶۔ "حدّثنا أبوبکرٍ قال؛ ثنا حفص بن غیاثٍ عن حجّاجٍ عن أبی الزّبیرِ عن جابرٍ قال؛ ما أباح لنا رسول اللّٰہ ﷺ ولا أبوبکرٍ ولا عمر فی الصّلاۃ علی المیّت بشیءٍ"(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۷۸،قال لیس علی المیت دعاء موقّت فی الصّلاۃ علیہ)

۷۔ ابویعلی الموصلیؒ(المتوفی:۳۰۷ھ) سنداً یہ روایت لائے ہیں:

"حدّثنا عقبۃ بن مکرمٍ الھلالیّ، حدّثنا یونس بن بکیرٍ، حدّثنا ابراھیم بن اسماعیل، عن أبی الزّبیر، عن جابرٍ، قال؛ ما سمعنا رسول اللّٰہ ﷺ، باح لنا بشیءٍ من الدّعاء علی الجنائز، ولا أبوبکرٍ ولا عمر."(مسند ابویعلی ج:۲،ص:۲۴۵)

۸۔ امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ(المتوفی:۲۳۵ھ) دوسری حدیث بھی سنداً نقل کرتے ہیں:

"حدّثنا حفص بن غیاثٍ عن حجّاجٍ عن عمرو بن شعیبٍ، عن أبیہ، عن جدّہ، عن ثلاثین من اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ أنّھم لم یقوموا علی شیءٍ فی أمر الصّلاۃ علی الجنازۃ"

(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۷۸)

یعنی عمرو کے دادا تمیں صحابہ کرامؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ (صحابہ کرامؓ) نمازِ جنازہ میں کسی مقرر چیز پر ہمیشگی نہیں کرتے تھے۔

۹۔ ''حدّثنا حفص بن غياثٍ عن الأعمش، عن ابراهيم، قال؛ ليس في الصّلاة على الميّت دعاءٌ موقّتٌ في الصّلاة، فادع بما شئت'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۷۹)

یعنی ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ میت پر نمازِ جنازہ میں مخصوص دعا مقرر نہیں، جو چاہے مانگے۔

اگر سورۃ فاتحہ بطورِ دعا بھی پڑھی جائے تو شرعاً یہ کوئی مخصوص اور مقرر نہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے بعد تابعینؒ بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ دعا کے لئے کوئی خاص چیز مقرر نہیں بلکہ جو جی چاہے مانگ سکتا ہے۔

۱۰۔ ''حدّثنا محمّد بن أبي عديٍّ، عن سعيد بن المسيّب والشّعبيّ، قالا؛ ليس على الميّت دعاءٌ موقّتٌ'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۷۹)

۱۱۔ ''حدّثنا غندرٌ عن عمران بن حديرٍ، سألت محمّدًا عن الصّلاة على الميّت فقال ما نعلم له شيئًا موقّتًا، فادع بأحسن ما تعلم'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۷۹)

عمران بن جدیر فرماتے ہیں کہ میں نے محمد (بن سیرینؒ) سے جنازہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں اس کی کوئی خاص اور مقرر دعا کا علم نہیں۔

اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے فللّٰه الحمد۔

انّي رأيت أحد عشر كوكبًا

الغرض ان احادیث مبارکہ سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ میں کوئی خاص دعا مقرر نہیں، پھر بھی اگر کوئی کہتا ہے کہ نہیں! دعا صرف فاتحہ ہے اور فاتحہ اگر جنازہ میں نہ پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوتی اور نمازِ جنازہ ادا نہ ہوا......تو یہ غلو ہے، ان کے پاس اپنے دعویٰ اور مؤقف پر کوئی دلیل نہیں ہے اور حدیث میں اس طرح کے غلو کی مذمت آئی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس نے کسی غیر ضروری عمل کو ضروری سمجھا تو اس نے اس عمل میں شیطان کے لئے بھی حصہ مقرر کر دیا جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قال عبداللّٰه؛ لا يجعل أحدكم للشّيطان شيئًا مّن صلاته يرى أنّ حقًّا عليه أن لا ينصرف الّا عن يمينه'' (صحیح بخاری ج:۱،ص:۱۷۰)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی نماز میں شیطان کا حصہ نہ مقرر کرے وہ یوں کہ صرف داہنی طرف منہ کرنا ضروری سمجھے۔

مشہور غیر مقلد وحید الزمان صاحب اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ کسی مباح یا مستحب کام کو لازم یا واجب کر لینا شیطان کا اغوا ہے، ابن منیر نے کہا مستحب کام کو اگر کوئی لازم قرار دے تو مکروہ ہو جاتا ہے'' (تیسیر الباری ج:۱،ص:۸۵۲)

تو یہ ایک طرح سے اس بات کا اثبات ہوا کہ نمازِ جنازہ میں قرأت (سورۃ فاتحہ اور اس کے علاوہ کوئی اور اضافی سورت) نہیں ہے۔

اب دوسری طرح سے جواب ملاحظہ فرمائیں بعونہ تعالیٰ:

شریعت پر ہم سے زیادہ صحابہ کرامؓ عالم تھے اور صحابہ کرامؓ کی تشریح قابل قبول ہے کیونکہ انہوں نے براہِ راست نبی کریم ﷺ کو دیکھا تھا، آپ ﷺ کے شاگرد تھے، تو صحابہ کرامؓ کا اس مسئلہ پر کیا مؤقف تھا؟ اس کا اعلان واقرار خود محدثین سے ملاحظہ فرمایئے تا کہ عوام کو پتہ چلے کہ کون محدثین کی مانتا ہے۔

کون کون سے حضرات ترک القرأت کے قائل تھے؟:

☆ ......مشہور امام المحدثین محدث عبداللہ ابن وھبؒ (المتوفی:۱۹۷ھ) صحابہ کرامؓ اور اسلافؒ کا عمل یوں نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قال ابن وهبٍ عن رجالٍ من أهل العلم عن عمر بن الخطّاب وعليّ بن أبي طالبٍ وعبد اللّٰه بن عمرو فضالة بن عبيدٍ وأبي هريرة وجابر بن عبد اللّٰه وواثلة بن الأسقع والقاسم بن محمّدٍ وسالم بن عبد اللّٰه وابن المسيّب وربيعة وعطاء بن أبي رباحٍ ويحي بن سعيدٍ؛ أنّهم لم يكونوا يقرء ون في الصّلاة على الميّت'' (المدونۃ الکبریٰ ج:۱،ص:۲۵۱،القرأة على الجنائز)

ترجمہ ومفہوم: ابن وہبؒ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمر، فضالۃ بن عبید، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہم) اور واثلہ بن الاسقع، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، سعید بن المسیب، ربیعۃ، عطاء بن ابی رباح اور یحی بن سعید (رحمہم اللہ) نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

☆ ......مشہور شارح صحیح البخاری ابن بطالؒ (ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک المتوفی:۴۴۹ھ) بخاری

شریف کی شرح میں صحابہ کرامؓ اور اسلاف کا عمل یوں نقل کرتے ہیں:

''**وممّن كان لا يقرأ على الجنازة وينكر ذلك؛ عمر بن الخطّاب وعليّ بن أبي طالب وابن عمر وأبي هريرة، ومن التّابعين عطاء وطاؤس وسعيد بن المسيّب وابن سيرين وسعيد ابن جبير والشّعبي والحكم وبه قال مالك والثّوري وأبوحنيفة وأصحابه**''(شرح صحیح البخاری ج:۳،ص:۳۱۶،مکتبة الرشد السعودية، الرياض)

☆......علامہ ابن ترکمانیؒ (المتوفی:۷۵۰ھ) فرماتے ہیں:''**وكان عمر وابنه وعلي وأبوهريرة ينكرونه وبه قال أبوحنيفة ومالك**''(الجوہر النقی ج:۴،ص:۳۹)

ترجمہ ومفہوم: حضرت عمر، ان کا بیٹا یعنی عبداللہ بن عمر، حضرت علی اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہم) نمازِ جنازہ میں قرأت کے منکر تھے اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔

☆......حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ (المتوفی:۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

''**(قوله باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة) أي مشروعيّتها وهي من المسائل المختلف فيها ونقل ابن المنذر عن ابن مسعود والحسن بن عليّ وبن الزّبير والمسور بن مخرمة مشروعيّتها وبه قال الشّافعي وأحمد واسحاق ونقل عن أبي هريرة وابن عمر ليس فيها قراءةٌ وهو قول مالكٍ والكوفيّين**''(فتح الباری ج:۳،ص:۱۴۵)

☆......حافظ عینیؒ (المتوفی:۸۵۵ھ) یوں تحقیق پیش کرتے ہیں:

''**ونقل عن أبي هريرة وابن عمر ليس فيها قراءةٌ وهو قول مالكٍ والكوفيّين، قلت؛ وليس في الصّلاة الجنازة قراءة القرآن عندنا، وقال ابن بطال؛ وممّن كان لا يقرأ على الجنازة وينكر؛ عمر بن الخطّاب وعليّ بن أبي طالب وابن عمر وأبي هريرة، ومن التّابعين عطاء وطاؤس وسعيد بن المسيّب وابن سيرين وسعيد ابن جبير والشّعبي والحكم، وقال ابن المنذر؛ وبه قال مجاهد وحمّاد والثّوري، وقال مالك؛ قراءة الفاتحة ليست معمولا بها في بلدنا في صلاة الجنازة**''(عمدۃ القاری ج:۸،ص:۲۰۱)

ترجمہ ومفہوم: ابو ہریرہ وابن عمر رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں ہے اور یہی قول امام مالک اور اہل کوفہ کا بھی ہے، میں کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک نمازِ جنازہ میں قرأتِ قرآن نہیں ہے۔ اور ابن

بطالؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو نمازِ جنازہ میں قرأت کے قائل نہیں اور منکر تھے (وہ یہ ہیں) عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، ابن عمر، ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہم) اور تابعین میں عطاء، طاؤس، سعید بن المسیب، ابن سیرین، سعید بن جبیر، شعبی اور حکم (رحمہم اللہ) ہیں اور ابن المنذر رؒ فرماتے ہیں کہ یہ امام مجاہدؒ، امام حمادؒ اور امام ثوریؒ کا قول بھی ہے۔

☆......مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب غیر مقلد (التوفی:۱۳۲۹ھ) بھی شارحین سے نقل کرتے ہیں کہ واقعی بعض صحابہ کرامؓ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''**ونقل ابن المنذر عن أبی هريرة وابن عمر ليس فی الجنازة قراء ة الفاتحة، قال ابن بطالٍ وبه قال عمر وعلیّ ومن التّابعين عطاء وطاؤس وسعيد بن المسيّب وغيرهم**'' (عون المعبود ج:۸،ص:۳۵۱)

☆......امین اللہ پشاوری غیر مقلد بھی ابن المنذر رؒ کے حوالہ سے بغیر کسی تنقید کے لکھتے ہیں:

''ابو ہریرہؓ وابن عمرؓ نقل کرتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں ہے اور یہی قول امام مالک، امام ابوحنیفہ، ان کے ساتھیوں اور تمام اہل کوفہ کا ہے'' (الحق الصریح ج:۶،ص:۵۰۶)

☆......غیر مقلدین کے فضیلۃ الشیخ مولانا ابوصہیب محمد بن عبدالرحمٰن صاحب اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۲۔نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی اور نہ قرآن کریم پڑھا جائے گا بلکہ نمازِ جنازہ ثناء اور دعا ہے، یہ قول امام سفیان ثوری، اوزاعی، ابوحنیفہ، مالک رحمہم اللہ کا ہے اور عبداللہ بن عمر، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم نے اسی پر قول کیا ہے'' (نمازِ جنازہ کے احکام ومسائل (پشتو) ص:۲۸۲)

☆......غیر مقلدین کے ایک اور فتاویٰ میں عمدۃ القاری کے حوالہ سے بغیر کسی تنقید کے یوں لکھا ہے:

''ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں، امام مالک اور کوفیوں کا بھی یہی قول ہے اور ابن بطال نے کہا کہ عمر بن خطابؓ اور علی بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابو ہریرہ اور تابعین میں سے عطاء اور طاؤس اور سعید بن مسیّب اور محمد بن سیرین اور سعید بن جبیر اور شعبی اور حکم یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں جو نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں پڑھتے اور انکار کرتے ہیں اور امام مالکؒ نے کہا کہ سورۃ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنے کا ہمارے شہر (یعنی مدینہ منورہ) میں معمول نہیں'' (فتاویٰ علمائے حدیث:۱۸۴/۵)

تو جب اتنے سارے حضرات نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے تو ہم کیوں کریں......؟ اور جو حضرات فاتحہ نہ پڑھنے والے لوگوں پر نماز نہ ہونے کا بے جا فتویٰ لگاتے ہیں تو ان کا یہ فتویٰ آخر کن کن ہستیوں پر لگ رہا

ہے......؟ ذرا سوچنا چاہئے کہ یہ جنونیتِ مسلک آخر کب تک ہوگی......؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل:

قارئین کرام......! جیسے معلوم ہوا کہ کثیر صحابہ کرامؓ اور تابعین نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے، اُن میں سے ایک حضرت علیؓ بھی ہیں، حضرت علیؓ کا موقف ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ ''حدّثنا محمد بن فضيل عن العلاء بن المسيّب عن أبيه عن عليٍ أنّه كان اذا صلّى على ميّتٍ يبدأ بحمد اللّٰه ويصلّى على النّبىّ ﷺ ثمّ يقول؛ اللّٰهمّ اغفر لأحيائنا وأمواتنا'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۷۹)

حضرت علیؓ جب میت پر نماز پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے ابتداء فرماتے اور پھر (دوسری تکبیر میں) نبی پاک ﷺ پر درود شریف پڑھتے اور پھر (تیسری تکبیر میں) دعا مانگتے۔

معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ حمد و ثناء پڑھتے مگر قرأت نہیں کرتے تھے جیسا کہ محدثین کی گواہی گزری۔

اسی طرح منکرین میں ابو ہریرہؓ کا نام بھی ہے کہ وہ نمازِ جنازہ میں قرأت کے قائل نہیں تھے جیسا کہ ابن بطالؒ کے حوالے سے گزر چکا، اور ابو یزید غیر مقلد نے بھی اس کا اقرار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''جب ابو ہریرہؓ سے قرأۃ الفاتحہ اور عدم قرأت دونوں ثابت ہوگئے......'' (التحقیقات ص:۲۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل:

۲۔ ''حدّثني يحى عن مالكٍ عن سعيد بن أبى سعيدٍ المقبرىّ عن أبيه أنّه سأل أبا هريرة كيف تصلّى على الجنازة؟ فقال أبو هريرة أنا، لعمر اللّٰه أخبرك، أتّبعها من أهلها، فاذا وضعت كبّرت وحمدت اللّٰه وصلّيت على نبيّه، ثمّ أقول؛ اللّٰهم انّه عبدك وابن عبدك وابن أمتك كان يشهد أن لا اله الّا أنت وأنّ محمّدًا عبدك ورسولك وأنت أعلم به، اللّٰهم ان كان محسنًا فزد فى احسانه، وان كان مسيئًا فتجاوز عن سيّاته، اللّٰهم لا تحرمنا أجره، ولا تفتنا بعده'' (موطا مالک ص:۲۰۹، مکتبۃ الحسن لاہور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل ملاحظہ فرمائیے! وہ فرماتے ہیں کہ میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کہتا ہوں، پھر نبی پاک ﷺ پر درود پڑھتا ہوں اور پھر (میت کے لئے یوں) دعا مانگتا ہوں......الخ

تو یہاں پر سورۃ فاتحہ کا نہیں البتہ حمد وثناء کا تذکرہ ضرور موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل:

۳۔ **''وحدّثنی عن مالکٍ عن نافعٍ أنّ عبداللّٰہ بن عمر کان لا یقرأ فی الصّلاۃ علی الجنازۃ''** (موطا مالک ص:۲۱)

۴۔ دوسرے مقام پر بھی اسی طرح کی تصریح موجود ہے:

''حدّثنا أبوبکرٍ قال ثنا اسماعیل بن علیّۃ عن أیّوب عن نافعٍ أنّ ابن عمر کان لا یقرأ فی الصّلاۃ علی المیّت'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۲)

حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ کا عمل:

غزوہ احد میں شامل ہونے والے جلیل القدر صحابی حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ (المتوفی:۵۸ھ) بھی یہی فتویٰ دیتے کہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں ہے:

۵۔ **''حدّثنا وکیعٌ عن موسی بن علیٍّ عن أبیہ قال؛ قلت لفضالہ بن عبیدٍ؛ ھل یقرأ علی المیّت شیءٌ؟ قال لا''** (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۲)

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نمازِ جنازہ میں قرأت (سورۃ الفاتحہ وما زاد علی الفاتحہ) نہیں ہے! اب اسلاف کے حوالہ جات بھی ملاحظہ فرمایئے اور خود کو سلفی کہنے والے خاص طور پر غور فرمائیں کہ کہیں وہ خود کو سلفی کہنے میں جھوٹے تو نہیں......؟؟؟

۶۔ فن تعبیر کے مشہور امام ومحدث اور حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد حضرت امام محمد بن سیرینؒ (المتوفی:۱۱۰ھ) کا بھی نمازِ جنازہ میں قرأت نہ کرنے کا معمول تھا:

''حدّثنا اسماعیل بن علیّۃ عن أیّوب عن محمّدٍ أنّہ کان لا یقرأ علی المیّت''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۲)

۷۔ حضرت رفیع بن مھران ابوالعالیہ الریاحی البصریؒ (المتوفی:۹۰یا۹۳ھ) رکوع وسجود والی نماز میں قرأت کے قائل تھے مگر نمازِ جنازہ میں قرأت کے قائل نہیں تھے:

''حدّثنا عبدالأعلی وغندرٌ عن عوفٍ عن أبی المنھال قال؛ سألت أبا العالیۃ عن القراء

ۃ فی الصّلاۃ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب فقال؛ ما کنت أحسب أنّ فاتحۃ الکتاب تقرأ الّا فی صلاۃٍ فیھا رکوعٌ وسجودٌ'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۲)

۸۔ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کے شاگرد مشہور تابعی اور فقیہ سعید بن جبیرؒ (المتوفی:۹۵ھ) کا بھی نمازِ جنازہ میں قرأت نہ کرنے کا معمول تھا:

''وعن سعید بن جبیرٍ أنّہ کان لا یقرأ فی الصّلاۃ علی الجنازۃ'' (مسند الشامین:۳/۲۸۴)

۹۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے بیٹے مشہور تابعی اور فقیہ ابو بردہؒ (المتوفی:۱۰۴ھ) بھی نمازِ جنازہ میں قرأت کے قائل نہیں تھے:

''حدّثنا أبو معاویۃ عن الشّیبانیّ عن سعید بن أبی بردۃ عن أبیہ قال؛ قال لہ رجلٌ؛ أقرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب؟ قال لا تقرأ'' (مسند الشامین ج:۳،ص:۲۸۴)

۱۰۔ صحاحِ ستہ کے مرکزی راوی امام شعبیؒ (عامر بن شراحیل الشعبیؒ ......المتوفی:۱۰۳ یا ۱۰۴ یا ۱۰۵ یا ۱۱۰ھ......جنہوں نے پانچ سو (۵۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے) کا بھی نمازِ جنازہ میں قرأت نہ کرنے کا معمول تھا:

''حدّثنا وکیعٌ عن سعیدٍ عن عبداللّٰہ بن ایاسٍ عن ابراھیم وعن أبی الحصین عن الشّعبیّ، قالا لیس فی الجنازۃ قراءۃٌ'' (مسند الشامین ج:۳،ص:۲۸۴)

یعنی ابوالحصینؒ اور امام شعبیؒ دونوں نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

☆......امام شعبیؒ قرأت نہیں کرتے تھے تو کیا کرتے تھے؟ ملاحظہ فرمایئے:

''حدّثنا حفص بن غیاثٍ عن أشعث عن الشّعبیّ قال فی التکبیرۃ الأولی یبدأ بحمد اللّٰہ والثّناء علیہ، والثّانیۃ صلاۃٌ علی النّبیّ ﷺ والثّالثۃ دعاءٌ للمیّت والرّابعۃ للتّسلیم'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۳)

امام شعبیؒ پہلی تکبیر میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کہتے، دوسری تکبیر میں درود شریف پڑھتے، تیسری تکبیر میں میت کے لئے دعا مانگتے اور چوتھی تکبیر میں سلام پھیرتے تھے۔

☆......حضرت عطاء بن ابی رباحؒ (المتوفی:۱۱۴ھ) مشہور محدث وفقیہ اور اپنے زمانہ میں مکہ میں مفتی اعظم تھے اور دوسو (۲۰۰) صحابہ کرامؓ کی زیارت سے مشرف ہیں، وہ بھی نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے

بلکہ فرماتے تھے کہ ہم نے قرأت کے متعلق کسی سے کچھ نہیں سنا، اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

’’حدّثنا حفص بن غیاثٍ عن حجّاج قال؛ سألت عطاءً عن القراء ة علی الجنازة فقال ما سمعنا بهذا‘‘ (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۲)

تو معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں ہوتی تھی اور صرف یہی نہیں کہ خود قرأت نہیں کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی قرأت سے منع کرتے تھے، اصل عبارت بمع سند ملاحظہ فرمائیے:

’’حدّثنا وکیع عن زمعة عن ابن طاؤس عن أبیه وعطاءٍ أنّهما کانا ینکران القراء ة علی الجنازة‘‘ (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۲)

☆......حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے فقیہ مدینہ حضرت سالمؒ (المتوفی:۱۰۶ھ) بھی نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے:

’’حدّثنا یحی بن أبی بکرٍ قال ثنا محمّد بن عبد اللّٰه بن أبی سارة، قال؛ سألت سالمًا، فقلت؛ القراء ة علی الجنازة فقال لا قراء ة علی الجنازة‘‘ (ایضاً)

☆......حضرت انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم کے شاگرد حضرت امام بکر بن عبداللہ المزنیؒ (المتوفی:۱۰۶) فرماتے تھے کہ مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں کہ نمازِ جنازہ میں بھی قرأت ہوتی ہے......! اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

’’حدّثنا معتمرٌ عن سلیمان عن اسحاق بن سویدٍ عن بکر بن عبد اللّٰه قال؛ لا أعلم فیها قراء ةً‘‘ (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۳)

تو جب صحابہ کرامؓ کے ماحول میں اپنا وقت گزارنے والے بزرگ تابعی کو اس کا کوئی علم نہیں اور نہ قرأت کرتے تھے تو آخر غیر مقلدین کا اس کو فرض کہنا اور قرأت نہ کرنے والوں پر تارکین الفرض کا ٹھپہ لگانا کتنی بڑی جسارت ہے؟ ذرا سوچنا چاہئے......!

☆......سفیان ثوریؒ (المتوفی:۱۶۱ھ) بھی نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے:

’’ان الثّوریّ کان یری ان لا یقرأ فی الصّلاة علی الجنازة شیء من القرآن انّما هو ثناء علی اللّٰه تعالی ودعاء‘‘ (فقہ سفیان الثوری ص:۵۸۵)

ترجمہ: سفیان ثوریؒ نمازِ جنازہ میں قرآن کریم کی کسی بھی سورت کی قرأت جائز نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس کو

اللہ تعالیٰ کی ثناء اور دعاء سمجھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ ثناء کبھی کبھی جدا چیز ہوتی ہے اور قرأۃ القرآن جدا ہوتی ہے اگرچہ ثناء کا اطلاق قرآن پاک پر بھی ہوتا ہے مگر قرائن کو دیکھا جائے گا **فافهم وتدبّر**......!

☆......غیر مقلدین ہر جگہ حافظ ابن تیمیہؒ (المتوفی:۷۲۸ھ) کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش کرتے ہیں مگر حافظ صاحبؒ اور غیر مقلدین کے مابین عقائد ونظریات کی حیثیت سے زمین وآسمان بلکہ عرش اور تحت الثریٰ جتنا فرق ہے جس کو بیان کرنے کا فی الحال یہ موقع نہیں، نمازِ جنازہ میں قرأت کے مسئلے پر غیر مقلدین اور حافظ ابن تیمیہؒ کے درمیان فرق ملاحظہ فرمائیے! حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں:

’’**واختلف السّلف والعلماء هل فيها قراءة؟...... فالنّاس فى قراءة الفاتحة فيها على أقوالٍ، قيل تكره وقيل تجب والأشبه أنّها مستحبّةٌ لا تكره ولا تجب فانّه ليس فيها قرآنٌ غير الفاتحة فلو كانت الفاتحة واجبةً فيها كما تجب فى الصّلاة التّامّة لشرع فيها قراءةٌ زائدةٌ على الفاتحة......**‘‘ (مجموع الفتاویٰ ج:۱۱،ص:۲۹۸)

اسلاف اور علماء کرام کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ نمازِ جنازہ میں قرأت ہے یا نہیں؟ تو نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات اس کو مکروہ جبکہ بعض واجب کہتے ہیں مگر نص سے مشابہ بات یہ ہے کہ یہ مستحب ہے، نہ تو مکروہ ہے اور نہ ہی واجب! کیونکہ اس میں سورۃ الفاتحہ کے علاوہ باقی قرآن کا کوئی حصہ واجب نہیں ورنہ اگر نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ عام نمازوں کی طرح واجب ہو جائے تو پھر سورۃ الفاتحہ کے علاوہ مزید قرأت بھی واجب ہو جائے گی۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی درج بالا عبارت سے چند مفید باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) اس میں اسلاف کا اختلاف ہے یعنی یہ کوئی ایسا منصوصی اور اتفاقی مسئلہ نہیں کہ تارک القرأۃ کو تارک الصلوٰۃ اور تارک الفرض کہا جائے بلکہ اس میں اسلاف کا ایک گروہ ضرور ہے اور اختلافی امر ہے۔

(۲) اختلاف صرف سورۃ الفاتحہ میں ہے، زائد علی الفاتحہ میں نہیں مگر غیر مقلدین نے اس سے اضافی فائدہ لیا یعنی انہوں نے زائد علی الفاتحہ کی قرأت بھی مراد لے لی۔

(۳) واجب، مکروہ اور مستحب اصطلاحات کا ذکر کیا جبکہ غیر مقلدین اس اصطلاحات کو بدعت کہتے ہیں دیکھئے (حقیقۃ التقلید ص:۵۱، تحفہ حنفیہ ص:۱۲۵، نور العینین)

(۴) حافظ صاحبؒ کے نزدیک مستحب ہے یعنی یہ کوئی فرض نہیں ہے، اگر کسی نے فرض یا لازم سمجھا تو گویا مستحب امر کو فرض، ضروری اور لازم سمجھا اور یہ بات تو اتفاقی ہے کہ استحبابی امر پر اصرار کرنا بدعت ہے تو تارک القرأۃ کو تارک الصلوٰۃ کہنے کی وجہ سے موجودہ غیر مقلدین حضرات بدعتی ہیں۔

(۵) مستحب کہنے سے یہ اشارہ ہوا کہ فریق مخالف کے پاس بھی دلائل کی کوئی کمی نہیں۔

(۶) حافظ صاحبؒ نے نمازِ جنازہ اور عام نمازوں کے فرق کو تسلیم کیا خصوصاً قرأت کے مسئلہ میں۔

(۷) حافظ صاحبؒ اگر نمازِ جنازہ میں قرأت کو مستحب کہتے ہیں تو وہ بھی صرف سورۃ الفاتحہ کو، سورۃ الفاتحہ سے زائد قرأت کے قائل نہیں ہیں جبکہ غیر مقلدین زائد علی الفاتحہ کی قرأت کے بھی قائل ہیں۔

(۸) حافظ صاحبؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث سے اصطلاحی سنت مراد لی ہے جبکہ غیر مقلدین اس حدیث سے اصطلاحی سنت مراد نہیں لیتے۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

’’ثمّ من هؤلاء من يقول القراءة فيها واجبةٌ كالصّلاة ومنهم من يقول؛ بل هى سنّةٌ مستحبّةٌ ليست واجبةً، وهذا أعدل الأقوال الثّلاثة؛ فانّ السّلف فعلوا هذا وهذا وكان كلا الفعلين مشهورًا بينهم كانوا يصلّون على الجنازة بقراءةٍ وغير قراءةٍ كما كانوا يصلّون تارةً بالجهر بالبسملة وتارةً بغير جهرٍ بها وتارةً باستفتاحٍ وتارةً بغير استفتاحٍ وتارةً برفع اليدين فى المواطن الثّلاثة وتارةً بغير رفع اليدين و تارةً يسلّمون تسليمتين وتارةً تسليمةً واحدةً وتارةً يقرءون خلف الامام بالسّرّ وتارةً لا يقرءون وتارةً يكبّرون على الجنازة أربعًا وتارةً خمسًا وتارةً سبعًا كان فيهم من يفعل هذا وفيهم من يفعل هذا، كلّ هذا ثابتٌ عن الصّحابة‘‘ (مجموع الفتاویٰ ج:۱۲،ص:۱۳،باب صلوة الجمعة)

☆......حافظ ابن قیمؒ (المتوفی:۷۵۱ھ) ابن تیمیہؒ کے حوالے سے اپنا مؤقف یوں پیش کرتے ہیں:

’’قال شيخنا؛ لا تجب قراءة الفاتحة فى صلاة الجنازة بل هى سنّة‘‘ (زادالمعاد ج:۱، ص:۴۸۶،فصل أنّه ﷺ لم يكن يصلّى على مدين)

یعنی ہمارے شیخ (حافظ ابن تیمیہؒ) نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ واجب نہیں بلکہ سنت سمجھتے ہیں۔

اعتراض: بعض احادیث میں صراحتاً ''**یبدأ بحمد اللّٰہ**'' کے الفاظ آئے ہیں اور ابو ہریرہؓ کی حدیث میں صراحتاً ''**وحمدت اللّٰہ**'' کے الفاظ آئے ہیں تو ان صحابہ کرامؓ نے سورۃ الفاتحہ پڑھی ہوگی نا! اس لئے کہ حمد وثناء سورۃ الفاتحہ کو کہی جاتی ہے یا نہیں؟ (دیکھئے ملخصاً الحق الصریح ج:۶ ص:۵۱۲)

جواب: <u>**اولاً:**</u> یہاں پر سورۃ الفاتحہ کا ذکر کہاں ہے......؟ یہاں تو اللہ تعالیٰ کی **مطلق** حمد وثناء کا ذکر ہے! حمد وثناء ''**سبحانک اللّٰھم**......**الخ**'' کو کیوں شامل نہیں ہوتی؟

حمد وثناء کا اطلاق ''**سبحانک اللّٰھم**'' کے ساتھ بالکل درست ہے کیونکہ عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب ابو ہریرہؓ والی روایت سے ثناء ثابت کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: ''فصل: جنازہ کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد دعا ثناء پڑھنے کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے سنا جس نے دعا کرنے سے پہلے نہ اللہ تعالیٰ کی ثناء کی تھی اور نہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا تھا پس آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی، روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے۔ اس حدیث سے نمازِ جنازہ میں دعا ثناء کا پڑھنا ثابت ہے، ''موطا امام مالک ص:۶۷'' میں ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ جنازہ کی نماز کیونکر پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں جنازہ کے ساتھ ان لوگوں کے یہاں سے چلتا ہوں، پس جب جنازہ رکھا جاتا ہے تو اللہ اکبر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اس کے نبی پر درود بھیجتا ہوں پھر کہتا ہوں ''**اللّٰھم عبدک وابن عبدک**......**الخ**''

حضرت ابو ہریرہؓ کے اس اثر سے بھی نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد دعا ثناء پڑھنے کا ثبوت ہوتا ہے اور اس کا ثبوت اس سے بھی کہ نمازِ جنازہ نماز ہے، پس جیسے تمام نمازوں میں دعا ثناء پڑھی جاتی ہے، نمازِ جنازہ میں بھی پڑھنا چاہئے'' (کتاب الجنائز ص:۵۲، فاروقی کتب خانہ لاہور)

ثانیاً: اگر یہاں پر حمد وثناء سے مراد خاص سورۃ الفاتحہ لیتے ہیں تو پھر اس کا کیا مطلب ہوا: ''**آخر ما خطب لنا رسول اللّٰہ ﷺ أنّہ صلّی علی شھداء أحدٍ ثمّ رقی المنبر فحمد اللّٰہ وأثنی علیہ**......**الخ**'' (صحیح ابن حبان ج:۸، ص:۱۸، **کتاب الزکوۃ، ذکر الاخبار بأنّ التّنافس فی ھذہ الدّنیا الفانیۃ ممّا کان یتخوّف المصطفی ﷺ علی أمّتہ منہ**)

عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو آخری خطبہ دیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے شہدائے احد پر نمازِ

جنازہ پڑھی، پھر منبر پرتشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پڑھی۔

تو خطبے اور بیان سے پہلے کوئی منبر پر مکمل سورۃ الفاتحہ پڑھتا ہے یا مختصراً اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتا ہے؟؟

☆......حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کا ایک عمل نقل فرماتی ہیں: ''**واذا رفع سمع اللّٰہ لمن حمدہٗ ثمّ قام فحمد اللّٰہ و أثنی علیہ**'' (مصنف عبدالرزاق ج:۳،ص:۹۹)

یعنی نبی کریم ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو ''**سمع اللّٰہ لمن حمدہٗ**'' کہتے، پھر سیدھا کھڑے ہوکر اللہ کی حمد وثناء کہتے۔

تو اس کا کیا مطلب ہوا کہ رکوع کے بعد سورۃ الفاتحہ پڑھتے یا مخصوص الفاظ سے حمد وثناء کہتے......؟

☆......حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے:

''**عن أبی ھریرۃ قال؛ کنّا جلوسًا عند النّبیّ ﷺ فعطس رجلٌ من القوم فحمد اللّٰہ، فقال نبیّ اللّٰہ ﷺ یرحمک اللّٰہ**'' (الادب لابن ابی شیبہ ج:۱،ص:۳۱۵)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے جس میں کسی قوم کے شخص کو چھینک آئی تو اس نے اللہ کی حمد کی تو نبی کریم ﷺ نے جواب میں ''**یرحمک اللّٰہ**'' فرمایا۔

تو عرض ہے کہ لوگ چھینکنے پر سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں یا حمد کے مخصوص الفاظ کہتے ہیں......؟

☆......حدیث پاک میں آتا ہے: ''**عن أبی ھریرۃ قال؛ قال رسول اللّٰہ ﷺ خمسٌ من حقّ المسلم علی المسلم...... وتشمیت العاطس اذا حمد اللّٰہ**'' (مسند احمد ج:۶،ص:۱۵۴، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں (جس میں ایک یہ ہے کہ) جب ایک مسلمان چھینکے اور اللہ کی حمد بیان کرے تو اس کو ''**یرحمک اللّٰہ**'' کے ساتھ جواب دینا۔

تو کیا مطلب ہوا کہ چھینکنے والا سورۃ الفاتحہ پڑھے گا......؟؟؟

بات طویل ہوجائے گی اس لئے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں کیونکہ سمجھدار کے لئے ان شاء اللہ ایک دلیل بھی کافی وشافی ہے جبکہ ضد اور تعصب سے کام لینے والے لوگوں کے لئے ہزاروں دلائل بھی بے جا ہیں **اللّٰھم اھدنا الصّراط المستقیم**.

ثالثاً: یہ ابو ہریرہؓ اور حضرت علیؓ کی احادیث میں ہے اور محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے جیسا کہ حوالہ جات گزر چکے ہیں کہ ابو ہریرہؓ اور علیؓ قرأت کے قائل نہیں تھے تو لازماً یہاں پر حمد سے مراد ''**سبحانک**

اللّٰھم......**الخ**''ہی ہے۔

رابعاً: یہاں پر حمد وثناء''**سبحانک اللّٰھم**......**الخ**''پر محمول ہے سورۃ الفاتحہ پر نہیں کیونکہ سورۃ الفاتحہ ساری کی ساری اصطلاحی طریقے سے ثناء نہیں ہے بلکہ اس میں تقسیم ہے یعنی اس میں کچھ ثناء ہے اور کچھ ثناء کے علاوہ ہے، اسی لئے تو حافظ ابن تیمیہؒ (المتوفی: ۷۲۸ھ) نے بھی اس کا اقرار کیا ہے:

''**ولأن الفاتحة نصفها ثناءٌ على اللّٰه ونصفها دعاءٌ للمصلّى نفسه لا دعاءٌ للميّت**''

(مجموع الفتاویٰ ج:۱۱، ص:۱۲۵)

اور حافظ صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد سورۃ الفاتحہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے'' (تفسیر مکہ ص:۷)

خامساً: اس سے مراد خاص سورۃ الفاتحہ نہیں بلکہ حمد وثناء ہے اسی لئے تو بعض جگہ حمد کے ساتھ ثناء کا لفظ آیا ہے جیسا کہ امام شعبیؒ کی روایت گزری جس میں وہ نمازِ جنازہ کا طریقہ یوں بیان کرتے ہیں: ''**عن الشّعبيّ قال في التّكبيرة الأولى يبدأ بحمد اللّٰه والثّناء عليه، والثّانية صلاةٌ على النّبيّ ﷺ، والثالثة دعاءٌ للميّت والرّابعة للتّسليم**'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳، ص:۱۸۳)

تو یہاں پر پھر اس کا مطلب کیا یہ ہو جاتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ اور ثناء دونوں پڑھتے؟ نہیں بلکہ اس سے حمد وثناء مراد ہے۔

☆......امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''اس بات پر اتفاق ہے کہ استفتاح تمام نمازوں کے لئے ہے'' (زینۃ الصلوٰۃ ص:۱۰۷)

اعتراض: کیا حمد کا اطلاق سورۃ الفاتحہ پر نہیں ہوتا؟

جواب: کس نے کہا کہ نہیں ہوتا؟ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا اطلاق علیٰ وجہ الاتم''**سبحانک اللّٰھم**'' پر ہوتا ہے کیونکہ سورۃ الفاتحہ بہر حال اول تا آخر خالص اصطلاحی حمد نہیں ہے بلکہ اس میں دعا اور اپنی عبادت کرنے کا اعتراف بھی ہے، یہاں ہماری بحث اطلاق اور عدم اطلاق پر نہیں ورنہ تو بے شمار کلمات پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا اطلاق ہوتا ہے بلکہ پورا قرآن ہی حمد وثناء ہے مگر یہاں پر ہماری بحث معروف معنی میں ہے کہ حمد سے

مراد حمد وثناء ہے یا کہ خاص سورۃ الفاتحہ ہے؟

خود غیر مقلدین کی بہت سی کتب میں حمد وثناء کا اطلاق ''**سبحانک اللّٰھم**'' پر ہوا ہے اور سورۃ الفاتحہ کو الگ مستقل بحث میں شمار کیا ہے بلکہ اسلاف بھی ثناء اور سورۃ الفاتحہ میں فرق کرتے تھے مثلاً:

☆......سفیان ثوریؒ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ جنازہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے، قرأت کا محل نہیں ہے: ''**ان الثّوریّ کان یری ان لا یقرأ فی الصّلاۃ علی الجنازۃ شیء من القرآن انّما ھو ثناء علی اللّٰہ تعالی ودعاء**'' (فقہ سفیان الثوری ص:۵۸۵)

ترجمہ: سفیان ثوریؒ نمازِ جنازہ میں قرآن کریم کی کسی بھی سورت کی قرأت جائز نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی ثناء اور دعاء سمجھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ ثناء کبھی کبھی جدا چیز ہوتی ہے اور قرأۃ القرآن جدا ہوتی ہے اگرچہ ثناء کا اطلاق قرآن پاک پر بھی ہوتا ہے مگر قرائن کو دیکھا جائے گا **فافھم وتدبّر**......!

☆......سعودی عالم فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری صاحب کی کتاب غیر مقلدین کے ایک مشہور نامور محقق اور شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق الاثری صاحب نے ترجمہ کی ہے، اس کتاب میں یوں درج ہے:

''نمازِ جنازہ کے فرائض......سورۃ فاتحہ کی قرأت کرے یا اللہ کے لئے حمد وثناء کرے'' (منہاج المسلم ص:۴۰۴-۴۰۵، ناشر دار السلام لاہور)

اس تقسیم سے بھی معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ کی قرأت الگ چیز ہے اور ثناء پڑھنا الگ چیز ہے۔

اعتراض: حمد وثناء کا اطلاق حدیث میں سورۃ الفاتحہ پر ہوا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''**قال اللّٰہ تعالی قسمت الصّلاۃ بینی وبین عبدی نصفین، ولعبدی ما سأل، فاذا قال العبد ''الحمد للّٰہ رب العالمین'' قال اللّٰہ تعالی؛ حمدنی عبدی، واذا قال ''الرّحمٰن الرّحیم'' قال اللّٰہ تعالی؛ أثنی علی عبدی، واذا قال ''مالک یوم الدّین'' قال؛ مجّدنی عبدی ......الخ**'' (صحیح مسلم ج:۱، ص:۲۹۶)

جواب: ہم نے اس کا انکار تو نہیں کیا کہ یہ تین آیاتِ کریمہ ثناء پر مشتمل ہیں البتہ غیر مقلدین پوری حدیث کیوں ذکر نہیں کرتے......؟ معلوم ہوتا ہے کہ پوری حدیث میں ان کا فائدہ نہیں جس کی وجہ سے ذکر

نہیں کرتے! کیونکہ اگر پوری حدیث ذکر کردیں پھر تو حقیقت واضح ہو جائے گی......! حدیث کا اگلا حصہ یوں ہے:''**فاذا قال ''ایّاک نعبد وایّاک نستعین'' قال؛ ھذا بینی وبین عبدی، ولعبدی ما سأل، فاذا قال ''اھدنا الصّراط المستقم، صراط الّذین أنعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضاۤلین'' قال ھذا لعبدی، ولعبدی ما سأل**''(ایضاً)

تو یہاں پر تو دعا ہے، یہاں پر ثناء کا تذکرہ کہاں ہے؟؟؟ معلوم ہوا کہ یہاں پر ثناء کا اطلاق علیٰ وجہ الاتم ''**سبحانک اللّٰھم......الخ**'' پر ہوتا ہے۔

قاعدہ: اور یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر ثناء دعا ہوتی ہے مگر ہر دعا ثناء نہیں ہوتی یعنی اس میں عموم خصوص مطلق نسبت ہے اور پیچھے ابن تیمیہؒ اور غیر مقلدین کے گھر کی شہادت گزر چکی کہ سورۃ الفاتحہ میں تقسیم ہے، تمام کی تمام سورت ثناء نہیں ہے بلکہ کچھ ثناء پر مشتمل ہے اور کچھ بغیر ثناء پر!

﴿غیر مقلدین کے شبہات اور ان کے جوابات﴾

غیر مقلدین اس مسئلہ میں بھی بالکل علمی یتیم ہیں، ان کے پاس اپنے دعویٰ پر اپنے اصولوں کے مطابق ایک صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں ہے، آپ خود انصاف کے ساتھ اگلی سطروں کو ملاحظہ کیجئے:

یاد رکھئے! ایک متقدمین کا مسلک ہے اور دوسرا غیر مقلدین کا مسلک ہے، متقدمین کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں واقعی اختلاف ہے یعنی یہ اختلافی مسئلہ ہے جبکہ غیر مقلدین اپنے مسلک کو منصوص اور محصور موقف سمجھتے ہیں اور قرأت نہ کرنے والے حضرات کو تارکین الفرض اور اس کی نماز کو باطل کہتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اسلاف صرف سورۃ الفاتحہ پڑھتے جبکہ غیر مقلدین اپنے مخصوص نظریئے کے مطابق صرف سورۃ الفاتحہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ اضافی سورت کو بھی جائز کہتے ہیں!

متقدمین کی غیر مقلدین کی طرح مخصوص جنازہ جیسی نماز نہیں تھی (کہ عام عادت کے ساتھ صرف قرأت اور دعا جہراً اور وہ بھی امام کے لئے وغیرہ) بلکہ یہ صرف غیر مقلدین ہی ہیں جو ننگے سر نماز جہراً غائباً اور دیگر مخصوص افعال کے ساتھ ادا کرتے ہیں جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

غیر مقلدین کا دعویٰ:

__پہلا شبہ:__ غیر مقلدین اپنے دعویٰ پر پہلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

''**لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب**'' (صحیح بخاری ج:۱،ص:۱۰۴، رقم الحدیث:۷۵۶) یہ حدیث عام ہے، ہر قسم کی نماز کو شامل ہے لہٰذا نمازِ جنازہ میں بھی سورۃ الفاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ (التحقیقات ص:۵۹۹، الحق الصریح ج:۲، ص:۵۰۶، فتاویٰ حصاریہ ج:۴، ص:۵۶۱، صلوٰۃ النبی ﷺ از شیخ عبدالرحمٰن ص:۷۸-۷۹، مسائل جنازہ پر ایک تحقیقی نظر از عبدالولی عبدالقوی ص:۱۲۵، نمازِ جنازہ از صادق سیالکوٹی ص:۳۱)

__جواب:__ نمازِ جنازہ حقیقی نماز نہیں ہے:

ہم پہلے بھی اس بات پر دلائل پیش کر چکے ہیں کہ یہ عام اور حقیقی نماز نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود میت کے لئے دعا کرنا ہے، فقہاء کرام بشمول حافظ ابن تیمیہؒ سے بھی ہم یہ حوالہ جات پیش کر چکے ہیں تو اس کے لئے خصوصی دلیل چاہیئے ورنہ بالفرض یہ حقیقی نماز ہو تو:

(۱) کیا اس کے لئے اذان و اقامت بھی ضروری ہوگی؟ رکوع و سجدہ بھی کیا جائے گا؟ کیونکہ عام نمازوں

کے لئے تو یہ کئے جاتے ہیں۔

(۲) حدیث پاک میں آتا ہے:

''عن أبی سعیدٍ، قال؛ کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا افتتح الصلاۃ قال؛ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ '' (سنن النسائی:۱/۱۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۲۰۹، مسند احمد:۱۸/۱۹۹، ابن ماجہ:۱/۱۶۵، المعجم الکبیر:۱۰/۱۰۸، دارقطنی ص:۱۶۳)

رسول اللہ ﷺ جب کبھی نماز شروع فرماتے تو یوں پڑھتے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ

تو کیا آپ لوگ اتفاقی طور جنازے میں ثناء پڑھتے ہیں......؟

☆......امین اللہ پشاوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مالکیہ نماز میں دعائے استفتاح، تعوذ، تسمیہ اور امام کے لئے آمین کہنے کے منکر ہیں باوجود اس کے کہ یہ تمام احادیث میں منقول ہیں'' (تقلید کی حقیقت اور مقلدین کی اقسام (پشتو) ص:۲۶۰)

پشاوری صاحب نے بھی تصریح کی ہے کہ نماز میں ثناء ہوتی ہے! تو جب نمازِ جنازہ اور عام نماز میں فرق نہیں تو پھر غیر مقلدین بقول پشاوری صاحب حدیث سے ثابت دعاء استفتاح (سبحانک اللّٰھم) سے کیوں منکر ہیں......؟؟؟ صرف مالکیہ کو کیوں بدنام کرتے ہیں اس جرم کے مرتکب تو خود غیر مقلدین بھی ہیں......؟؟!

(۳) امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اس بات پر اتفاق ہے کہ استفتاح تمام نمازوں کے لئے ہے'' (زینۃ الصلوٰۃ ص:۱۰۷)

اب اگر غیر مقلدین واقعی نمازِ جنازہ کو حقیقی نماز سمجھتے ہیں تو پھر اس میں ''سبحانک اللّٰھم'' پڑھنا شروع کر دیں اور اس کو بدعت کہنے سے باز آجائیں......!

(۴) عام نماز کی حیثیت جدا ہے اور مقیّد نماز کی حیثیت جدا ہے! اسلاف سے اس کی جداگانہ حیثیت ملاحظہ فرمائیں، حضرت رفیع بن مھران ابوالعالیہ الریاحی البصریؒ (المتوفی:۹۰ یا ۹۳ھ) رکوع وسجود والی نماز میں قرأت کے قائل تھے مگر نمازِ جنازہ میں قرأت کے قائل نہیں تھے:

''حدّثنا عبدالأعلی وغندرٌ عن عوفٍ عن أبی المنھال قال؛ سألت أبا العالیۃ عن القراء

ۃ فی الصّلاۃ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب فقال؛ ما کنت أحسب أنّ فاتحۃ الکتاب تقرأ الّا فی صلاۃٍ فیھا رکوعٌ وسجودٌ''(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۳)

معلوم ہوا کہ یہاں پر آپ کی پیش کردہ حدیث کو دلیل میں شمار نہیں کیا جا سکتا!

(۵) عام پانچ وقت کی نمازیں فرض عین ہیں جبکہ نمازِ جنازہ کو خود غیر مقلدین فرض کفایہ کہتے ہیں مثلاً دیکھئے''نمازِ مصطفیٰ ﷺ ص:۱۸۶،صحیح نمازِ نبوی از شیخ عبدالرحمٰن عزیز ص:۴۴۴،مسائل جنازہ پر ایک تحقیقی نظر از عبدالولی عبدالقوی ص:۹۲،نمازِ جنازہ کے احکام ومسائل (پشتو) از ابوصہیب ص:۲۰۰،احکام الجنائز للالبانی ص:۹۷)''

تو ان کے مابین حکم میں فرق ہونا بھی اس کے تغائر پر دلالت کرتا ہے۔

(۶) امام شعبیؒ اور امام طبریؒ کا یہ اجتہاد تھا کہ نمازِ جنازہ بغیر طہارت کے بھی ہو جاتی ہے:

''وقال الشّعبیّ ومحمّد بن جریر الطّبریّ والشّیعۃ تجوز صلاۃ الجنازۃ بغیر طھارۃٍ مع امکان الوضوء والتّیمّم لأنھا دعاءٌ''(المجموع شرح المھذب للنووی ج:۵،ص:۲۲۳،باب الصّلاۃ علی المیّت، بدایۃ المجتھد ج:۱،ص:۲۵۷، الفصل الخامس فی شروط الصّلوۃ علی الجنازۃ، الحاوی الکبیر ج:۳،ص:۵۲، للماوردیؒ باب التّکبیر علی الجنائز، حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاھب الفقھاء لأبی بکر الشاشی ج:۲،ص:۲۹۲)

اگر یہ حقیقی نماز ہوتی تو اِن حضرات کو پتہ نہ ہوتا کہ جیسے عام نمازوں کے لئے طہارت شرط ہے تو اس کے لئے کیوں شرط نہیں؟

معلوم ہوا کہ یہ حضرات بھی سمجھتے تھے کہ نمازِ جنازہ حقیقی نماز نہیں بلکہ اس کو مجازاً نماز کہا گیا ہے۔

(۷) اگر نمازِ جنازہ اور عام نمازیں (من کل الوجوہ) ایک نماز سمجھی جائے تو پھر غیر مقلدین کے اکابرین نے اس بات کی تصریح کیوں کی ہے کہ نمازِ جنازہ میں رفع الیدین کا ثبوت مرفوع احادیث میں نہیں (اس کی تفصیل ہم نے اپنے مقام پر لکھی ہے) حالانکہ دیگر نمازوں کے لئے مانتے ہیں......!!

(۸) اگر یہ عام نمازوں کی طرح حقیقی نماز ہوتی تو پھر آپ غیر مقلدین تو عام نمازوں میں سورۃ الفاتحہ کو فرض کہتے ہیں اور آپ کے بزرگ مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب حافظ ابن قیّمؒ کے حوالے سے حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ بات نقل کرتے ہیں کہ وہ اس کو واجب نہیں کہتے بلکہ سنت کہتے ہیں،تو یہ فرق بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ عام نماز کے علاوہ نماز ہے۔

(۹) عام نمازوں میں آپ لوگ (غیر مقلدین) دونوں طرف سلام پھیرنے کا فتویٰ دیتے ہیں مگر نمازِ جنازہ کے متعلق آپ کی کتب میں ایک طرف سلام پھیرنے کا قول ہے من قولین، تو یہ کیسے ایک نماز ہے؟

(۱۰) جو اسلاف نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے منع کرتے جن کے حوالہ جات گزر چکے ہیں تو کیا ان کی نمازیں نہیں ہوئیں؟ اور وہ بھی حق راستے سے لوگوں کو منع کرتے تھے؟

(۱۱) آپ کی اس حدیث سے آخر کون کون سے اسلاف نے نمازِ جنازہ میں قرأت کے فرض ہونے پر استدلال کیا ہے......؟

یاد رہے کہ بقول پشاوری صاحب سلف صالحین صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کو کہتے ہیں (الحق الصریح:۶/ ۵۷۸)

(۱۲) اس حدیث میں تو صرف سورۃ الفاتحہ کا ذکر ہے! زائد علی الفاتحہ کا کوئی ذکر نہیں؟ حالانکہ آپ لوگ تو صرف سورۃ الفاتحہ کے قائل نہیں بلکہ زائد علی الفاتحہ کے بھی قائل ہیں......!

(۱۳) نفس سورۃ الفاتحہ پڑھنے میں تو اختلاف نہیں بلکہ قرأت کے طور پر پڑھنے میں اختلاف ہے! تو غیر مقلدین پر لازم ہے کہ وہ بطورِ قرأت کی تصریح دکھائیں۔

(۱۴) فرض تو وہ ہوتا ہے جو کسی صورت معاف نہیں ہوتا مگر اس کے برعکس غیر مقلدین کا نظریہ یہ ہے: ''اگر کسی سے جنازہ کی ایک یا دو تکبیر رہ جائیں تو امام کے ساتھ تکبیر میں شامل ہوجائے، جب امام فارغ ہو جائے تو یہ صرف چھوٹ جانے والی تکبیریں کہہ لے یعنی اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر کہہ کر سلام پھیر دے لیکن ان تکبیروں میں ثناء اور درود وغیرہ نہ پڑھے'' (تحفۃ السجن ص:۱۶۹، فی نسخۃ اخریٰ ص:۱۲۳)

تو عرض یہ ہے کہ اگر سورۃ الفاتحہ فرض ہو پھر تو آخر میں اس فرض کو ادا کرنا چاہئے اور سورۃ الفاتحہ کسی صورت چھوڑنا نہیں چاہئے......! معلوم ہوا کہ یہ فرض نہیں ہے۔

<u>دوسرا شبہ:</u> غیر مقلدین ایک اور حدیث بھی اپنے مدّعا پر پیش کرتے ہیں:

''**حدّثنا أحمد بن منیعٍ، حدّثنا زید بن الحباب قال، حدّثنا ابراھیم بن عثمان، عن الحکم عن مقسمٍ، عن ابن عبّاسٍ أنّ النّبیّ ﷺ قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب**'' (سنن ابن ماجہ ص:۱۰۸، مشکوۃ المصابیح حدیث نمبر:۱۶۷۲، صلاۃ النبی ﷺ ص:۸۰، از شیخ عبدالرحمٰن)

<u>جواب:</u> (۱) غیر مقلدین کے دعویٰ (فاتحہ + اضافی سورت) اور عمل میں مطابقت نہیں ہے۔

(۲) یہ بطورِ قرأت پڑھی یا بطورِ ثناء؟ اختلافی امر متعین کریں اور اس پر دلیل بھی پیش کریں۔

(۳) غیر مقلدین اس کو فرض کہتے ہیں جبکہ حافظ ابن تیمیہ مستحب کہتے ہیں:

''والأشبه أنّها مستحبّةٌ لا تكره ولا تجب فانّه ليس فيها قرآنٌ غير الفاتحة فلو كانت الفاتحة واجبةً فيها كما تجب في الصّلاة التّامّة لشرع فيها قراءةٌ زائدةٌ على الفاتحة......'' (مجموع الفتاویٰ ج:۱۱،ص:۲۹۸)

یعنی نص سے زیادہ مشابہ بات یہ ہے کہ یہ مستحب ہے، نہ تو مکروہ ہے اور نہ ہی واجب! کیونکہ اس میں سورۃ الفاتحہ کے علاوہ باقی قرآن کا کوئی حصہ واجب نہیں ورنہ اگر نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ عام نمازوں کی طرح واجب ہو جائے تو پھر سورۃ الفاتحہ کے علاوہ مزید قرأت بھی واجب ہو جائے گی۔

تو عرض یہ ہے کہ قرأت کی فرضیت یا وجوب کہاں سے ثابت ہوتی ہے......؟

(۴) یہ روایت ضعیف ہے، وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک راوی ''ابراہیم بن عثمان'' ہے جو کہ تراویح والی روایات میں بھی آتا ہے مگر وہاں پر غیر مقلدین بہت زور وشور سے اس پر جرح کرتے ہیں لیکن یہاں پر **صُمٌّ بُكْمٌ**......

☆......غیر مقلدین کے محقق زبیر علیزئی صاحب اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں: **''اسناده ضعيف جدا''** کہ اس روایت کی سند نہایت ضعیف ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۹۵، طبع دار السلام)

☆......غیر مقلدین کے محقق مولانا شمس الحق عظیم آبادی مرحوم (المتوفی:۱۳۲۹ھ) اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: **''وابن ماجة من طريق أخرى عن ابن عبّاسٍ أنّ النّبيّ (ﷺ) قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب واسناده ضعيف''** (عون المعبود ج:۱،ص:۳۵۱، باب الدّعاء للميّت)

☆......ضعیف روایت کے بارے میں غیر مقلدین کے محقق ومناظر داؤد ارشد صاحب لکھتے ہیں: ''ضعیف احادیث فرمان مصطفیٰ نہیں ہیں'' (تحفہ حنفیہ ص:۱۹۷)

☆...... جب یہ روایت ضعیف ہوگئی تو پھر زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد کا یہ حوالہ بھی ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں: ''ضعیف ومنقطع روایات وہی شخص پیش کرتا ہے جو خود ضعیف اور منقطع ہوتا ہے'' (تعدادِ رکعات قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص:۲۶)

☆......امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: **''اسناده ضعيف؛ الترمذی (۱۰۲۶) وقال؛ حديث ابن عباس ليس اسناده بذلك القوی**

وابراهيم بن عثمان هو أبو شعبة الواسطى منكر الحديث ''(الحق الصریح:۶/۵۶۰)

تنبیہ: یہ ابوشعبہ نہیں ہے بلکہ صحیح ابوشیبہ ہے۔

تیسرا شبہ: غیر مقلدین اپنے دعویٰ پر ایک اور روایت بھی پیش کرتے ہیں: ''حدّثنا أبو العبّاس محمّد بن يعقوب، أنبأ الربيع بن سليمان، أنبأ الشافعيّ، ثنا ابراهيم بن أبى يحى، ثنا عبد اللّٰه بن محمّد بن عقيل، عن جابرٍ، قال كان رسول اللّٰه ﷺ يكبّر على جنائزنا أربعًا، ويقرأ بفاتحة الكتاب فى التّكبيرة الأولى ''(المستدرک ج:۱،ص:۶۸۴)

دیکھئے (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۲۰۹،صلوٰۃ النبی ﷺ از شیخ عبدالرحمٰن ص:۸۱)

جواب: (۱) غیر مقلدین کے دعویٰ اور دلیل میں پھر مطابقت نہیں ہے۔

(۲) دیگر جوابات سے قطع نظر...... یہ حدیث ضعیف ہے، اس روایت کے دو راوی ضعیف ہیں:

ایک راوی ''ابراہیم بن محمد ابی یحیٰ'' ہے جو جرح وتعدیل کے ائمہ کے نزدیک نہایت ضعیف ہے، مختصر حوالہ جات ملاحظہ کیجئے:

☆......حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ (المتوفی:۸۵۲ھ) نے مختلف محدثین سے اس کی تضعیف کا قول نقل کیا ہے ملاحظہ فرمایئے:

''قال يحى بن سعيد القطان سألت مالكًا عنه أكان ثقة قال: ''لا ولا ثقة فى دينه'' وقال عبد اللّٰه بن أحمد عن أبيه: ''كان قدريًّا معتزليًّا جهميًّا كل بلاء فيه'' وقال أبو طالب عن أحمد: ''لا يكتب حديثه ترك النّاس حديثه كان يروى أحاديث منكرة لا أصل لها وكان يأخذ أحاديث النّاس يضعها فى كتبه'' وقال بشر بن المفضل سألت فقهاء اهل المدينة عنه فكلّهم يقولون: ''كذّاب'' وقال على بن المدينى عن يحى بن سعيد: ''كذّاب'' وقال المعطى عن يحى بن سعيد: ''كنّا نتهمه بالكذب'' وقال البخارى: ''جهمى تركه ابن المبارك والنّاس كان يرى القدر'' وقال عبّاس عن ابن معين؛ ''ليس بثقة'' وقال ابن أبى مريم قلت له فابن أبى يحى قال: ''كذّاب فى كلّ ما روى'' قال وسمعت يحى يقول: ''كان فيه ثلاث خصال كان كذّابًا وكان قدريًّا وكان رافضيًّا'' وقال النسائى: ''متروك الحديث'' وقال فى موضع آخر: ''ليس بثقة ولا يكتب حديثه'' (تہذیب التہذیب ج:۱،ص:۱۸۶،

مکتبہ رحمانیہ لاہور، تہذیب الکمال ج:۱ص:۱۳۳، مکتبہ وحیدیہ پشاور، میزان الاعتدال ج:۱ص:۱۰۶-۱۰۷، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

ترجمہ: یحیٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے اس کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ ثقہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ''نہیں بلکہ دین میں بھی ثقہ نہیں''، اور عبداللہؒ اپنے والد امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ''وہ قدری، معتزلی اور جہمی تھے بلکہ اس میں ہر خرابی موجود تھی''، ابوطالبؒ امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں ''اس سے احادیث نہیں لکھی جائیں گی کیونکہ محدثین نے ان کو چھوڑ رکھا ہے، وہ ایسی منکر احادیث نقل کرتے جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی تھی اور لوگوں سے جھوٹی احادیث اپنی کتاب میں لکھتے''، بشر بن مفضلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے فقہائے مدینہ سے اس کے متعلق پوچھا تو سب نے متفقہ طور پر کہا ''کذاب تھا''، علی بن مدینیؒ یحیٰ بن سعیدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ''جھوٹا تھا'' اور دوسری جگہ کہتے ہیں کہ ''ہم محدثین کے نزدیک وہ متہم بالکذب تھا''، امام بخاریؒ فرماتے ہیں ''جہمی تھا اور ابن مبارکؒ و دیگر محدثین نے اس کو قدری ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا''، ابن معینؒ فرماتے ہیں ''وہ ثقہ نہیں تھے''، دوسرے محدث فرماتے ہیں ''اس کی ہر روایت جھوٹی ہے''، یحیٰ فرماتے ہیں ''اس میں تین عادتیں تھیں، ایک تو یہ کہ وہ جھوٹا تھا، دوسرا قدری اور تیسرا رافضی تھا''، امام نسائیؒ فرماتے ہیں ''متروک الحدیث تھا'' اور دوسری جگہ فرماتے ہیں ''ثقہ نہیں تھا اور نہ اس سے حدیث لکھی جائے گی''

یہ وہ کذاب اور رافضی راوی ہے جس کی احادیث کو غیر مقلدین محتاج ہیں **استغفر الله العظيم.**

خود زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد اس راوی کی ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: ''**اسناده ضعيف جدًّا، ابراهيم بن محمّد الأسلمي متروك الحديث**'' (سنن ابن ماجہ رقم:۱۶۱۵، طبع دار السلام)

اور امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''**ابراهيم بن محمّد بن أبي يحى الأسلمي متروك**'' (الحق ج:۴، ص:۵۶۹)

<u>**دوسرا راوی**</u> ''عبداللہ بن محمد بن عقیل'' ہے، جرح وتعدیل کے اکثر ائمہ کرام نے اس پر ''**منكر الحديث، فی حديثه ضعف شديد جدًّا، ضعيف الحديث، ضعيف**'' وغیرہ جرحیں کی ہیں دیکھئے

(تہذیب التہذیب ج:۳، ص:۶۴۶-۶۴۸)

بلکہ خود زبیر علیزئی غیر مقلد نے اس راوی کی وجہ سے حدیث کو ضعیف کہا ہے، لکھتے ہیں: ''**اسناده ضعيف، ابن عقيل ضعيف**'' (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۰، طبع دار السلام)

''اسنادہ ضعیف، عبد اللّٰہ بن محمّد بن عقیل ضعیف''(سنن الترمذی الرقم:۱۴۸)

''ابن عقیل ضعیف، ضعفہ الجمھور''(سنن ابی داؤد الرقم:۱۲۶،طبع دار السلام)

تو غیر مقلدین کا اپنے مسلک کی ایسی کمزور اور مردود راوی پر مشتمل روایات سے قرأۃ الفاتحہ کی فرضیت ثابت کرنا اور دوسروں کے مؤقف کو کمزور سمجھنا کہاں کا انصاف ہے......؟؟

تنبیہ: غیر مقلدین حضرت جابرؓ کی دوسری روایت بھی مستدرک حاکم وغیرہ کے حوالے سے پیش کرتے ہیں لیکن اس کے متعلق خود امین اللہ پشاوری صاحب اقرار کرتے ہیں: ''اس میں ایک راوی ''ابراہیم بن محمد'' ہے جو متروک ہے''(الحق الصریح ج:۶ص:۵۰۸)

چوتھا شبہ: غیر مقلدین ایک اور شبہ پیدا کرتے ہیں، استدلال کے لئے یہ حدیث پیش کرتے ہیں: ''حدّثنا بن یحی قال، ثنا عبد الرّزاق قال، ثنا معمرٌ عن الزّھریّ قال؛ سمعت أبا أمامة بن سھل بن حنیفٍ، یحدّث ابن المسیّب قال؛ السّنّة فی الصّلاة علی الجنازة أن تکبّر ثمّ تقرأ بأمّ القرآن ثمّ تصلّی علی النّبیّ ﷺ ثمّ تخلص الدّعاء للمیّت ولا تقرأ الّا فی التّکبیرة الأولی ثمّ تسلّم فی نفسه عن یمینه''(المنتقی لابن الجارود ج:۱ص:۱۴۱،رقم:۵۴۰)(تسہیل الوصول ص:۳۵۳،نمازِ نبوی ص:۳۶۴،از ڈاکٹر شفیق الرحمٰن،فتاویٰ حصاریہ ج:۴ص:۵۶۲)

جواب نمبر۱: اول تو یہ حدیث غیر مقلدین کے مسلک میں ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ''ابن شہاب الزہری'' ہے جس پر مشہور غیر مقلد فیض عالم صدیقی صاحب نے سخت رَد کیا ہے، چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''ابن شہاب منافقین وکذابین کے دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی مستقل ایجنٹ تھے، اکثر گمراہ کن، خبیث اور مکذوبہ روایتیں انہیں کی طرف منسوب ہیں''(صدیقہ کائنات ص:۱۱۴)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''علم حدیث کی خدمت میں زہری کا مقام بہت بلند ہے مگر اکثر اس کی روایات گمراہ کن ہیں''(اختلافِ امت کا المیہ ص:۱۲۷)

تنبیہ: فیض عالم صدیقی غیر مقلد کے تعارف کے لئے ہماری کتاب ''اللامذھبیه تعریفھا وعقائدھا'' ملاحظہ کیجئے۔

تو ''خبیث، گمراہ کن، مکذوب اور منافقین کا ایجنٹ'' کہلانے والے کی روایت سے اپنے مسلک کی پاسداری کے لئے قرأۃ الفاتحہ کی فرضیت کو ثابت کرنا غیر مقلدین ہی کے ساتھ لائق عمل ہے۔

جواب نمبر۲: اس میں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ کہاں ہے؟ یہ تو ابوامامہ کا قول ہے اور ابوامامہ کو خود غیر مقلدین نے تابعی کہا ہے، چنانچہ مشہور غیر مقلد عبدالعزیز نورستانی صاحب لکھتے ہیں:

''ابوامامہ وہ مشہور صحابی نہیں ہیں بلکہ یہ دوسرے ابوامامہ ہیں جو تابعی ہیں جیسا کہ حافظ عینی عمدۃ القاری میں کہتے ہیں ''ہمارے شیخ زین نے کہا ہے کہ اس ابوامامہ کی رسول اللہ ﷺ سے رؤیت معقول نہیں، اس کے لئے صحبت ثابت نہیں (عمدۃ القاری ج:۸،ص:۱۴۰)'' محمد احمد شاکر ''المحلی'' کی تعلیق میں کہتے ہیں: ''ابوامامہ تابعی ہیں (التعلیق علی ابن حزم ج:۵،ص:۱۲۹)'' (پیغمبر کی نماز (پشتو) ص:۶۴۱،۶۴۳)

حالانکہ غیر مقلدین کے نزدیک صحابی کا قول حجت نہیں تو تابعی کا قول کس شمار وقطار میں ہے......؟؟؟ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے:

﴿غیر مقلدین کے نزدیک صحابی کا قول حجت نہیں﴾

☆......امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''کسی صحابی کا وہ قول جو اس کی رائے اور نص کے خلاف نہ ہو لیکن اس پر نص بھی نہ ہو تو یہ حدیث موقوف ہے یعنی صحابی کی بات ہے، تو کیا یہ امت کے لئے حجت ہے یا نہیں؟ تو یہ محل نظر ہے، ظاہر بات یہ ہے کہ بعد التتبع دلائل کے کہیں گے کہ یہ صحابی کا اجتہاد ہے اور امت کے لئے حجت نہیں ہے'' (الحق الصریح ج:۱،ص:۴۷۰)

دوسری جگہ موصوف ایک سوال ''صحابی کا قول شرعی حجت ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں لکھتے ہیں: ''اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ صحابی کا قول جب مرفوع حدیث کے حکم میں نہ ہو تو حجت نہیں......موقوف حدیث (صحابی کا قول، ناقل) میں اصل یہ ہے کہ یہ حجت نہیں اس لئے کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور افعال ہیں'' (فتاویٰ الدین الخالص ج:۲،ص:۸۰-۸۱، مسئلہ نمبر:۲۲۶۲)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''یہ موقوف حدیث ہے اور صحابی کا اجتہاد ہے اور وہ حجت نہیں جب اس کے ساتھ مرفوع حدیث نہ ہو'' (الحق الصریح ج:۴،ص:۵۴۱)

مزید حوالہ جات مختصراً ملاحظہ فرمائیے کہ ان مواضع پر بھی صحابی کے قول کی عدم حجیت کی بات ہوئی ہے: (فتاویٰ الدین الخالص لامین اللہ البشاوری:۱/۶۴، ۱۰۴ و۳/۶۱، التحقیقات لابی یزید ص:۵۹۵، فتاویٰ نذیریہ:۱/۳۴۰،۶۲۲، فتاویٰ علمائے حدیث:۴/۱۴۱، ۱۷۶، شمع محمدی ص:۸،۹، فتاویٰ ثنائیہ:۲/۲۲۳، عرف

الجادی ص: ۳۸، ۴۴، ۱۰۱، الحق الصریح: ۵/۱۳۳، دلیل الطالب ص: ۶۱۷، بدور الاہلہ ص: ۱۳۹، الروضۃ الندیہ ص: ۲/۲۷، التاج المکلل ص: ۲/۱۷۲، حقیقۃ الفقہ ص: ۱۴۶)

معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے لئے یہ حدیث مفید اور نفع بخش نہیں ہے......**تدبّر!**

جواب نمبر۳: اس میں ایک طرف سلام پھیرنے کا تذکرہ ہے مگر غیر مقلدین اس حدیث پر عمل نہیں کرتے بلکہ نمازِ جنازہ میں عموماً دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں۔

جواب نمبر۴: غیر مقلدین نمازِ جنازہ کو عام نماز کی طرح سمجھتے ہیں لیکن اس میں وہ مخصوص ثناء ''**سبحانک اللّٰھم**'' نہیں پڑھتے حالانکہ عام نمازوں میں اس کی قرأت کے تو غیر مقلدین بھی قائل ہیں! معلوم ہوا کہ یہاں پر سورۃ الفاتحہ پڑھنا بطورِ قرأت نہیں بلکہ بطورِ ثناء ہے اور سنت بھی بمعنی ایک طریقے کے ہے نہ کہ سنت مرفوع (جیسا کہ اس بات کی تفصیل آگے حدیث ابن عباسؓ میں آرہی ہے)

جواب نمبر۵: ابوامامہؓ کی یہی حدیث امام حاکمؒ نے بھی نقل کی ہے مگر اس میں قرأت کا نام ونشان بھی نہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہی سعید بن المسیبؒ (جن کو اس روایت میں حضرت ابوامامہؓ حدیث پیش کر رہے ہیں) ان کے ساتھ اس مجلس میں خاموش بیٹھے ہیں اور اس حدیث میں اس طریقے کو بھی سنت کہا ہے، اصل عبارت ملاحظہ کیجئے:

''أخبرنا اسماعيل بن أحمد التّاجر، ثنا محمّد بن الحسين العسقلانيّ، ثنا حرملة بن يحى، ثنا ابن وهبٍ، أخبرني يونس، عن ابن شهابٍ، قال؛ أخبرنى أبو أمامة بن سهل بن حنيفٍ، وكان من كبراء الانصار وعلمائهم، وأبناء الّذين شهدوا بدرًا مع رسول اللّٰه ﷺ أخبره رجالٌ من اصحاب رسول اللّٰه ﷺ فى الصّلاة على الجنازة ''أن يّكبّر الامام، ثمّ يصلّى على النبىّ ﷺ ويخلص الصّلاة فى التّكبيرات الثلاث، ثم يسلّم تسليمًا خفيًّاحين ينصرف، والسّنّة أن يفعل من وّرائه مثل ما فعل امامه'' قال الزّهرىّ؛ حدّثنى بذالک أبو أمامة، وابن المسيّب يسمع فلم ينكر ذالک عليه قال ابن شهابٍ؛ فذكرت الّذى أخبرنى أبو أمامة من السّنّة فى الصّلاة على الميّت لمحمّد بن سويدٍ، قال؛ وأنا سمعت الضّحّاک بن قيسٍ يحدّث عن حبيب بن مسلمة فى صلاةٍ صلّاها على الميّت مثل الّذى حدّثنا أبو أمامة. هذا حديث صحيح على شرط الشّيخين، ولم يخرجاه، وليس فى التّسليمة الواحدة على

الجنازة أصحّ منه'' (المستدرک للحاکم ج:۱،ص:۵۱۲،رقم:۱۳۳۱)

جواب نمبر۶: اس میں تو اس کا امر نہیں ہے کہ فرض کیا جائے حالانکہ غیر مقلدین کے نزدیک تو یہ فرض ہے! بلکہ اس میں تو نفسِ فعل ہے اور غیر مقلدین کے نزد فعل سے وجوب اور فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔
(الحق الصریح:۲/۳۳۴-۳۳۵)

پانچواں شبہ: ''حدّثنا عمرو بن أبی عاصمٍ النّبیل و ابراھیم بن المستمرّ قالا؛ حدّثنا أبو عاصمٍ قال؛ حدّثنا حماد بن جعفرٍ العبدیّ قال؛ حدّثنی شھر بن حوشبٍ قال؛ حدّثتنی أمّ شریکٍ الأنصاریّة قالت؛ امرنا رسول اللّٰہ ﷺ أن نقرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب''
(سنن ابن ماجہ ص:۱۰۹، رقم الحدیث:۱۴۹۶، مکمل نماز ص:۱۷۱، صلوٰۃ الرسول ص:۴۳۴، فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵، ص:۲۰۹، فتاویٰ حصاریہ ج:۴،ص:۵۶۱)

جواب: اولاً: اس روایت کی سندی حیثیت ملاحظہ فرمایئے:

☆......حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ (المتوفی:۸۵۲ھ) کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ''وروی ابن ماجة من حدیث أمّ شریکٍ قالت امرنا رسول اللّٰہ ﷺ أن نقرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب وفی اسنادہ ضعفٌ یسیر'' (تلخیص الحبیر ج:۲،ص:۱۱۹)

☆......غیر مقلدین کے نزد بھی یہ روایت ضعیف ہے، غیر مقلدین کے ذہبی دوراں علامہ ناصر الدین البانی صاحب مرحوم (المتوفی:۱۴۲۰ھ) نے اس سند کو ضعیف کہا ہے دیکھئے (سنن ابن ماجہ رقم:۱۴۹۶)

☆......غیر مقلدین کے مشہور شارح شمس الحق عظیم آبادی صاحب (المتوفی:۱۳۲۹ھ) فرماتے ہیں: ''وروی ابن ماجة من حدیث أمّ شریکٍ قالت امرنا رسول اللّٰہ ﷺ أن نقرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب وفی اسنادہ ضعفٌ یسیر انتھی'' (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج:۸،ص:۳۵۰)

☆......عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب (المتوفی:۱۳۵۳ھ) بھی اس کے ضعف کا حکم نقل کرتے ہیں: ''أخرجه ابن ماجة عنھا قالت امرنا رسول اللّٰہ ﷺ أن نقرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب وفی اسنادہ ضعفٌ یسیر کما قال الحافظ فی التلخیص'' (تحفۃ الاحوذی ج:۴،ص:۹۳)

☆......عبیداللہ مبارکپوری صاحب (المتوفی:۱۴۱۴ھ) بھی یوں تصریح کرتے ہیں: ''فقد روی ابن ماجة باسنادٍ فیه ضعفٌ یسیر عن أمّ شریکٍ قالت؛ امرنا رسول اللّٰہ ﷺ أن نقرأ علی الجنازة

بفاتحة الكتاب‘‘(مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج:۵،ص:۳۸۱،الجامعۃ السلفیۃ بنارس،الہند)

☆......مولانا عبدالرؤف صاحب غیر مقلد اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: ’’ضعیف ہے......اس کی سند اور متن میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ ضعیف ہے‘‘(القول المقبول ص:۶۰۷)

☆......غیر مقلدین کے محقق ابو یزید عبدالقاہر صاحب اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ’’حدیث قدرے کمزور ہے‘‘(التحقیقات ص:۵۷۷)

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں کلام ہے البتہ یہ بات کہ اس میں ’’**ضعف يسير**‘‘ ہے خود قابلِ کلام ہے بلکہ اس میں ’’**ضعف شديد**‘‘ ہے جس کی وجہ اور دلیل خود ملاحظہ کیجئے:

ثانیاً: اس روایت میں دو راوی ہیں جن پر کلام ہے (۱) حماد بن جعفر العبدی (۲) شہر بن حوشب

(۱) پہلا راوی ’’**حماد بن جعفر العبدي**‘‘ ہے، حافظ ابن حجرؒ اس کا ترجمہ و تعارف یوں لکھتے ہیں:

’’**حماد بن جعفر بن زيد العبدى البصرى روى عن أبيه وشهر بن حوشب وعطاء السلمى وميمون بن سياه وعنه؛ مرزوق الشامي والضّحّاك بن حمزة والضّحّاك بن مخلد النّبيل ومسلم بن سعيد، قال ابن معين ثقة وذكره ابن حبان فى الثّقات وقال ابن عدى أظنّه بصرى منكر الحديث وأورد له حديثين أخرج أحدهما ابن ماجة وليس له عنده غيره وهو فى القراءة على الجنائز بأمّ الكتاب وفرق أبو حاتم بينه وبين حماد بن جعفر الرّازى عن عطاء السليمى وعنه مسلم بن سعيد فاللّٰه أعلم قلت وقال الأزدى نسب الى الضعف وذكره ابن شاهين فى الثقات**‘‘(تہذیب التہذیب ج:۲،ص:۱۷،الرقم:۱۷۰۳،المکتبۃ المعروفیہ،کوئٹہ)

☆......اور دوسری کتاب میں فرماتے ہیں: ’’**حماد بن جعفر بن زيد العبدى البصرى لين الحديث من السابعة**‘‘(تقریب التہذیب ص:۸۱)

☆......حافظ ابن الجوزیؒ (المتوفی:۵۹۷ھ) نے اپنی کتاب ’’**الضعفاء والمتروكين**‘‘ میں اس راوی کا تعارف یوں کرتے ہیں: ’’**حماد بن جعفر؛ قال ابن عدى منكر الحديث**‘‘(الضعفاء والمتروکین ج:۱،ص:۲۳۲،میزان الاعتدال ج:۲،ص:۳۵۸،الرقم:۲۲۴۵،مکتبہ رحمانیہ لاہور)

معلوم ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے البتہ ابن حبانؒ کی توثیق پر غیر مقلدین کو خوش ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ خود غیر مقلدین نے یہ تصریح کی ہے کہ:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں'' (تحقیق الکلام ص:۱۸۱ از عبدالرحمٰن مبارکپوری)

☆......عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں: ''ابن حبان کا تساہل مشہور ہے'' (فتاویٰ اہلحدیث:۲/ ۱۶۸)

☆......غیر مقلدین کے محقق کبیر پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب لکھتے ہیں: ''امام ابن حبان اگرچہ بلند پایہ محدث وامام ہیں لیکن موصوف جرح وتعدیل کے معاملے میں انتہائی متساہل درجے کے آدمی ہیں جن کے تساہل کے بارے میں متعلقہ فن کے اماموں نے اپنی کتابوں میں تصریح فرمائی ہے کہ امام موصوف اپنی کتاب ثقات میں کتنی ہی جگہوں پر کئی راویوں کو لاکر بعد میں فرماتے ہیں''لا أعرفہ''یعنی میں ان کو نہیں جانتا، کتنی عجیب بات ہے کہ وہ اپنی کتاب ثقات میں ان راویوں کو لاکر پھر انہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں ان کو نہیں جانتا'' (مقالاتِ راشدیہ ج:۱ص:۳۴۹)

اور اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں: ''تو پھر صرف ابن حبان کی توثیق ہی باقی رہتی ہے جو کہ انتہائی متساہل ہیں اور توثیق کے بارے میں کافی تساہل سے کام لیتے ہیں اس لئے ان کی توثیق کے مقابلے میں دوسرے فن کے اماموں کی تضعیف راجح ہوگی'' (مقالاتِ راشدیہ ج:۱ص:۳۵۰)

مزید حوالہ جات کے لئے غیر مقلدین کی درج ذیل کتب ملاحظہ فرمایئے جن میں خود اقرار کرتے ہیں کہ ابن حبانؒ متساہل ہیں:

(فتاویٰ راشدیہ ص:۵۴۵، خیر الکلام ص:۲۵۲، توضیح الکلام ص:۱۷۹، ضوابط الجرح والتعدیل ص:۳۲و۳۴، ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت، تنویر الآفاق ص:۲۷۰، ماہنامہ الحدیث شمارہ:۳۵، مارچ ۲۰۰۷ء، ص:۳، سلسلہ احادیث الضعیفہ والموضوعہ ج:۱۳ص:۷۰۰، مکالماتِ نور پوری ص:۳۳۰......وغیرہم)

حاصلِ بحث یہ کہ یہ راوی ضعیف ہے۔

(۲) دوسرا راوی ''**<u>شھر بن حوشب</u>**'' ہے اور یہ بھی غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے:

☆......غیر مقلدین کے شیخ البانی صاحب (المتوفی:۱۴۲۰ھ) نے اپنی کتاب میں اس پر یوں جرح کی ہے: ''**وشھر ضعیف**'' (احکام الجنائز ص:۲۵۵، باب ما یحرم عند القبور)

چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں: ''**محمد بن ثابت وھو العبدی ضعیف ومثلہ شھر بن حوشب**'' (ایضاً ص:۲۵۸)

دوسری کتاب میں لکھتے ہیں: ''**والثانی؛ فیہ سنان بن ربیعۃ عن شھر بن حوشب وفیھما**

ضعف''(الرواء الغلیل ج:۱،ص:۱۲۵،باب الوضوء (توضأ رسول اللہ ﷺ مرتبا)

اوردوسری جگہ لکھتے ہیں:''**فیه شهر بن حوشب وهو سیء الحفظ**''(الرواء الغلیل:۱۴۳/۴)

☆......نواب صدیق حسن خان صاحب غیرمقلد(المتوفی:۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:''**وفی اسناده شهر بن حوشب وفیه مقال معروف**''(فتح البیان ج:۳،ص:۴۷)

اوردوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

''**وفی اسناده شهر بن حوشب وفیه ضعف**''(الروضۃ الندیہ ص:۱۹۵،کتاب البیع)

☆......قاضی شوکانی صاحب(المتوفی:۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:''**وفی اسناده شهر بن حوشب وفیه مقال مشهور**''(نیل الاوطار ج:۲،ص:۱۲۵،باب ما جاء فی لبس القمیص والعمامة والسراویل)

اوردوسری کتاب میں لکھتے ہیں:''**وفی اسناده شهر بن حوشب وفیه مقال معروف**''(تحفۃ الذاکرین ص:۱۵۴،فصل فیما یقال فی الصلاة المکتوبة)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:''**وفی اسناده شهر بن حوشب وفیه مقال**''(نیل الاوطار ج:۳،ص:۲۱۸،باب موقف الصبیان والنساء من الرجال)

☆......غیرمقلدین کے محقق مولانا شمس الحق عظیم آبادی(المتوفی:۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں:

''**شهر بن حوشب تکلّم فیه غیر واحدٍ**''(عون المعبود ج:۷،ص:۱۱۵،باب فی سکنی الشّام)

☆......عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب غیرمقلد(المتوفی:۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

''**فی اسناده شهر بن حوشب وفیه مقال مشهور**''(تحفۃ الاحوذی ج:۵،ص:۳۷۵،باب ما جاء فی القمص جمع قمیصٍ وج:۷،ص:۲۰۳،باب ما جاء فی صفة نساء اهل الجنّة)

☆......عبیداللہ مبارکپوری صاحب غیرمقلد(المتوفی:۱۴۱۴ھ) لکھتے ہیں:

''**والجواب عنه أن فی اسناده شهر بن حوشب وهو کثیر الارسال والأوهام کما فی التقریب**''(مرعاۃ المفاتیح ج:۳،ص:۵۵،باب صفة الصّلوة الفصل الاول)

☆......غیرمقلدین کے مجتہد العصر وامام العصر مفتی اعظم امین اللہ پشاوری صاحب چند ایک احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:''**وفی اسنادهم شهر بن حوشب وفی اسناد أحمد الأول لیث وکلاهما ضعیفان**''(فتاویٰ الدین الخالص ج:۱،ص:۲۷۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''شہر بن حوشب متکلم فیہ راوی ہے'' (فتاویٰ الدین الخالص ج:۴،ص:۱۰۹، ۱۴۶)

☆...... غیر مقلدین کے محقق اور شیخ الحدیث ابوعمار سمیع اللہ صاحب نے شہر بن حوشب کے متعلق تضعیف وتوثیق کی مختلف آراء نقل کی ہیں، تضعیف یوں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''**شهر بن حوشب أبو سعيد، ويقال أبو عبد الله...... قال موسى بن هارون؛ ضعيف، وقال النسائى؛ ليس بالقوى**'' (الجہد المحمود ج:۲،ص:۲۷۸)

☆...... غیر مقلدین کے مفتی اعظم عبد الستار حماد صاحب (جو بقید حیات ہیں) اپنے فتاویٰ میں ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ روایت شہر بن حوشب کی وجہ سے اگرچہ ضعیف ہے...... الخ'' (فتاویٰ اصحاب الحدیث ج:۱،ص:۳۰۰)

☆...... غیر مقلدین کے مفتی وقت ثناء اللہ مدنی صاحب (جو کچھ عرصہ پہلے فوت ہوئے) اپنے فتاویٰ میں ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: ''لیکن اس کی سند میں ضعف ہے، اس میں دو راوی محمد بن ثابت العبدی اور شہر بن حوشب ضعیف ہیں'' (فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۲،ص:۳۳۵)

☆...... غیر مقلدین کے مولانا منیر قمر صاحب احناف کی ایک روایت کے جواب میں لکھتے ہیں: ''لیکن یہ حدیث اپنی سند کے ایک راوی شہر بن حوشب کے کثیر الارسال اور اوہام ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے'' (فقہ الصلوٰۃ نماز نبوی مدلل ص:۵۳۲)

حاصل یہ کہ شہر بن حوشب راوی غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف اور مجروح ہے اور مختلف جرحوں کے علاوہ ان پر سئی الحفظ کی جرح بھی موجود ہے حالانکہ سئی الحفظ کی جرح غیر مقلدین کے نزد جرح مفسّر ہے چنانچہ امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں: ''**والحاصل ان الجرح فيه مفسر وهو كونه سيء الحفظ**'' (فتاویٰ الدین الخالص ج:۵،ص:۴۲۸)

یعنی حاصلِ بحث یہ کہ اس پر جرح مفسّر ہے اور وہ یہ کہ وہ سئی الحفظ (خراب حافظہ) تھے۔

تو غیر مقلدین کے مناظر اور مفتی عبد القادر حصاری صاحب کا یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ وہ یہ روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''یہ حدیث قوی ہے'' (فتاویٰ حصاریہ ج:۴،ص:۵۶۱)

تو اب انصاف آپ پر ہے کہ حقائق اور دلائل کی روشنی میں اس کو ''ضعف یسیر'' کہنا صحیح ہے؟؟؟

<u>نوٹ:</u> شہر بن حوشب کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کے تعارف کے لئے درج ذیل کتب دیکھئے:

(تہذیب الکمال ج:۳،ص:۴۰۹،تقریب التہذیب ص:۱۴۷،مقدمہ مسلم ص:۱۳، الجرح والتعدیل ج:۴،ص:۳۸۲،میزان الاعتدال ج:۳،ص:۳۸۹،الرقم:۳۷۶۱،سیر اعلام النبلاء ج:۴،ص:۳۷۲،الطبقات ج:۷،ص:۴۴۹،حلیۃ الاولیاء ج:۶،ص:۵۹،البدایہ ج:۹،ص:۳۰۴،تعلیق ذکر اسماء من تکلم فیه وهو موثق للذهبی ص:۱۰۰،بحوالہ تنبیه الخلائق لمولوی عبدالغفور حفظه اللّٰہ)

حاصل بحث یہ کہ یہ راوی بھی ضعیف ہے جس کی وجہ سے مکمل روایت ضعیف ہے! بالفاظِ دیگر اس روایت سے غیر مقلدین کے لئے اپنے اصولوں کے مطابق بھی استدلال جائز نہیں وباللّٰہ التوفیق.

ثالثاً: اس صنف (یعنی خاتون) سے بات نقل کرتے ہیں جس پر خود نمازِ جنازہ فرض نہیں! معلوم ہوتا ہے کہ اسناد میں گڑبڑ ہے......اللّٰہ یرحمنا.

چھٹا شبہ: ’’وعن أمّ عفیفٍ قالت؛ بایعنا رسول اللّٰہ ﷺ حین بایع النّساء، فأخذ علیهنّ أن لا تحدّثن الرّجال الّا محرمًا، وأمرنا أن نقرأ علی میّتنا بفاتحة الکتاب‘‘ (مجمع الزوائد ج:۳، ص:۱۳۸،فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۲۰۹،فتاویٰ حصاریہ ج:۴،ص:۵۶۱)

ام عفیفؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی جب وہ خواتین کی بیعت فرما رہے تھے......اور ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ ہم اپنے مُردوں پر سورۃ الفاتحہ پڑھیں۔

جواب: اولاً: یہ روایت نہایت ہی ضعیف ہے کیونکہ اس کے دو راوی سخت ضعیف ہیں:

(۱) عبدالمنعم ابوسعید (۲) صلت بن دینار

(۱) پہلا راوی ’’**عبد المنعم ابو سعید**‘‘ ہے:

☆......حافظ مزیؒ (المتوفی:۷۴۲ھ) اس راوی کے متعلق فرماتے ہیں:

’’عبد المنعم بن نعیم الأسواری أبو سعید البصری صاحب السقاء.

روی عن؛ سعید الجریری، والصلت بن دینار، ویحی بن مسلم (ت)

روی عنه؛ حسان بن ابراهیم الکرمانی، وعقبة بن مکرم العمی، ومحمّد بن أبی بکر المقدمی، ومعلی بن أسد (ت) ویونس بن محمّد المؤدب (ت)

قال البخاریّ، وأبو حاتم؛ منکر الحدیث، وقال النّسائی؛ لیس بثقة، وقال الحاکم أبو أحمد؛ لیس بالقوی عندهم‘‘ (تہذیب الکمال ج:۵،ص:۵،رقم الترجمہ:۴۱۶۷،مکتبہ وحیدیہ پشاور)

☆......حافظ ذہبیؒ (المتوفی:۷۴۸ھ) اس پر یوں جرح کرتے ہیں:

"قال البخاریّ؛ منکر الحدیث، وقال الدارقطنی وغیرہ؛ ضعیف، وقال النّسائی؛ لیس بثقة" (میزان الاعتدال ج:۴،ص:۴۲۰،رقم الترجمہ:۵۲۷۷،مکتبہ رحمانیہ لاہور)

قصہ مختصر: درج ذیل کتب میں بھی ان پر جرح ہوئی ہے:

(تہذیب التہذیب ج:۴،ص:۴۳۹، تقریب التہذیب ص:۴۲۶، خلاصہ تہذیب الکمال ج:۲، ص:۳۲۵، الکاشف ج:۲،ص:۲۱۷، التاریخ الکبیر ج:۶،ص:۱۳۷، التاریخ الصغیر ج:۲،ص:۲۲۳، الجرح والتعدیل ج:۶،ص:۳۵۲،لسان المیزان ج:۷،ص:۲۹۳)

(۲) دوسرا راوی "**صلت بن دینار**" ہے۔

ان کے متعلق بھی حافظ مزیؒ (المتوفی:۷۴۲ھ) فرماتے ہیں: **"الصلت بن دینار الأزدی الھنائی، أبو شعیب البصریّ المعروف بالمجنون.**

روی عن؛ أنس بن سیرین والحسن البصریّ وشھر بن حوشب وعبداللّٰہ بن شقیق العقیلی......

روی عنہ؛ جعفر بن سلیمان الضبعی وداؤد بن الزبرقان وسعد بن الصلت البجلی...... وعبدالمنعم بن نعیم السقاء...... قال أبوطالب عن أحمد بن حنبل؛ متروک الحدیث، ترک النّاس حدیثه. وقال عباس الدّوریّ وغیر واحد، عن یحی بن معین؛ لیس بشیءٍ. وقال عمرو بن علیٍّ؛ کثیر الغلط، متروک الحدیث، کان یحی وعبدالرحمٰن لا یحدثان عنه. وقال ابراھیم بن یعقوب الجوزجانی؛ لیس بقویّ فی الحدیث. وقال ابوزرعة: لین. وقال أبو حاتم؛ لین الحدیث الی الضّعف، ما ھو مضطرب الحدیث.

وقال البخاریّ؛ کان شعبة یتکلّم فیه. وقال أبوداؤد؛ ضعیف. وقال التّرمذیّ؛ قد تکلّم بعض أھل العلم فیه. وقال النّسائی؛ لیس بثقة. وقال أبو أحمد بن عدیّ؛ لیس حدیثه بالکثیر، وعامة ما یرویه ممّا لا یتابعه النّاس علیه. وقال یعقوب بن سفیان؛ مرجئ، ضعیف، لیس حدیثه بشیء" (تہذیب الکمال ج:۳،ص:۴۶۴،رقم:۲۸۸۳،مکتبہ وحیدیہ پشاور)

☆......حافظ ذہبیؒ (المتوفی:۷۴۸ھ) نے بھی ان پر جرح نقل کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

'الصلت بن دینار (ت.ق) أبو شعیب المجنون، بصری لین، عن أبی عثمان النھدی

وغیرہ. قال ابن معین فی جواب سؤال عبد اللّٰہ بن أحمد؛ لیس بشیء. وقال أحمد؛ متروک. وقال الفلاس؛ کان یحی وابن مھدی لا یحدثان عنه. وقال البخاریّ؛ کان شعبة تکلم فیه. وقال الجوزجانی؛ لیس بقوی. وکذا قال الدّارقطنی وقال النّسائی؛ لیس بثقة'' (میزان الاعتدال ج:۳،ص:۴۳۶،رقم:۳۹۱۱،مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ بصری ہے اور کمزور ہے''، ابوعثمان نہدیؒ وغیرہ سے روایات نقل کی ہیں، یحی بن معینؒ عبداللہ بن احمدؒ کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ''یہ کوئی چیز نہیں''، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ متروک (محدثین نے ان کو چھوڑا) ہے''، فلاسؒ فرماتے ہیں کہ ''یحیؒ اور ابن مہدیؒ اس سے حدیث روایت نہیں کرتے تھے''، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ''شعبہؒ نے اس کے بارے میں کلام (ضعف کا قول) کیا ہے''، جوزجانیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ قوی نہیں ہے''، اسی طرح دارقطنیؒ نے فرمایا ہے اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ ثقہ نہیں ہے''

خلاصہ یہ کہ یہ راوی بھی غیر مقلدین کی طرح غیر ثقہ اور ناقابل اعتبار ہے۔

ثانیاً: علامہ ہیثمیؒ (المتوفی:۸۰۷ھ) خود اس روایت سے متصل اس کے ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں مگر افسوس بعض غیر مقلدین پر جو آدھی بات ذکر کرتے ہیں! حالانکہ اس کے بعد یہ حکم مذکور ہے: ''**رواہ الطبرانیّ فی الکبیر وفیه عبد المنعم أبو سعیدٍ، وھو ضعیفٌ**''

ثالثاً: مولانا عبدالرؤف صاحب غیر مقلد اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس کی سند عبدالمنعم حرانی اور صلت بن دینار کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے کیونکہ یہ دونوں متروک ہیں دیکھیں تقریب'' (القول المقبول ص:۷۰۷)

اور غیر مقلدین کے محقق ابویزید عبدالقاہر صاحب لکھتے ہیں: ''**فی سنده عبد المنعم والصلت بن الدینار وکلاھما ضعیفان**'' (التحقیقات ص:۵۷۸)

رابعاً: اس روایت میں غیر مقلدین مسئلہ ذکر کرنے والی ایک خاتون امّ عفیفؓ سے فرضیت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر وہ خود اپنی خواتین پر نمازِ جنازہ کیوں نہیں پڑھواتے......؟؟؟

اس کے علاوہ اور بھی کافی علتیں موجود ہیں یعنی اس میں غیر مقلدین کا پورا دعویٰ نہیں وغیرہ وغیرہ لیکن بس اسی پر اکتفاء کرلیتے ہیں۔

حاصل یہ کہ غیر مقلدین کا ضعیف حدیث سے اپنے اصولوں کی خلاف ورزی کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے فرضیت کا حکم ثابت کرنا محض سینہ زوری ہے جو کہ حقائق سے بہت بعید ہے۔

ساتواں شبہ: علامہ ہیثمیؒ (المتوفی:۸۰۷ھ) اپنی کتاب میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

''**وعن أسماء بنت يزيد قالت؛ قال رسول الله ﷺ اذا صلّيتم على الجنازة فاقرء وا بفاتحة الكتاب. رواه الطبراني في الكبير، وفيه معلّى بن حمران؛ ولم أجد من ذكره، وبقيّة رجاله موثّقون، وفي بعضهم**'' (مجمع الزوائد ج:۳،ص:۱۳۷،فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۲۱۰،صلوٰۃ النبی ﷺ ص:۸۰،از عبدالرحمٰن)

جواب: یہ روایت بھی غیر مقلدین کے لئے قابل استدلال نہیں:

اولاً: اس میں غیر مقلدین کا پورا دعویٰ اور عمل نہیں ہے۔

ثانیاً: یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند کے دو راوی ضعیف ہیں ان میں ایک ''**شهر بن حوشب**'' ہے جس کے متعلق تفصیلی کلام پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسرا راوی ''**محمد بن حمران**'' ہے، اگرچہ علامہ ہیثمیؒ نے ان کا نام ''معلّٰی بن حمران'' ذکر کیا ہے مگر یہ ان سے خطاء ہوئی ہے، صحیح نام ''محمد بن حمران'' ہے جیسا کہ محققین نے اس کی تصریح کی ہے۔

اس کا تعارف ملاحظہ فرمائیے:

''**محمد ابن حمران بن عبد العزيز القيسي بقاف أبو عبد الله البصريّ......**''

☆......''امام نسائیؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

''**وقال النّسائيّ؛ ليس بالقوى**'' (خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال ص:۳۳۳)

☆......حافظ ابن جوزیؒ (المتوفی:۵۹۷ھ) نے بھی امام نسائی کا اسی طرح قول نقل کیا ہے دیکھئے (کتاب الضعفاء والمتروکین ج:۳،ص:۵۳،رقم:۲۹۵۶،بحوالہ تنبیہ الخلائق ص:۱۳۰)

☆......حافظ مزیؒ (المتوفی:۷۴۲ھ) نے بھی امام نسائی کی اسی طرح جرح نقل کی ہے دیکھئے (تہذیب الکمال ج:۶،ص:۲۸۴،رقم:۵۷۵۳)

☆......حافظ ذہبیؒ (المتوفی:۷۴۸ھ) نے بھی امام نسائی سے یہ جرح نقل کی ہے دیکھئے (میزان الاعتدال ج:۶،ص:۱۲۵،رقم:۷۴۵۳)

☆......علی بن المدینیؒ فرماتے تھے:

''یتّقی ھذا الشیخ (ابو زرعة الرازی)'' (حاشیہ تہذیب الکمال ج:۶،ص:۲۸۴)

☆......حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ''محمد بن حمران ابن عبد العزیز القیسی البصری صدوق فیه لین من التاسعة'' (تقریب التہذیب ص:۲۹۵)

☆......اسی وجہ سے امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے بھی یہ اقرار کیا ہے: ''یہ روایت اگرچہ متکلم فیہ ہے لیکن دیگر روایات اس کی مؤید ہیں'' (الحق الصریح ج:۶،ص:۵۰۸)

تو امین اللہ پشاوری صاحب نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے اگرچہ اپنا کمزور مسلک ثابت کرنے کے لئے ایک بہانہ اختیار کیا کہ اس کی مؤیّد روایات موجود ہیں۔

قصہ مختصر: یہ روایت بھی دیگر روایات کی طرح غیر مقلدین کے لئے نفع بخش نہیں ہے۔

آٹھواں شبہ: ''حدّثنا أحمد بن منيعٍ قال؛ حدّثنا زيد بن حبابٍ، قال؛ حدّثنا ابراهيم بن عثمان، عن الحكم، عن مقسمٍ، عن ابن عبّاسٍ، أنّ النّبيّ ﷺ قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب (سنن الترمذی ج:۱،ص:۱۹۹،سنن ابن ماجہ)'' (مکمل نماز ص:۲۶۹، از عبدالوہاب دہلوی، صلوٰۃ الرسول ص:۴۳۴)

جواب: یہ روایت بھی غیر مقلدین کے لئے مفید نہیں:

اولاً: اس میں غیر مقلدین کا مکمل دعویٰ اور عمل نہیں ہے۔

ثانیاً: اس میں تو نبی کریم ﷺ کا نفسِ فعل ہے! اور نفسِ فعل سے آپ لوگ فرضیت اور وجوب کے قائل ہیں......؟

ثالثاً: اس میں تو صرف سورۃ الفاتحہ کا ذکر ہے جو کہ آپ کے اپنے عمل کے خلاف ہے کیونکہ آپ لوگ صرف سورۃ الفاتحہ ہی نہیں پڑھتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کسی اور سورت کے پڑھنے کے بھی قائل ہیں!

رابعاً: یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ''**ابراهيم بن عثمان ابو شيبة الواسطی**'' منکرِ حدیث ہے بلکہ خود امام ترمذی یہ روایت ذکر کرنے کے بعد اس کے متصل ہی یوں ضعف کا حکم لگاتے ہیں:

''حديث ابن عبّاسٍ ليس اسناده بذالک القوىّ، ابراهيم بن عثمان هو أبو شيبة الواسطىّ منكر الحديث'' (سنن الترمذی)

امام ترمذیؒ نے یہاں مرفوع حدیث پر جرح کی ہے البتہ پھر بعد میں ابن عباسؓ کی موقوف حدیث ذکر کی ہے

مگر چونکہ وہ موقوف حدیث ہے اوراس پر مفصل بحث ہوچکی ہے کہ یہ غیر مقلدین کے لئے حجت نہیں۔

تو غیر مقلدین کا اپنے استدلال کے لئے ادھوری بات کونقل کرنا اور جو اپنے مذہب کے خلاف ہواس کو نقل نہ کرنا واقعی غیر مقلدین ہی کے لائق عمل ہے أللّٰهم اهدنا الصراط المستقيم.

<u>ابـراهيم بن عثمان هو أبو شيبة الواسطی :</u> یہ وہ راوی ہے جو بیس رکعات تراویح والی روایت میں بھی آیا ہے، چونکہ اس پر کلام ہے تو اس موضوع پر وہاں مستقل بحث ہوئی ہے اور ہم نے بھی اپنی کتاب ''تراویح بیس رکعات ہیں بجواب تراویح آٹھ رکعات ہیں (پشتو)'' میں اس پر شاندار بحث کی ہے، اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

اس راوی پر ائمہ جرح وتعدیل نے مفصّل بحث اوراس پرکلام کیا ہے مگر ہم یہاں صرف غیر مقلدین ہی کی کتب پر اکتفاء کرتے ہیں جس میں انہوں نے مذکورہ راوی پر جرح کی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ غیر مقلدین کے امام العصر البانی صاحب (المتوفی:۱۴۲۰ھ) موصوف پر یوں جرح کرتے ہیں:

''**قال الحافظ الزيلعی؛ وهو معلول بأبی شيبة ابراهيم بن عثمان جدّ الامام أبی بكر بن أبی شيبة، وهو متفق علی ضعفه ولينه ابن عدی فی الكامل...... وقال الهيثمی؛ رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط وفيه؛ أبو شيبة وهو ضعيف. وقال الحافظ فی التقريب؛ أبو شيبة ابراهيم بن عثمان متروک. وقال الشيخ ابن الهمام؛ أبو شيبة ابراهيم بن عثمان ضعيف وقال البيهقیّ؛ تفرد به أبو شيبة ابراهيم بن عثمان العبسی الكوفی وهو ضفيف......**'' (صلوۃ التراویح ص:۳۷)

۲۔ امین اللہ پشاوری صاحب نے بھی ان پر جرح نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

''**عن ابراهيم بن عثمان بی شيبة (الصحيح عثمان بن أبی شيبه، الناقل) وهو متروک الحديث كما فی التقريب ويكون حديثه ضعيف جدا وقال البخاری سكتوا عنه واذا قال البخاری فی الرجل هذه الكلمة فلا يحل الرواية عنه عنده كما فی اختصار علوم الحديث لابن كثير وقال ابن حجر الهيتمی فی الفتاوی الكبری ج ۱ ص ۱۹۵ فهذا الراوی شديد الضعف اشتد كلام الأئمة فيه لأنه يروی الموضوعات راجع** '' نصب الرايه وفتح الباری، الحاوی للفتاوی للسيوطی '' **ففی ای موضع تری هذا الحديث فانظر فی سنده هذا**

المتروک ولا یحل العمل بالحدیث الشدید الضعف مثل هذا''(فتاویٰ الدین الخالص)

اوردوسری جگہ بھی اس حدیث پر یوں جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''**وفی اسناده ابراهیم بن عثمان ابو شیبة وهو ضعیف جدًا**''(الحق الصریح ج:۶،ص:۵۰۸)

۳۔ عبدالعزیز نورستانی صاحب نے بھی اس راوی پر جرح کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:''**وأبو شیبة وهو ابراهیم بن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد أبی بکر ابن أبی شیبة کذبه شعبة وضعفه أحمد وابن معین والبخاری والنسائی وغیرهم واورد له ابن عدی هذا الحدیث فی الکامل فی مناکیره، وهو معلول بأبی شیبة ابراهیم بن عثمان جد الامام أبی بکر بن أبی شیبة، وهو متفق علی ضعفه ولینه ابن عدی فی الکامل**''(پیغمبر ﷺ کی نماز (پشتو)ص:۳۹۳)

۴۔ غیرمقلدین کے محقق ومفکر ابو یزید عبدالقاہر صاحب ایک اثر کے متعلق لکھتے ہیں:''یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابوشیبہ العبسی ابراہیم بن عثمان ہے، امام ذہبیؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں''ساقط (المغنی فی الضعفاء ج:۲،ص:۵۹۱)''اور پھر تفصیلی جرح نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:''مطلب یہ کہ ابوشیبہ ضعیف اور ساقط راوی ہے تو اس کی حدیث کیونکر دلیل بنائی جائے؟''(التحقیقات ص:۲۵۲)

۵۔ زبیر علیزئی صاحب غیرمقلد لکھتے ہیں:''حالانکہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان مذکور کو متعدد علماء نے متروک الحدیث اور منکر الحدیث وغیرہ لکھا ہے''(قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص:۴۳)

۶۔ مولانا عبدالرؤف صاحب غیرمقلد لکھتے ہیں:''اس کی سند میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے جس کی وجہ سے یہ سند سخت ضعیف ہے''(القول المقبول ص:۷۰۶)

۷۔ مولانا منیر قمر صاحب غیرمقلد لکھتے ہیں:''امام بیہقی نے اس روایت کو وارد کر کے آخر میں لکھا ہے کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی اس میں منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے اور تہذیب الکمال میں مزی لکھتے ہیں امام احمد، یحی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے، امام نسائی اور دولابی نے کہا ہے کہ یہ متروک الحدیث ہے اور ابوحاتم نے کہا ہے (**ضعیف الحدیث سکتوا عنه**) یہ حدیث بیان کرنے میں ضعیف وکمزور ہے اور محدثین اس سے روایت بیان کرنے سے سکوت کئے ہوئے ہیں اور صالح نے کہا ہے کہ وہ ضعیف تھا اس کی بیان کردہ حدیث نہ لکھی جائے...... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب التہذیب میں اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے (التقریب ص:۶۵)''(تراویح کے احکام ومسائل ص:۴۵-۴۶، ناشر مکتبہ محمدیہ پشاور)

جب خود غیر مقلدین کے نزدیک یہ حدیث بھی یہ روایت ضعیف ہے تو آخر وہ کیوں ایسی ضعیف اور مردود السند حدیث سینہ زوری سے ہمارے خلاف پیش کرتے ہیں؟؟؟

خلاصہ: یہ روایت غیر مقلدین کے نزد بھی ضعیف اور نا قابل استدلال ہے۔

نواں شبہ: ''**حدّثنا محمّد بن بشّارٍ، حدّثنا غندرٌ، حدّثنا شعبةُ عن سعدٍ، عن طلحة قال؛ صلّيت خلف ابن عبّاسٍؓ ح حدّثنا محمّد بن كثيرٍ، أخبرنا سفيان عن سعد بن ابراهيم عن طلحة بن عبد اللّٰه بن عوفٍ، قال؛ صلّيت خلف ابن عبّاسٍؓ على جنازةٍ فقرأ بفاتحة الكتاب قال؛ ليعلموا أنّها سنّةٌ** (صحیح البخاری ج:۱ص:۱۷۸)'' (مکمل نمازِ جنازہ ص:۱۷، صلوٰۃ الرسول ص:۴۳۴)

جواب: یہ غیر مقلدین کی وہ مرکزی دلیل ہے جس سے وہ اپنا مسلک ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے اس حدیث اور غیر مقلدین کے عمل کا موازنہ کرنے کے لئے اس پر ان شاء اللہ ذرا تفصیل سے گفتگو کریں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں حق کے دفاع اور اس پر عمل کرنے اور باطل سے بچاؤ کی توفیق عطا فرمائے۔

اولاً: سنن نسائی میں مکمل روایت موجود ہے، مکمل روایت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا عام معمول نہ تھا، اس لئے کہ جب عباسؓ نے سورۃ الفاتحہ پڑھی تو حضرت طلحہؓ نے ان سے تعجب سے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے متعلق پوچھا، اگر اس کا پڑھنا عام معمول اور طریقہ تھا تو پھر تعجب کے انداز میں سوال نہ کرتے! اور صحابہ کرامؓ سے یہ سنت کیونکر چھپی رہتی؟؟؟ اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے:

''**حدّثنا محمّد بن بشّارٍ، قال حدّثنا محمدٌ، قال حدّثنا شعبةٌ، عن سعد بن ابراهيم عن طلحة بن عبد اللّٰه، قال؛ صلّيت خلف ابن عبّاسٍؓ، على جنازةٍ فسمعته يقرأ بفاتحة الكتاب، فلمّا انصرف أخذت بيده فسألته فقلت؛ تقرأ؟ قال؛ نعم أنّه حقٌّ و سنّةٌ**'' (سنن النسائی ج:۱ص:۲۸۱)

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پیچھے جنازہ پڑھا، میں نے انہیں سورۃ فاتحہ پڑھتے سنا، جب وہ جنازے سے فارغ ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ جنازے میں قرأت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں! یہ حق ہے اور سنت ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں یہ مسئلہ عام نہیں تھا اور چونکہ اس زمانہ میں جنگیں زیادہ ہوتی تھیں تو یقیناً جنازے بھی زیادہ ہوتے تو پھر اتنا مشہور مسئلہ کس طرح چھپا رہ سکتا ہے......؟؟؟

اسی وجہ سے امام مالکؒ (المتوفی:۱۷۹ھ) فرماتے ہیں: ''**ليس ذالک بمعمولٍ به ببلدنا انّما هو**

الدّعاء، أدرکت أهل بلدنا علی ذلک''(المدونۃ ج:۱،ص:۱۷۴)

یعنی ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کا معمول نہیں تھا کیونکہ یہ جنازہ تو میت کے لئے ایک دعا ہے (حقیقی نماز تو نہیں جس میں قرأت کی جائے، ناقل) اور میں نے اپنے شہر (مدینہ منورہ) کے لوگوں کا یہی عمل دیکھا ہے۔

ثانیاً: غیر مقلدین جو کہتے ہیں کہ ''صحابی جب ''من السنّۃ'' کہے تو یہ مرفوع کے حکم میں ہے'' تو عرض ہے کہ غیر مقلدین بھائی کیوں اپنے عوام کو تاریکی میں رکھے ہوئے ہیں اور حقائق ان کے سامنے نہیں لاتے......؟؟؟

ہم بار بار اس بات کی تصریح کر چکے ہیں کہ غیر مقلدین کے نزدیک صحابی کا قول حجت نہیں! ان کے قول سے مستحب تک نہیں ثابت کرتے تو پھر یہاں فرضیت کس طرح ثابت کرتے ہیں؟؟ کچھ ہوش اور عقل سے بھی کام لینا چاہیے یا انصاف ان میں بالکل ختم ہو گیا؟؟؟

اگر غیر مقلدین بات کو بہت گھما پھرا لیں اور اپنے اصول (کہ صحابی کا قول حجت نہیں) کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مسلک کو بچانے کے لئے ہزاروں تاویلات کا سہارا لیں پھر بھی ہمارا ایک ہی مطالبہ ہوگا کہ آخر یہ قاعدہ اور اصول اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے؟ یا رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا ہے؟؟ یا یہاں آپ لوگ تقلیدی قاعدے پر عمل کرنے پر مجبور ہو گئے؟؟؟

اگر آپ لوگ کہتے ہیں کہ محدثین نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے تو محدثین نہ تو خدا ہیں اور نہ رسول العیاذ باللہ! جن کی یہ بات آپ لوگ بغیر دلیل شرعی کے مانتے ہیں یا کوئی شرعی دلیل ہے؟؟؟

اگر آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہوا ہے تو اجماع کے لئے امین اللہ پشاوری وغیرہ نے جو شرائط وضع کی ہیں مثلاً اس کا وقت، تاریخ، جگہ اور اشخاص وغیرہ معلوم ہوں تو یہاں پر بھی اپنا اصول رکھیں، اور اس کے ساتھ آپ غیر مقلدین کا یہ بھی اصول ہے کہ اجماع حجت نہیں......! موقع کی مناسبت سے مختصراً چند حوالہ جات ملاحظہ کیجئے:

غیر مقلدین کے نزدیک اجماع حجت نہیں:

☆......وحید الزمان صاحب غیر مقلد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''جب اجماع کوئی چیز ہی نہیں تو قیاس

اصطلاحی جواس کے لئے چوتھی دلیل بنائی گئی ہے اس کی بھی ضرورت نہیں“(عرف الجادی ص:۳۰)

☆...... غیر مقلدین کے شیخ الحدیث عبدالمنان نور پوری ”اشاعتِ خاص“ رسالہ میں لکھتے ہیں: ”یہ جتنی بھی دلیلیں اجماع کی پیش کرتے ہیں بنتی ان میں سے کوئی بھی نہیں“

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ”یہ بھی اجماع کی نفی ہے کہ اجماع ہونا ہی نہیں ہے اور یہ بنائے بیٹھے ہیں“

پھر لکھتے ہیں: ”تو یہ اجماع کی نفی ہے، اس حدیث نے تو اجماع کے پرخچے اڑا دیئے ہیں اور یہ دلیل بنائے بیٹھے ہیں“ (سہ ماہی مجلّہ ص:۴۰-۴۱)

لہٰذا جب غیر مقلدین اجماع کے قائل ہی نہیں تو یہاں کیسے اجماع کے محتاج ہو گئے؟؟؟

فيه كفاية لمن له هداية

صحابی کا ”من السنة“ کا قول: اور پھر یہ قاعدہ اتفاقی اور اجماعی بھی نہیں، غیر مقلدین صرف اپنے مسلک کے بچاؤ کے لئے اس قاعدے کا سہارا لیتے ہیں، اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے:

☆...... شمس الائمہ سرخسیؒ نے اس پر طویل بحث کر کے یہ تسلیم کیا ہے کہ واقعی یہ مسئلہ اختلافی ہے اور اس پر امام شافعیؒ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد سنت نبوی نہیں ہے، اور پھر دلیل کی بنیاد پر کہا ہے کہ صحابی جب سنت کہے تو اس سے مراد ہر جگہ کلی طور پر یہ بات نہیں ہوتی کہ اس سے مراد ضرور سنتِ نبوی ہوگی بلکہ سنتِ صحابہ بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”**فعليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء المهديّين الرّاشدين**“ (سنن ابی داؤد، باب فی لزوم السنة)

تو دیکھئے صحابی کے عمل کو خود پیغمبر پاک ﷺ سنت فرمارہے ہیں......!

یا اسی طرح نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان: ”**من سنّ سنّة خيرٍ فاتّبع عليها فله أجره ومثل أجور من اتّبعه غير منقوصٍ من أجورهم شيئًا**“ (سنن الترمذی:۲/۱۳۴، باب ما جاء فیمن دعا الی هدًی)

تو دیکھئے یہاں پر بھی ”من“ کا لفظ استعمال کیا جو کہ غیر مقلدین کے نزدیک ہر ہر فرد کو شامل ہے!

اسی وجہ سے علماء احناف (کثر اللہ سوادہم) یہ کہتے ہیں کہ مطلقاً سنت کہنے سے مراد یہ نہیں ہوگی کہ یقینی طور پر ضرور بلا قرائن یہ پیغمبر پاک ﷺ کا قول اور فعل ہوگا۔ تفصیلی بحث کے لئے ”اصول السرخسی ج:۱، ص:۳۸۰-۳۸۱“ ملاحظہ فرمایئے۔

☆......حافظ ابن حجرؒ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ اختلافی امر ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''مع أنّ الخلاف عند أهل الحديث وعند الأصوليّين شهيرٌ'' (فتح الباری ج:۳،ص:۲۰۳)

☆......اسی طرح کے اختلاف کا تذکرہ ''تدریب الراوی ص:۳۱۴'' میں بھی موجود ہے۔

☆......خود غیر مقلدین بھی اس میں اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ غیر مقلدین کے فضیلۃ الشیخ مولانا ابوصہیب محمد بن عبدالرحمٰن صاحب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور دورانِ بحث لکھتے ہیں: ''اگرچہ اس میں اہلحدیث اور اہلِ اصول کا اختلاف ہے'' (جنازہ کے احکام ومسائل (پشتو) ص:۲۸۵)

☆......غیر مقلدین کے مفتی وقت ثناء اللہ مدنی صاحب اپنے فتاویٰ میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''صحابہ کا کسی فعل کو ''من السنّة'' کہنا اکثر علماء کے نزدیک مرفوع حدیث کے حکم میں ہے''
(فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۲،ص:۸۶۰)

تو ''اکثر علماء'' کے الفاظ سے اس قاعدے میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔

☆......صحابہ کرامؓ جب سنت نبوی مراد لیتے تو وہ مضاف الیہ استعمال کرتے، چنانچہ صبی بن معبدؒ نے جب نصرانیت سے توبہ کی اور اسلام قبول کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے فرمایا: ''هديت لسنّة نبيّك'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۲۸۹) کہ آپ کو نبی کریم ﷺ کی سنت والی راہ دکھا دی گئی۔

تو دیکھئے یہاں عمر فاروقؓ نے سنت کی تصریح اور اضافت نبی کریم ﷺ کی طرف کی، اگر یہ عام رواج ہوتا تو پھر اضافت کیوں کرتے؟ صرف سنت کہنے پر اکتفاء کرتے......!

☆......اسی طرح ایک اور واقعہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا: ''فسنّة الله وسنّة رسوله ﷺ أحقّ أن تتّبع من سنّة فلان'' (صحیح مسلم ج:۱،ص:۴۰۵)

کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت فلاں سنت سے زیادہ حقدار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔

تنبیہ: یہاں پر فلاں سے مراد ابن عباسؓ ہیں۔

معلوم ہوا کہ ہر جگہ سنت کا اطلاق خاص سنت نبوی ﷺ کو شامل نہیں ہوتا۔

☆......اسی طرح حضرت علامہ کشمیریؒ (المتوفی: ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں: ''وهذا من دأب ابن عبّاسؓ أنّه يطلق على بعض مختاراته لفظ السّنّة، كما فعله فى الاقعاء مع أنّ ابن عمر صرّح بنقيضه وقال؛ انّ الاقعاء ليس بسنّة'' (فیض الباری ج:۳،ص:۵۳)

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ اپنے بعض مختارات پر سنت کا اطلاق کرتے ہیں جیسا کہ اقعاء (ایک مخصوص قسم کا بیٹھنا، ناقل) پر سنت کا اطلاق کیا ہے مگر پھر بھی ابن عمرؓ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ اقعاء سنت نہیں ہے۔

تو دیکھئے یہاں پر ابن عباسؓ اقعاء کو سنت کہتے ہیں جبکہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ سنت نہیں بلکہ یہ ابن عباسؓ کا اپنا اجتہاد ہے مگر پھر بھی ابن عباسؓ اپنے اجتہاد اور عمل پر سنت کا اطلاق کرتے ہیں، اسی طرح ابن عباسؓ کے اس قول ''**لتعلموا أنها سنّة**'' سے بھی سنت رسول ﷺ مراد لینا دلائل مذکورہ کی بنیاد پر صحیح نہیں۔

غیر مقلدین خود پھر ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو سنت کیوں نہیں کہتے باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ نے اس کو سنت کہا ہے......؟

یہی وجہ ہے کہ یہاں پر ''سنّة'' کو بغیر الف ولام کے ذکر کیا ہے، اگر معرفہ ذکر کرتے (یعنی السنّة) تو پھر بھی کچھ کلام نکلتا مگر بغیر الف ولام کے ذکر کرنے سے لغوی معنی (طریقہ) کی طرف اشارہ ہے۔

اور لغت میں ''سنت'' طریقے کو کہتے ہیں جیسا کہ امام لغت مطرّزیؒ (المتوفی: ۶۱۰ ھ) فرماتے ہیں:

''**(السنّة) الطّريقة ومنها الحديث فى مجوس هجر ''سنّوا بهم سنّة اهل الكتاب'' أى أسلكوا بهم طريقهم يعنى؛ عاملوهم معاملة هؤلاء فى اعطاء الأمان بأخذ الجزية منهم**''

(المغرب ج:۱،ص:۲۳۵،تحت: السين مع النون، الناشر: دارالكتاب العربى)

سنت طریقہ کے معنی میں ہے، اس معنی میں مجوسِ ہجر (ایک علاقے کا نام ہے) کے متعلق ایک حدیث ہے ''**سنّوا بهم سنّة اهل الكتاب**'' ان مجوسیوں سے اہل کتاب جیسا طریقہ اختیار کریں یعنی جیسے اہل کتاب سے جزیہ لیتے ہیں اور پھر ان کو امن دیتے ہیں، یہی معاملہ مجوسیوں سے بھی کریں۔

اور ''المعجم الوسیط'' میں یوں درج ہے:

''**(السنن) الطّريقة والمثال يقال بنوا بيوتهم على سنن واحد...... (السنّة) الطّريقة والسيرة حميدة كانت أو ذميمة**'' (المعجم الوسيط ج:۱،ص:۴۵۶، باب السين مع النون، الناشر: دارالدعوة)

(سنن) طریقے اور مثال کے معنی میں ہے، اس معنی میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے گھر ایک طریقہ اور نمونہ پر بنائے ہیں......اور سنت کا معنی طریقہ اور طرزِ زندگی ہے، وہ طریقہ محمود ہو یا مذموم ہو۔

بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ یہاں پر ابن عباسؓ کے سنت کہنے سے مراد سنت نبوی نہیں ہے جیسا کہ غیر مقلدین

کہتے ہیں بلکہ اس سے مراد ایک اور طریقہ ہے جس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے محقق اسلام مفتی ابو یوسف درویش نور اللہ مرقدہ کی کتاب ''کیا نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا ضروری ہے ص:۲ تا ۱۵'' اور ''ماہنامہ نصرۃ العلوم اگست ۲۰۰۶ء'' میں شیخ قارن صاحب دامت فیوضہم کا مضمون ملاحظہ فرمایئے۔

تنبیہ: البتہ جمہور کا مسلک کیا ہے وہ یہاں پر بیان کرنا ہمارا مقصد نہیں بلکہ صرف اس بات کا تذکرہ مقصود ہے کہ یہ قاعدہ اتفاقی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔

ثالثاً: جب یہ مسئلہ اختلافی ہوا تو اس بات کا احتمال ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت ہو، جب اس میں احتمال آ گیا تو غیر مقلدین کا یہ اصول ہے کہ پھر اس سے استدلال باطل ہے! چند حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے:

☆...... غیر مقلدین کے محقق مولانا ابو عدنان منیر قمر صاحب لکھتے ہیں: ''معروف قاعدہ ہے کہ احتمال کے وجود سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے'' (نماز تراویح فضائل و برکات، تعداد رکعات، ازالہ شبہات ص:۵۳)

☆...... غیر مقلدین کے مشہور شارح عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب (المتوفی:۱۳۵۳ھ) نے بھی یہی قاعدہ لکھا ہے، چنانچہ ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں: ''پس اس حدیث سے غسلِ لحیہ مسترسلہ کے وجوب پر استدلال ہرگز صحیح نہیں **لأنّہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**'' (فتاویٰ عبد الرحمٰن مبارکپوری ص:۱۳۱)

☆...... دوسری کتاب میں بھی یہی قاعدہ لکھا ہے دیکھئے (مقالاتِ محدث مبارکپوری ص:۱۸۲)

☆...... یہی قول فتاویٰ نذیریہ میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

☆...... غیر مقلدین کے محقق اور مشہور شارح شمس الحق عظیم آبادی (المتوفی:۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں: ''لہٰذا اس حدیث پر احتمالِ ضعف موجبِ کلیہ مسلّمہ ''**اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**'' ہو گیا'' (مجموعہ مقالات و فتاویٰ علامہ شمس الحق عظیم آبادی ص:۳۳۰)

☆...... امین اللہ پشاوری صاحب ایک بحث کے دوران لکھتے ہیں: ''**فلا استدلال مع الاحتمال**'' (فتاویٰ الدین الخالص ج:۱ ص:۶۹) یعنی استدلال احتمال کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔

☆...... غیر مقلدین کے محقق ابو یزید عبد القاہر صاحب نے بھی اپنی کتاب میں جگہ بہ جگہ یہی قاعدہ لکھا ہے: ''**و اذا تعارضا تساقطا**'' (التحقیقات ص:۶۰۶ وغیرہ)

غیر مقلدین کے گھر کی گواہی سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ یہ روایت بھی غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف اور نا قابل استدلال ہے۔

رابعاً: تمام روایات کا اگر عمیق نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ نچوڑ نکلتا ہے کہ اس سنت سے مراد سنتِ اصطلاحی نہیں ہے (غیر مقلدین کی کتب میں بھی اس طرح کا قول ہے، یہاں پر تفصیل ذکر کرنا فی الحال مانع ہے) اور نہ ہی یہ سورۃ الفاتحہ بطورِ قرأت ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں جیسے مخصوص الفاظ (**سبحانک اللّٰھم**) کے ساتھ ثناء پڑھی جاتی ہے تو اسی طرح اگر کوئی اس مخصوص ثناء کی جگہ سورۃ الفاتحہ پڑھے تو یہ بھی ایک طریقہ ہے، صرف مخصوص ثناء پڑھنا ضروری اور متعین نہیں ہے۔

اسی لئے امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (المتوفی: ۲۳۵ھ) ابن عباسؓ کی ایک روایت ذکر کرتے ہیں:

”**حدّثنا سفیان بن عیینة، عن عمرٍو، عن أبی سعیدٍ، عن ابن عبّاسٍ، أنّه کان یجمع النّاس بالحمد ویکبّر علی الجنازة ثلاثًا**“ (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳،ص:۱۸۳)

یعنی ابن عباسؓ نے لوگوں کو نمازِ جنازہ میں حمد وثناء اور تین تکبیر پر جمع کیا۔

تو یہاں پر قرأت کا ذکر نہیں کیا بلکہ حمد وثناء کا تذکرہ کیا۔

اسی طرح دوسری جگہ آتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا اجتہاد یہ تھا کہ خانہ کعبہ میں جو نماز پڑھی جائے گی تو وہ صرف تکبیر اور تحمید پر مشتمل ہوگی، اس میں رکوع وغیرہ نہیں ہوگا، چنانچہ اپنے شاگرد ابوحمزہ کو خانہ کعبہ میں نماز کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جیسے نمازِ جنازہ پڑھتے ہو اسی طرح خانہ کعبہ میں نماز بھی پڑھو: ”**عن أبی حمزة عن ابن عبّاسٍ قال قلت له کیف أصلّی فی الکعبة؟ قال کما تصلّی فی الجنازة تسبّح وتکبّر ولا ترکع ولا تسجد**“ (فتح الباری ج:۳،ص:۵۹۲)

امین اللہ پشاوری صاحب اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں ”**وسنده صحیح**“ (الحق الصریح: ۶/۵۱۲)

چونکہ ابن عباسؓ کے اجتہاد کے مطابق جیسے خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے میں قرأت، رکوع اور سجدہ نہیں، اسی طرح نمازِ جنازہ میں بھی قرأت، رکوع اور سجدہ نہیں ہے۔

خامساً: جب ابن عباسؓ نے اپنی روایت کے خلاف کیا ہے تو پھر یہ کیونکر حجت ہوئی؟ کیونکہ یہ تو قاعدہ ہے کہ جب راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو وہ حجت نہیں ہوگی جیسا کہ پچھلے صفحات میں ہم تفصیلاً حوالہ جات ذکر کر چکے ہیں بفضلہٖ تعالیٰ۔

بلکہ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی یہ مسلّمہ قاعدہ ہے، مختصراً دو حوالے ملاحظہ فرمائیے:

☆...... شیخ محمد حیات سندھیؒ کو غیر مقلدین اپنی طرح غیر مقلد بلکہ پکا اہلحدیث سمجھتے ہیں اور ان کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں، ملاحظہ کیجئے (تحریک اہلحدیث از قاضی محمد اسلم ص:۱۵۷، تنقید سدید از بدیع الدین راشدی ص:۳۹، پاک وہند میں علماء اہلحدیث کی خدمات از ارشاد الحق اثری ص:۱۹، اہلحدیث ایک صفاتی نام از زبیر علیزئی ص:۱۲۸، آثارِ حنیف ج:۴، ص:۲۵۱، خطباتِ راشدیہ ص:۶۷ وغیرہم)

تو اس مذکور شخص محمد حیات سندھیؒ سے ابو یزید عبدالقاہر صاحب غیر مقلد ایک حوالہ نقل کرتے ہیں کہ: ''**واصل علمائنا اذا خالف الصحابی مرویه فهو یدل علی نسخه**'' (التحقیقات فی ردّ الھفوات ص:۱۵۹)

اور امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد بھی یہی لکھتے ہیں ''**والراوی اذا فعل بخلاف ما روی بیقین، سقط العمل به**'' (فتاویٰ الدین الخالص ج:۷، ص:۱۶۶)

جب راوی کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہو (یعنی خود قرأت نہیں کی) تو یہ بالاتفاق کالعدم ہوگئی۔

تو یہ حدیث بھی غیر مقلدین کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔

<u>سادساً:</u> غیر مقلدین کے محقق ابو یزید عبدالقاہر صاحب ایک حوالے کے متعلق لکھتے ہیں: ''امام سیوطیؒ نے جو موقوف ذکر کیا ہے یہ وہ موقوف ہے جو مرفوع کے حکم میں ہے جیسا کہ صحابی کا قول: أمرنا ونهینا

اور موقوف کی دوسری قسم جو مرفوع کے حکم میں نہیں ہوتی وہ ہے جس کی اضافت رسول اللہ ﷺ کے قول یا فعل یا زمانے کی طرف نہ کی جائے، تو یہ موقوف حجت نہیں'' (التحقیقات ص:۵۱۹)

درج بالا حوالے سے معلوم ہوا کہ صحابی کے قول میں رسول اللہ ﷺ کی طرف اضافت ہوئی ہو تو پھر وہ حجت ہے اور اگر اضافت نہ ہوئی ہو تو پھر حجت نہیں۔

اور یہاں پر رسول اللہ ﷺ کی طرف اضافت نہیں تو غیر مقلدین کے لئے یہ روایت ان کے اپنے اصولوں کے مطابق حجت نہیں۔

<u>سابعاً:</u> اس میں سورۃ الفاتحہ کا ذکر ہے حالانکہ یہ تو آپ کے مذہب کے خلاف حدیث ہے کیونکہ آپ تو صرف سورۃ الفاتحہ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ دوسری سورت کے بھی قائل ہیں۔

<u>ثامناً:</u> اس میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا بطورِ قرأت ہے یا بطورِ ثناء؟ اس روایت میں اس کا کوئی تعین نہیں بلکہ احتمال آ گیا اور جب احتمال آ جائے تو پھر وہ روایت غیر مقلدین کے نزدیک قابل استدلال نہیں ہوتی جیسا کہ

پیچھے حوالہ جات گزر چکے ہیں۔

تاسعاً: ابن عباسؓ کا اس روایت کے خلاف عمل بھی ہم پچھلے صفحات میں ذکر کر چکے ہیں تو ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق یہ ہے کہ ابن عباسؓ سے جس جگہ سورۃ الفاتحہ پڑھنا ثابت ہے وہ بطورِ حمد وثناء ہے اور جس جگہ سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی تو وہاں مراد یہ ہوگی کہ بطورِ قرأت نہیں پڑھی۔

عاشراً: اس حدیث میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا ثابت ہوجائے، پھر بھی تو اس کو سنت کہا گیا ہے حالانکہ غیر مقلدین اس کو فرض اور واجب کہتے ہیں نہ کہ سنت! تو غیر مقلدین اس حدیث کو اپنے لئے کس طرح قابل استدلال گردانتے ہیں؟

الحادی عشر: اس روایت میں سفیان ثوریؒ راوی موجود ہے اور ان کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہے کیونکہ سفیان ثوریؒ بھی نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے:

ان الثّوریّ کان یری ان لا یقرأ فی الصّلاۃ علی الجنازۃ شیء من القرآن انّما هو ثناء علی اللّٰہ تعالی و دعاء'' (فقہ سفیان الثوری ص:۵۸۵)

حافظ ابن عبدالبرؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) فرماتے ہیں: ''**وقال الثّوریّ یستحبّ أن یّقول فی أوّل تکبیرۃٍ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ**'' (الاستذکار ج:۳،ص:۵۶۶)

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ پہلی تکبیر میں ''**سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ**'' پڑھنا مستحب ہے۔

اسی طرح امام ترمذیؒ (المتوفی:۲۷۹ھ) فرماتے ہیں: ''**وقال بعض أھل العلم؛ لا یقرأ فی الصّلاۃ علی الجنازۃ، انّما هو ثناءٌ علی اللّٰہ، والصّلاۃ علی النّبیّ ﷺ والدّعاء للمیّت، وھو قول الثّوریّ وغیرہ من أھل الکوفۃ**'' (ترمذی ج:۱،ص:۱۲۲)

بعض اہل علم (محدثین اور مجتہدین) فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ تو اللہ کی ثناء ہے، نبی کریم ﷺ پر درود ہے اور میت کے لئے دعا ہے اور یہی قول اہل کوفہ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ (جیسے علم کے پہاڑ علماء) کا ہے۔

تو یہاں پر امام ترمذیؒ نے اس بات کی تصریح کی کہ سفیان ثوریؒ قرأت کے قائل نہیں تھے اور اسی طرح ابتدائی صفحات میں ابن بطالؒ اور علامہ عینیؒ وغیرہما کی شہادت بھی گزر چکی ہے کہ واقعی سفیان ثوریؒ قرأت کے قائل نہیں تھے۔

بلکہ خود غیر مقلدین کے فضیلۃ الشیخ مولانا ابوصہیب محمد بن عبدالرحمٰن صاحب بھی اعتراف کرتے ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

تو جب راوی کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف ہو تو وہ پچھلے صفحات میں بیان کردہ قاعدے کے مطابق دلیل نہیں ہو سکتی......**فافهم و تدبّر!**

الثانی عشر: یہ ابن عباسؓ کا قول ہے، اس میں نبی کریم ﷺ کا امر اور حکم تو نہیں ہے حالانکہ پہلے بھی اس پر باحوالہ بحث ہو چکی ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک صحابی کا قول حجت نہیں ہے تو یہاں پر کیونکر اپنے لئے حجت سمجھتے ہیں......؟

تو غیر مقلدین کا اپنے مخصوص نظریئے کے مطابق سورۃ الفاتحہ کو فرض ثابت کرنے اور مخالف کے سورۃ الفاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے اس کی نماز کے نہ ہونے کے لئے ایسی کمزور روایت سے استدلال کرنا علمی یتیمی ہے جو کہ غیر مقلدین کو نصیب ہوئی ہے ورنہ غیر مقلدین کے مدّعا پر یہ پوری منطبق نہیں ہوتی بلکہ الٹا یہ حدیث غیر مقلدین کے خلاف ہے جیسا کہ اس پر بحث گزر چکی۔

الثالث عشر: اب ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ ایسی بہت سی اشیاء کو اسلاف نے سنت کہا ہے مگر آپ لوگ پھر بھی اس کے خلاف عمل کرتے ہیں اور اسلاف سے مراد بقول امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد صحابہ اور تابعین ہیں۔

☆......حافظ ابن عبدالبرؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) فرماتے ہیں: ''**وقال الثوریّ یستحبّ أن یّقول فی أوّل تکبیرۃٍ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ**'' (الاستذکار ج:۳،ص:۵۶۶)

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ پہلی تکبیر میں ''**سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ**'' پڑھنا مستحب ہے۔

دیکھئے یہاں پر سفیان ثوری نے ''**سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ**'' کو مستحب کہا ہے تو پھر غیر مقلدین سورۃ الفاتحہ کو ''**سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ**'' کی جگہ سنت کہنا شروع کر دیں۔

اگر معترض یہ اعتراض کرتا ہے کہ یہ قاعدہ صرف صحابہ کے متعلق ہے اور سفیان ثوریؒ صحابی نہیں ہیں تو مہربانی کر کے جابجا تقلید سے کام نہ لیں بلکہ دلیل شرعی پیش کریں......!**هل من مبارز**......؟؟؟

☆......ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب غیر مقلد ایک حدیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سنت یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ اور دعائیں آہستہ پڑھی جائیں ''**سرًّا فی نفسه**'' (اور پھر اس حدیث کی تخریج میں

زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد یوں لکھتے ہیں) صحیح نسائی، الجنائز باب الدعاء، حدیث ۱۹۹۱، **وھو حدیث صحیح**، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۰۴-۳) میں اسے صحیح کہا ہے، المنتقی لابن الجارود: ۵۴۰، **وسندہ صحیح** ''(نمازِ نبوی ص: ۳۶۷)

☆......عبد الرحمن مبارکپوری صاحب غیر مقلد بھی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''اسناد اس حدیث کی صحیح ہے'' (کتاب الجنائز ص: ۵۳)

اس حوالہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ جنازہ آہستہ آواز سے کیا جائے اور اس پر سنت کا اطلاق ہوا ہے۔

☆......امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد بھی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''**فھذا الحدیث یدل علی مسئلتین: (ا) ان الاسرار سنة......الخ** '' (فتاویٰ الدین الخالص ج: ۷، ص: ۱۶۷)

کہ یہ حدیث دو مسائل پر دلالت کرتی ہے ایک یہ کہ بے شک آہستہ آواز سے جنازہ پڑھنا سنت ہے۔

☆......غیر مقلدین کے مفتی اور مناظر مبشر ربانی صاحب نے بھی یہی حدیث عربی متن کے ساتھ نقل کی ہے اور پھر آخر میں لکھتے ہیں:

''ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت آہستہ کرنا مسنون ہے'' (آپ کے سوال قرآن وسنت کی روشنی میں ص: ۲۲۳-۲۲۴)

ہماری عرض یہ ہے کہ پھر کیوں غیر مقلدین اس پر عمل نہیں کرتے اور ہر جگہ نمازِ جنازہ بالجہر کرتے ہیں؟

ایک اہم بات: غیر مقلدین کے محقق عبد الغفار محمدی صاحب لکھتے ہیں:

''دونوں مقلدین حنفی (بریلوی، دیوبندی) امام صاحب سے یہ بھی ثابت کریں کہ وہ درودِ ابراہیمی پڑھتے تھے نہ مطلق درود'' (حنفیوں کے سوالات اور ان کے جوابات ص: ۶۱۸)

تو خود غیر مقلدین کے لئے سورۃ الفاتحہ کو بطورِ قرأت ثابت کرنا ایسا ہے جیسا کہ آسمان سے تارے توڑ کر لانا! نہ ثابت کر سکتے ہیں اور نہ ضد کی وجہ سے چھوڑ سکتے ہیں! ہم بھی غیر مقلدین سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے ہی اصولوں کے مطابق ہمیں صراحۃً سورۃ الفاتحہ کا ذکر دکھا دیں، مطلق اللہ کی حمد کے بارے میں بات نہیں چلے گی......!

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

خلاصۃ الدلائل:

تمام بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ غیر مقلدین کے پاس اپنے مؤقف پر ایک بھی صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں ہے جس میں ان کا مکمل دعویٰ موجود ہو اور نہ کرنے والوں کی نماز کو باطل ثابت کرے، ایسی کوئی حدیث نہیں ہے اور جو احادیث یہ پیش کرتے ہیں تو ان میں سے کچھ صریح نہیں ہیں اور اکثر ضعیف ہیں۔

☆......اسی وجہ سے حافظ ابن قیمؒ (المتوفی:۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

''**ویذکر عن النّبیّ ﷺ أنّه أمر أن یقرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب. ولا یصحّ اسناده**''
(زادالمعاد ج:۱،ص:۴۸۶،فصل أنه ﷺ لم یکن یصلّی علی المدین)

فرماتے ہیں کہ اس باب میں لوگ جو روایت پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے تو اس روایت کی اسناد صحیح نہیں ہے۔

سبحان اللہ! ان کی یہ بات سو فیصد صحیح ہے جیسا کہ ہم اس پر مفصل باحوالہ بحث کر چکے ہیں اور خود قارئین کرام بھی اس کی گواہی دیں گے کہ واقعی ایسی ایک بھی صحیح صریح حدیث نہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے کسی صحابی کو نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو۔

☆......حافظ ابن تیمیہؒ اس کو مستحب کہتے ہیں:''**والأشبه أنّها مستحبّةٌ لا تکره ولا تجب فانّه لیس فیها قرآنٌ غیر الفاتحة فلو کانت الفاتحة واجبةً فیها کما تجب فی الصّلاة التّامّة لشرع فیها قراءةٌ زائدةٌ علی الفاتحة......**''(مجموع الفتاویٰ ج:۱۱،ص:۲۹۸)

یعنی نص سے زیادہ مشابہ بات یہ ہے کہ یہ مستحب ہے، نہ تو مکروہ ہے اور نہ ہی واجب! کیونکہ اس میں سورۃ الفاتحہ کے علاوہ باقی قرآن کا کوئی حصہ واجب نہیں ورنہ اگر نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ عام نمازوں کی طرح واجب ہو جائے تو پھر سورۃ الفاتحہ کے علاوہ مزید قرأت بھی واجب ہو جائے گی۔

☆......غیر مقلدین کے محقق اور شارح الحدیث مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب (المتوفی:۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں:''**قال بن القیّم قال شیخنا ابن تیمیّة لا یجب قراءة الفاتحة فی صلاة الجنازة بل هی سنّة انتهی قلت الحقّ مع الشّیخ ابن تیمیّة واللّٰه أعلم**''(عون المعبود ج:۸،ص:۳۵۱)

ترجمہ:''ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ واجب نہیں

بلکہ سنت ہے، میں (عظیم آبادی) کہتا ہوں کہ حق ابن تیمیہؒ کے ساتھ ہے واللہ اعلم۔

غیر مقلدین نے جو ضعیف روایات پیش کی ہیں، ان روایات کو دیکھتے ہوئے مجھے غیر مقلدین کے محقق عبدالرؤف صاحب کی ایک تحریر یاد آئی جس میں وہ اپنے ہم مسلک غیر مقلدین سے یوں شکوہ کناں ہیں:

''مگر آج ہمارا معاملہ ان کے بالکل برعکس ہے، ہم کسی حدیث کی صحت اور ضعف معلوم کرنے کے بارے میں تحقیق اور چھان بین تو کیا کریں گے بلکہ ہم تو اس معاملہ میں اس قدر تنزل اور انحطاط کا شکار ہو چکے ہیں کہ اگر ہمیں یہ بتا بھی دیا جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے تو اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اس سلسلے میں بعض واقعات پیش بھی آئے اور بعض واقعات سننے میں بھی آئے، ان میں دو واقعات درج ذیل ہیں:

<u>پہلا واقعہ:</u> یہ واقعہ میں نے ایک فاضل دوست سے سنا ہے انہوں نے بیان کیا کہ کسی مجلس میں ایک مولانا نے ایک حدیث بیان کی، حاضرین مجلس میں سے کسی صاحب نے کہا کہ مولانا! یہ حدیث ضعیف ہے، مولانا کو اس حدیث ''**لا یشکر اللّٰہ من لا یشکر النّاس** '' کے مطابق ان صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا مگر ہوا یہ کہ مولانا نے ایسا غیر معمول جواب دیا کہ جسے ذکر کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، انہوں نے کہا: **نحن اھل الحدیث ولسنا اھل بعض الحدیث** ''(القول المقبول ص:۳۴-۳۵)

<u>غیرِ مقلدین کے اصول کے مطابق بھی قرأت نہیں:</u>

غیر مقلدین کا اصول ونظریہ ملاحظہ فرمایئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں یا نہ پڑھنے سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا:

☆......غیر مقلدین کا نظریہ ہے:

''جس سے نمازِ جنازہ کی ایک یا دو تکبیر رہ جائیں تو امام کے ساتھ تکبیر میں شامل ہو جائے اور جب امام فارغ ہو جائے تو صرف چھوٹ جانے والی تکبیریں کہے یعنی **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر** اور پھر سلام پھیر دے لیکن اس میں ثناء اور درود وغیرہ نہ پڑھے'' (تحفۃ السجن ص:۱۶۹، وفی نسخہ ص:۱۲۳)

عرض یہ ہے کہ اگر سورۃ الفاتحہ پڑھنا فرض ہے، پھر تو آخر میں یہ فرض ادا کرنا چاہئے اور سورۃ الفاتحہ پڑھنا کسی صورت نہیں چھوڑنا چاہئے۔

معلوم ہوا کہ یہ فرض نہیں ہے۔

☆......حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: ''انّ النّبیّ ﷺ **قد قرء علی الجنازة أربع مرّات الحمد للّٰہ ربّ العالمین** '' (رواہ الطبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد ج:۳، ص:۳۲)

اس حدیث کی روشنی میں غیر مقلدین سے درخواست ہے کہ آئندہ چار مرتبہ قرأت کریں اور وہ بھی صرف ''**الحمد للّٰہ ربّ العالمین**'' نہیں بلکہ پوری سورۃ الفاتحہ کی۔

دونوں طرف سلام پھیرنا

احناف کے دلائل آفتاب کی طرح روشن اور واضح ہیں جنہیں یہاں درج کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ موضوع زیر بحث نہیں اور نہ ہی اس کا یہاں کوئی مناسب موقع ہے جس پر تفصیلی بحث کی جائے، ان شاء اللہ اس بحث کو کسی دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھتے ہیں البتہ یہاں غیر مقلدین کے الزامی حوالہ جات ذکر کرتے ہیں جن میں ہمارے دلائل بھی درج ہیں۔

غیر مقلدین کا مسلک: اس مسئلہ میں غیر مقلدین کا کیا مذہب ہے؟ یہ بھی حوالوں کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے تاکہ موازنہ کرنے میں آسانی رہے:

غیر مقلدین کے مجتہد العصر اور محقق زبیر علیزئی صاحب لکھتے ہیں: ''پھر دائیں طرف ایک سلام پھیر دیں'' پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں ''تنبیہ: نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنا نبی ﷺ اور صحابہ سے ثابت نہیں ہے...... امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص جنازے میں دو سلام پھیرتا ہے وہ جاہل ہے وہ جاہل ہے (مسائل ابی داؤد عن الامام احمد ص:۱۵۴، وسندہ صحیح)'' (ماہنامہ الحدیث شمارہ: ۱۷، ص:۳۶ مختصر نمازِ نبوی ص:۳۲)

محمد ابراہیم ربانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ہماری تحقیق کے مطابق قرآن وحدیث اور اجماع کی رو سے نماز جنازہ میں ایک ہی جانب سلام پھیرنا راجح ہے جبکہ دونوں طرف سلام پھیرنے کی جمیع روایات اصول حدیث واسماء الرجال کی روشنی میں ضعیف ہونے کی بناء پر ناقابل عمل ہیں'' (رسالہ انوار الحدیث شمارہ نومبر تا دسمبر ۲۰۱۸ء، ص:۴۲)

دونوں طرف سلام پھیرنے والوں کو جاہل کہنے والے اندھی تقلید کے مرتکب ہیں، ذرا آنکھیں کھولیں اور اپنے بزرگوں کے حوالہ جات دیکھیں کہ اپنے کن کن بزرگوں کو جاہل کہہ رہے ہیں......؟؟

زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد کے شاگرد حافظ ندیم ظہیر صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ جنازے میں ایک ہی سلام پھیرا جائے کیونکہ مرفوع احادیث، عمل صحابہ وتابعین اور جمہور اہل علم کا اتفاق اسی بات کی دلیل ہے اور اس برعکس غیر ثابت روایات ہیں جو قابل حجت واستدلال نہیں'' (نمازِ جنازہ میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ ص:۴۸)

ایک اور کتاب میں بھی ہے کہ انہوں نے ایک سلام کا قول کیا ہے۔ (کنز الحقائق ص:۴۱)

اب آیئے اور غیر مقلدین کے بزرگوں کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے کہ خود غیر مقلدین نے احناف کے ساتھ دشمنی میں اپنے ہی بزرگوں کی کتنی بے عزتی کی ہے، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور اللہ ہمیں ضد وتعصب سے نجات عطا فرمائے۔

الزامی حوالہ جات:

۱۔ امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''دعا کے بعد پھر اللہ اکبر کہے اور پھر ایک طرف سلام پھیر دے جیسے ''مستدرک حاکم:۱/۳۶۰'' میں احادیث آئی ہیں، اسی طرح دوسری جانب سلام پھیرنا بھی ثابت ہے، کبھی یہ کرنا چاہئے اور کبھی وہ (احکام الجنائز، السنن الکبری ج:۴،ص:۴۳)'' (نمازِ جنازہ کی دعائیں، احکام ومسائل (پشتو) ص:۲۲)

۲۔ غیر مقلدین کے محقق مولانا مقبول احمد سلفی صاحب لکھتے ہیں:

''لہٰذا ایک سلام اور دو سلام دونوں عمل جائز ہیں'' (جنازہ کے اہم مسائل واحکام ص:۲۷)

۳۔ ابوعمار سمیع اللہ صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''(نمازِ جنازہ میں، ناقل) پھر سلام پھیرا جائے گا لیکن سلام ایک طرف پھیرنا بہتر ہے......اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرا جائے'' (نماز کا طریقہ، آداب اور احکام (پشتو) ص:۱۶۰-۱۶۱)

۴۔ غیر مقلدین کے محقق عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں: ''اس کے بعد دائیں اور بائیں اسی طرح سلام کہے جس طرح کہ فرض نماز میں سلام کہا جاتا ہے یہ سنت ہے'' (احکامِ جنازہ ص:۹۰)

۵۔ مشہور غیر مقلد داؤد غزنوی صاحب لکھتے ہیں:

''اور اس کے بعد دوسری نمازوں کی طرح دونوں طرف سلام کہو'' (نمازِ مترجم مع ادعیہ مسنونہ ص:۳۵)

۶۔ غیر مقلدین کے محقق عبدالولی عبدالقوی صاحب لکھتے ہیں: ''پھر چوتھی تکبیر کہہ کر تھوڑا سا ٹھہریں اور فرض نماز کی طرح ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہتے ہوئے دونوں طرف سلام پھیر دیں پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف'' (مسائل جنازہ پر ایک تحقیقی نظر ص:۱۳۲، ناشر: انجمن اصلاح معاشرہ انڈیا)

۷۔ غیر مقلدین کے مناظر اور محقق رئیس ندوی صاحب لکھتے ہیں: ''ہمارے نزدیک معتبر روایات کی بنا پر امام کو بالجہر دونوں طرف سلام پھیرنا چاہئے، ہاں اگر صرف ایک سلام پر بھی اکتفاء کرے تو جائز ہے مگر

اصل سنت اور بہتر طریقہ دو سلام ہی کا ہے'' (نمازِ جنازہ اور اس کے مسائل ص:۱۱۹-۱۲۰)

۸۔ غیر مقلدین کے محقق اور مفتی حافظ عبد الستار حماد صاحب ایک طرف سلام پھیرنے کے متعلق بحث کے بعد لکھتے ہیں: ''ان روایات و آثار کے پیش نظر نمازِ جنازہ میں ایک طرف سلام پھیرنا بھی جائز ہے تاہم اکثر اور عام حالات میں ایسا کرنا بہتر نہیں ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تین خصلتوں کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ان پر عمل تھا، ان میں ایک یہ ہے کہ نمازِ جنازہ کا سلام عام نمازوں کے سلام کی طرح ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں دونوں طرف سلام پھیرتے تھے'' (فتاویٰ اصحاب الحدیث ص:۱۶۸)

۹۔ غیر مقلدین کے محقق اور شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب سے کسی سائل نے سوال کیا تو وہ سوال بمع جواب ملاحظہ فرمائیے:

''سوال: جنازہ کی نماز میں سلام ایک طرف کا حکم ہے یا دونوں طرف؟

جواب: نمازِ جنازہ میں دو سلام ہیں، حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے:

''**ثلاث خصالٍ کان رسول اللّٰہ ﷺ یفعلھنّ ترکھنّ النّاس، احداھنّ: التّسلیم علی الجنازۃ مثل التّسلیم فی الصّلاۃ** '' (سنن الکبریٰ للبیہقی رقم الحدیث:۶۹۸۹) یعنی تین خصلتیں ایسی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان پر عمل پیرا تھے لیکن لوگوں نے انہیں ترک کر دیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں سلام نماز کی طرح ہے'' (فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۳،ص:۱۱۴)

۱۰۔ مشہور غیر مقلد مفتی عبید اللہ عفیف صاحب لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ کی سنتیں:...... دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرنا'' (سفرِ آخرت ص:۱۱۵)

۱۱۔ غیر مقلدین کے محقق عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: ''پھر دائیں اور بائیں سلام پھیرے مقتدی لوگ بھی ٹھیک اسی طرح کریں'' (کتاب الجنائز ص:۵۰)

۱۲۔ غیر مقلدین کے مشہور شارح الحدیث مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی (المتوفی:۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں: ''**واما التّسلیم فقد جاء انّہ یسلّم عن یمینہ وعن شمالہ کما فی سائر الصّلوات والدّلیل علی ذالک حدیث عند اللّٰہ بن أبی أوفی المتقدم وأخرج البیھقیّ فی المعرفۃ عن عبد اللّٰہ بن مسعودٍ قال ثلاث کان رسول اللّٰہ (ﷺ) یفعلھنّ ترکھنّ النّاس احداھنّ**

التّسليم على الجنائز مثل التّسليمتين فى الصّلاة انتهى.

كذا نقله العينى فى شرح البخاريونقل ابن القيّم فى زاد المعاد والشّوكانىّ فى النّيل بلفظ التّسليم على الجنازة مثل التّسليم فى الصلاة وعند بن أبى شيبة فى المصنف بسند جيّدٍ عن جابر بن زيد والشعبىّ وابراهيم النخعىّ أنهم كانوا يسلّمون تسليمتين''(عون المعبود ج:۸،ص:۳۵۹)

۱۳۔ غیر مقلدین کے مفتی اور مناظر مبشر ربانی صاحب لکھتے ہیں:

''رہا یہ مسئلہ کہ عموماً جو جنازوں پر سلام پھیرا جاتا ہے وہ دونوں طرف ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: تین کام رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے جنہیں لوگوں نے ترک کر دیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ نمازِ جنازہ پر اس طرح سلام پھیرنا جس طرح نماز میں سلام پھیرا جاتا ہے۔

امام نووی نے ۲۳۹/۵ پر اس کی سند کو جید قرار دیا ہے اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد ۳۴/۳ پر فرمایا'' رواه الطبرانى فى الكبير ورجاله ثقات'' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں ملاحظہ ہو'' احکام الجنائز ص:۱۲۷''

اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح مسلم وغیرہ میں روایت ہے کہ: أنّ النبىّ ﷺ كان يسلّم تسليمتين فى الصّلاة. نبی اکرم ﷺ نماز میں دو سلام پھیرا کرتے تھے۔

سیدنا ابن مسعودؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن مسعودؓ نے نماز جنازہ کے متعلق جو فرمایا کہ اس پر نماز کی طرح سلام پھیرتے تھے تو وہ سلام دونوں طرف ہے۔

لہٰذا نمازِ جنازہ پر جو عموماً اہل حدیث و دیگر حضرات دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں بالکل جائز و درست ہے'' (آپ کے سوال قرآن وسنت کی روشنی میں ج:۱،ص:۲۲۷)

<u>تنبیہ:</u> مبشر ربانی صاحب غیر مقلد نے صحیح مسلم کے حوالے سے جو روایت ذکر کی ہے، یہ انہوں نے حدیث کے نام سے بالکل جھوٹ لکھا ہے، صحیح مسلم میں ان الفاظ سے حدیث موجود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ایسی حرکات سے ہماری حفاظت فرمائے۔

۱۴۔ غیر مقلدین کے محقق عطاء اللہ حنیف صاحب سے کسی سائل نے سوال کیا تو وہ سوال بمع جواب ملاحظہ فرمائیے:

''سوال: جنازہ میں ایک طرف سلام پھیرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: صحیح بات دوطرف سلام پھیرنا ہے جیسا کہ عام نمازوں میں ہوتا ہے اور جنازہ میں بالخصوص بھی یہ صراحت حدیث میں موجود ہے، چنانچہ سنن بیہقی (۴/۴۳) میں ہے:

’’**عن عبد اللّٰه ثلاث خصالٍ كان رسول اللّٰه ﷺ يفعلهنّ، تركهنّ النّاس، احداهنّ؛ التّسليم على الجنازة مثل التّسليم فى الصّلاة**‘‘(السنن الکبری للبیہقی رقم الحدیث:۶۹۸۹)

تین باتیں ہیں جو جناب رسول اللہ ﷺ کا معمول تھیں لیکن لوگوں نے انہیں ترک کر رکھا ہے، ان میں سے ایک نمازِ جنازہ عام نمازوں کی طرح سلام پھیرنا ہے‘‘(آثارِحنیف ج:۱،ص:۳۳۶)

منصف کے لئے یہ حوالہ جات کافی وشافی ہیں، انہی پر اکتفاء کرتے ہیں......اب منصف مزاج حضرات خود فیصلہ فرمائیں کہ غیر مقلدین احناف کے خلاف کس قدر زہر آلود رویہ استعمال کرتے ہیں کہ دونوں طرف سلام پھیرنے والے کو جاہل کہتے ہیں......؟ لیکن حال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے بزرگوں کی کتب سے خود لاعلم ہیں اور یا جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے بزرگوں کی کتب سے جاہل رکھتے ہیں۔

اب کیا انصاف کا یہ تقاضا نہیں کہ یوں کہیں کہ غیر مقلدین کے بقول خود اُنہی کے بزرگ جاہل ہیں؟

اللہ تعالیٰ ایسی بے ادبی سے ہماری حفاظت فرمائے کہ اپنے بزرگوں کو جاہل کہنے کی نوبت آئے۔

اللّٰهم اهدنا الصراط المستقيم.

نمازِ جنازہ بلا عذر مسجد میں ادا نہ کیا جائے

احناف کا مسلک یہ ہے کہ عام طور پر بغیر کسی عذر کے نمازِ جنازہ مسجد میں ادا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے شور وشغب اور بے احترامی پیدا ہوتی ہے جو آج کل قبرستانوں میں ہوتی ہے البتہ کوئی عذر ہو مثلاً بارش ہو، یا جنازہ گاہ میں لوگ کھڑے ہوں اور اس میں مزید گنجائش نہ ہو تو پھر مسجد میں کھڑے ہو جائیں یا ایسا معزز شخص ہو جس کا تحفظ (Security) ضروری ہو اور دشمنوں سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسے عذر کے موقع پر مسجد میں نمازِ جنازہ جائز ہے البتہ اس کی عادت نہیں بنانا چاہیے، تفصیل کے لئے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی کتاب ''انعام الباری ج:۴، ص:۴۸۹'' ملاحظہ کیجئے۔

غیر مقلدین کا مسلک:

غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ (التحقیقات ص:۶۲۲)

غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے: ''کتاب وسنت کی رو سے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا جائز درست بلکہ مسنون ہے...... صلوۃ جنازہ فی المسجد کے درست وجائز ہونے پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع واتفاق تھا'' (فتاویٰ ستاریہ ج:۲، ص:۲۵)

اور اجماع کی یہ بات ''فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵، ص:۱۶۲'' میں بھی لکھی ہے۔

احناف کے دلائل: احناف کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ ''**عن أبي هريرة رضي الله عنه أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من صلّى على جنازةٍ في المسجد، فلا شيء له**'' (مسند احمد ج:۱۴، ص:۴۵۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھے تو اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا (نہ نماز میں نہ ثواب میں)

اسی مفہوم والی روایات مندرجہ ذیل کتب میں بھی موجود ہیں:

(مصنف عبد الرزاق ج:۳، ص:۵۲۶، سنن ابن ماجہ ص:۱۰۹، مسند ابن الجعد ص:۴۰۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳، ص:۴۴، سنن ابی داؤد ج:۲، ص:۹۸، شرح معانی الآثار ج:۱، ص:۴۹۲، حلیۃ الاولیاء ج:۷، ص:۹۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج:۴، ص:۸۶، معرفۃ السنن والآثار ج:۵، ص:۳۱۸)

غیر مقلدین کو اطلاعاً عرض ہے کہ البانی صاحب نے بھی ''السلسلۃ الصحیحۃ: ۵/۴۶۲'' اور ''صحیح ابن ماجہ ص: ۱۲۴۰'' میں یہی حدیث ذکر کی ہے اگر چہ ایک جگہ اس روایت کے الفاظ کچھ الگ لائے ہیں۔

درج بالا روایت کے متعلق زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''وسنده حسن'' (ماہنامہ الحدیث شمارہ: ۱۷، ص: ۴۰ مختصر نمازِ نبوی)

مولانا عبدالرؤف صاحب غیر مقلد نے بھی اس حدیث کو حسن کہا ہے دیکھئے (القول المقبول ص: ۷۱۲)

اور غیر مقلدین کے محقق ابو یزید صاحب بھی یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''حدیث بالکل صحیح ہے مگر افسوس بعض حفاظ نے بلاوجہ اس حدیث کو ضعیف کہا ہے'' (التحقیقات ص: ۶۲۹)

فائدہ: اس حدیث کے تحت مولانا قاری احمد یار سلفی صاحب لکھتے ہیں: ''دوسری روایت میں ہے اس کو کچھ اجر نہیں تو مسجد میں نہ پڑھنا افضل ٹھہرا'' (سنن ابوداؤد مترجم ج: ۲، ص: ۵۱۵، اسلامی کتب خانہ لاہور)

زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد بھی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ''سیدنا ابو ہریرہؓ کی بیان کردہ حدیث...... کی رو سے افضل یہی ہے کہ مسجد سے باہر جنازہ پڑھا جائے'' (ماہنامہ الحدیث شمارہ: ۱۷، ص: ۴۰ مختصر صحیح نمازِ نبوی)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''ان تین حالتوں میں سے اول الذکر (جنازہ گاہ) میں جنازہ پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ کا عام معمول یہی رہا ہے'' (ماہنامہ الحدیث شمارہ: ۸۷، ص: ۱۰، مقالات ج: ۳، ص: ۲۰۳)

ایک روایت کا تحقیقی جائزہ:

ازقلم: فیصل کریم (کولکاتا، ہندوستان)

خادم مناظر اسلام، وکیل احناف حضرت علامہ ومولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی نوراللہ مرقدہٗ

حدیث نبوی: ''**عبد الرزاق، عن معمرٍ، عن ابن أبی ذئبٍ، عن صالحٍ بن نبهان قال؛ سمعت أبا هريرة يقول؛ قال رسول الله** صلّى اللّٰه عليه وسلّم **من صلّى على جنازةٍ فى المسجد فلا شىء له**''

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مسجد میں نماز جنازہ ادا کرتا ہے اسے کچھ نہیں ملتا۔

اس کی سند بالکل صحیح ہے، تمام راوی ثقہ اور صدوق ہیں، راویوں کی مختصر توثیق ملاحظہ کریں:

(۱)امام عبدالرزاقؒ: بالاتفاق ثقہ

یحی بن معینؒ فرماتے ہیں: ''**عبدالرزاق ثقة، لا بأس به**''(الکامل لابن عدی:۶/۵۳۹)

ترجمہ:عبدالرزاق ثقہ ہیں اوران میں کوئی حرج نہیں۔

(۲)معمرؒ: ثقہ

''**ثقة ثبت فاضل**''(تقریب التہذیب رقم:۶۸۰۹)

(۳)سفیان بن سعید بن مسروق الثوریؒ: آپ صحیحین اورسنن اربعہ کے مرکزی اورثقہ امام ہیں۔

''**سفيان بن سعيد بن مسروق الثوری ابو عبدالله الكوفی: ثقة، حافظ، فقيه، عابد، امام، حجة**''(تقریب التہذیب رقم:۲۴۴۵)

(۴)ابن ابی ذئب القرشیؒ: ثقہ......''**ثقة، فقيه**''(تقریب التہذیب رقم:۶۰۸۲)

(۵)صالح ابن نبہان المدنیؒ: ''**صدوق، اختلط (بآخره)**''(تقریب التہذیب رقم:۲۸۹۲)

<u>اعتراض</u>:اس کی سند پراعتراض کیا جاتا ہے کہ صالح ابن نبہانؒ مختلط ہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

<u>جواب</u>: صالح کوضعیف کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کواخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا،اس لئے اگر یہ سبب مرتفع ہوجائے یعنی کوئی ایساراوی ہوجس نے اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کی ہو پھر ان کی روایت کے معتبراور قابل حجت واستدلال نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

تقریب التہذیب میں ہے: ''**صالح ابن نبهان المدنی مولٰی التوأمة بفتح المثناة وسكون الواؤ بعد ها همزه مفتوحة صدوق اختلط باٰخره قال ابن عدی لا بأس برواية القدماء عنه كابن أبی ذئب وابن جريج**''

یعنی صالح ابن نبہان المدنیؒ مولٰی التوامہ صدوق ہیں،ان کواخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا،ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ ان سے قدماء (یعنی جن لوگوں نے ان سے اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے روایت کی ہے) کے روایت کرنے میں کوئی قباحت نہیں جیسے کہ ابن ابی ذئب وابن جریج۔(فتاوی محمودیہ:۸/۶۸۴)

ابن معینؒ فرماتے ہیں: ''**وقال ابن معين حجة قبل ان يختلط فرواية بن أبی ذئب عنه قبل اختلاطه**''(الکاشف ج:۱،ص:۴۹۹)

ترجمہ: ان کی اختلاط سے قبل والی روایت حجت ہے اور ابن ابی ذئب نے ان سے اختلاط سے پہلے

روایت کیا ہے۔

نیز امام جوز جانیؒ فرماتے ہیں:''**وقال الجوزجانی تغیر أخیرا فحدیث ابن أبی ذئب عنه مقبول لسنه وسماعه القدیم**''(تہذیب التہذیب ج:۴،ص:۴۰۶)

اور مذکورہ روایت میں صالحؒ سے روایت کرنے والے ابن ابی ذئب ہیں اس لئے یہ روایت بھی صحیح ہے، لہٰذا اس میں کوئی علت نہیں۔

نوٹ: امام سفیان ثوریؒ صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے ثقہ بالاجماع راوی ہیں اور عندالجمہور یہ طبقہ ثانیہ کے مدلس ہیں جیسا کہ ائمہ حضرات نے ان کو طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے اور طبقہ ثانیہ کی تدلیس عندالمحدثین صحت حدیث کے منافی نہیں ہے، پس یہ حدیث صحیح ہے۔(**جامع التحصیل فی احکام المراسیل لابی سعید العلائی** ص:۱۱۳،**طبقات المدلسین لابن حجر** ص:۶۴،**التعلیق الامین علی کتاب التبیین لأسماء المدلسین لابن العجمی** ص:۹۲،**جزء منظوم فی أسماء المدلسین لبدیع الدین غیر مقلد**ص:۸۹)

نیز ان کی متابع میں حضرت امام وکیعؒ بھی موجود ہیں:

''**حدثنا علی بن محمد، حدثنا وکیع، عن ابن أبی ذئب، عن صالح مولی التوأمة، عن أبی هریرة قال؛ قال رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم: **من صلی علی جنازة فی المسجد فلیس له شیء**''(سنن ابن ماجہ رقم:۱۵۱۷،مسند امام احمد بن حنبل رقم:۹۷۳۰)

الزامی جواب: غیر مقلد غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری صاحب فرماتے ہیں:

''صالح مولی التوأمہ یعنی صالح بن نبہان مدنی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ثقہ'' ہے، اس پر جرح اس وقت پر محمول ہے جب وہ اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔

امام علی بن مدینی(**سؤالات محمد بن عثمان** ص:۸۶-۸۷)،امام یحیی بن معین(**الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی** :۴/۵۶،**وسندہ حسن**)،حافظ جوز جانی(**الشجرة فی اھوال الرجال** ص:۱۴۴)اور امام ابن عدی (الکامل:۴/۵۸) کا کہنا ہے کہ ابن ابی ذئب نے صالح مولی التوأمہ سے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۷۳-۸۵۲) لکھتے ہیں:

''**وقد اتّفقوا علی أنّ الثّقة اذا تمیّز ما حدّث به قبل اختلاطه ممّا بعده...... قبل**''

ترجمہ: محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ثقہ (مختلط) راوی کی اختلاط سے پہلے بیان کی ہوئی

روایات اس وقت قابل قبول ہو جاتی ہیں جب وہ بعد والی روایات سے ممتاز ہو جائیں۔(نتائج الافکار ج:۲، ص:۲۶۸)'' (ماہنامہ السنہ شمارہ:۴۱،ص:۱۱-۱۲)

☆......عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:''**قال بن عدیّ لا بأس بروایة القدماء عنه کابن أبی ذئب وبن جریجٍ انتهی**'' (تحفۃ الاحوذی ج:۴،ص:۱۰۵)

یعنی ابن عدی نے کہا ہے کہ صالح کے پرانے شاگرد جیسا کہ ابن ابی ذئب اور ابن جریج جب اس سے روایت کریں تو اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

غیر مقلدین کی طرف سے پیش کئے جانے والے بعض محدثین کے اقوال کا علمی جائزہ:

مشہور غیر مقلد عالم زبیر علیزئی صاحب اس سند کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے امام بخاری، امام ابن حبان رحمہما اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: **وابن أبی ذئب سمع منه اخیرًا، یروی عنه مناکیر**

اور ابن ابی ذئب نے صالح بن نبہان سے آخر میں (یعنی اختلاط کے بعد) سنا تھا، وہ اس سے منکر روایتیں بیان کرتے تھے''

نیز فرماتے ہیں:

''پس اس کی آخری حدیثیں پہلی حدیثوں سے خلط ملط ہو گئیں اور (دونوں کے درمیان) تمیز نہ ہو سکا لہٰذا وہ اس کا مستحق ہوا کہ (اسے یا اس کی روایتوں کو) ترک کر دیا جائے'' (دیکھئے مقالات:۳/۲۰۶)

(۱) امام بخاریؒ کے قول کا جواب:

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: **وابن أبی ذئب سمع منه اخیرًا، یروی عنه مناکیر**

اور ابن ابی ذئبؒ نے صالح بن نبہانؒ سے آخر میں (یعنی اختلاط کے بعد) سنا تھا، وہ اس سے منکر روایتیں بیان کرتے تھے'' (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی:۳/۱۸۱،علل الترمذی الکبیر:۱/۳۳۳، وغیرہما)

جواب: محقق نورالدین عترؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''**لکن الأکثر علی انه سمع منه قبل الاختلاط**'' (حاشیہ علل الترمذی لابن رجب:۱/۵۷۳)

ترجمہ: لیکن اکثر کے نزدیک انہوں نے اس سے اختلاط سے پہلے سنا ہے۔

(۲)امام ابن حبانؒ کے قول کا جواب:

امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں:''**تغیر فی سنة خمس وعشرین ومائة، فاختلط حدیثه الاخیربحدیثه القدیم ولم یتمیّز فاستحقّ التّرک**''(المجروحین ج:۱،ص:۳۶۶)

امام ابن حبانؒ نے فرمایا: یعنی اس کی آخری روایت قدیم روایت سے خلط ملط ہوگئی ہے اور امتیاز نہیں کیا جا سکتا، یہ واجب الترک ہے۔

جواب: محقق نورالدین عترؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''**قلنا؛ لکن اذا أمکن التّمیّز فانّه یعمل بما حدث به قبل اختلاطه، کما نقله ابن حبان نفسه عن ابن معین، واعتمده**''(حاشیہ علل الترمذی لابن رجب:۱/۵۷۴)

ترجمہ: ہم کہتے ہیں لیکن جب تمیز ممکن ہوتو اس پرعمل کیا جاتا ہے جو اس نے اختلاط سے پہلے بیان کیا ہے جیسا کہ ابن حبانؒ نے بذاتِ خود بیان کیا ہے ابن معینؒ سے اور اس پر اعتماد کیا ہے۔

لہٰذا ابن ابی ذئبؒ کی صالح بن نبہانؒ سے روایت قبل از اختلاط ہے......الحمدللہ

خود امام احمد بن حنبلؒ (جن کے قول سے مخالفین حجت پکڑتے ہیں) فرماتے ہیں:

''**ما أعلم به بأسًا من سمع منه قدیمًا وقد روی عنه اکابر اهل المدینة**''(العلل ومعرفة الرجال للامام احمد بن حنبل ج:۱،ص:۳۴۸)

یعنی جن لوگوں نے ان (صالح مولی التوأمہ) سے ابتداء سنا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اور ان (صالحؒ) سے اکابر اہل مدینہ نے روایت کیا ہے۔(فتاوی محمودیہ ج:۸،ص:۶۸۵)

ابن ابی ذئبؒ بذاتِ خود''صلوٰۃ الجنازہ فی المسجد'' کی کراہت کے قائل ہیں:

''**وکرهه ابن أبی ذئب وأبوحنیفة وکل من قال بنجاسة المیت......**''(فتح الباری ج:۳، ص:۲۵۴،باب الصلوة علی الجنازة بالمصلی والمسجد)

☆......علامہ شمس الدین ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

''**وَلَمْ یَکُنْ مِنْ هَدْیِهِ الرَّاتِبِ الصَّلٰوةُ عَلَیْهِ فِی الْمَسْجِدِ، وَاِنَّمَا کَانَ یُصَلِّیْ عَلَی الْجِنَازَةِ خَارِجَ الْمَسْجِدِ**''(زادالمعاد ج:۱،ص:۴۸۱)

نبی کریم ﷺ کی سنت اور عادت جنازہ کی نماز مسجد سے باہر پڑھنے کی تھی۔

☆......ناصر الدین البانی صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں: **اذا عرفت هذا التفصيل، وأن الحديث من رواية ابن أبی ذئب عنه، تبينت أنّه ثابت** (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج:۵،ص:۴۶۴)

ترجمہ: جب تم نے یہ تفصیل جان لی اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ حدیث ان سے ابن ابی ذئب کی روایت کردہ ہے تو اس کا اثبات واضح ہوا۔

نیز فرماتے ہیں: **فلا تعويل على من ذهب الى تضعيفه متمسكا بالطعن المجمل فيه كما فعل البيهقی، ونحوه عن الامام أحمد، فقال ابنه عبد الله فی "مسائله (ص:۱۲۵)"** (ایضاً)

یعنی پس جن ائمہ مثلاً امام بیہقیؒ اور امام احمدؒ نے صالح مولی التوأمہ پر مجمل طعن کو لے کر اس حدیث کی تضعیف کی ہے وہ لائق التفات نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض اس حدیث پر یہ ہوتا ہے کہ اس کے متن میں اضطراب ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ (المتوفی:۴۶۳ھ) جنازہ کے حوالے سے "**فلا شیء له**" والی حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"**هذا الصحيح فی هذا الحديث**" (التمهيد لما فی الموطأ من المعانی والأسانيد ج:۲۱،ص:۲۲۱)

"**الصحيح**: "**فلا شیء له**" والا نسخہ ہی صحیح ہے جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ روایت سنن ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل اور طحاوی سب میں "**فلا شیء له**" یا "**فليس له شیء**" کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے اور پھر ابن ابی ذئبؒ کا مسلک بھی اس بات کی دلیل ہے کہ "**فلا شیء له**" والی روایت صحیح ہے۔

۲۔ نمازِ جنازہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مستقل الگ جگہ ہوتی تھی جیسا کہ بخاری شریف میں ہے: "**عن عبد الله بن عمر** رضی اللہ عنهما؛ **أنّ اليهود جاء وا الى النبیّ** ﷺ **برجلٍ منهم وامرأةٍ زنيا، فأمر بهما، فرجما قريبًا من موضع الجنائز عند المسجد**" (صحیح بخاری ج:۱،ص:۴۷۶)

ترجمہ: عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کو لائے کہ انہوں نے زنا کیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، پھر دونوں مسجد کے پاس جنازہ گاہ کے قریب سنگسار کر دیئے گئے۔

۳۔ "**عن ابن شهابٍ قال كان رسول الله** ﷺ **اذا هلك الهالك شهدهٗ يصلّی عليه حيث يدفن فلمّا ثقل رسول الله** ﷺ **وبدّن نقل اليه المؤمنون موتاهم فصلّی عليهم رسول الله** ﷺ

علی الجنائز عند بیته فی موضع الجنائز الیوم ولم یزل ذالک جاریًا'' (تاریخ مدینہ منورہ ج:۱ص:۱)

ترجمہ: جلیل القدر تابعی حضرت ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں: ''جب کسی کی وفات ہوجاتی تھی تو رسول اللہ ﷺ بموقع دفن نماز (جنازہ) پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کا جسم ذرا بھاری ہوگیا (اور آپ ﷺ کے لئے جانا دشوار ہوگیا تو) صحابہ کرام ؓ اپنے موتٰی کو آپ ﷺ کے مکان کے قریب لے آتے، رسول اللہ ﷺ مکان کے قریب موضع جنائز (جنازہ گاہ) میں نماز جنازہ پڑھتے، یہی دستور آج تک چلا آرہا ہے۔

☆......ابن قیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں: ''**والصواب ما ذکرناه اوّلًا وأنّ سنّته وهدیه الصّلاة علی الجنازة خارج المسجد الّا لعذرٍ، وکلا الأمرین جائزٌ والأفضل الصلاة علیها خارج المسجد. واللّٰه اعلم**'' (زادالمعاد ج:۱ص:۲۰۶)

مفہوم: صحیح بات یہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی تھی، نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقہ نمازِ جنازہ مسجد سے باہر ادا کرنا تھا، ہاں! اگر کوئی عذر ہو (تو پھر بلا کراہت جائز ہے)

☆......حافظ ابن حجرؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: ''**ودلّ حدیث بن عمر المذکور علی أنّه کان للجنائز مکانٌ معدٌ للصّلاة علیها فقد یستفاد منه أنّ ما وقع من الصّلاة علی بعض الجنائز فی المسجد کان لأمرٍ عارضٍ أو لبیان الجواز**'' (فتح الباری ص:۶۸۸)

☆......مشہور غیر مقلد عبدالرحمٰن مبارکپوری (المتوفی:۱۳۵۳ھ) بھی مسجد میں نمازِ جنازہ نہ ادا کرنے کی تصریح کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: ''جنازہ کے واسطے مسجد کے علاوہ کوئی اور جگہ مقرر کرنی چاہئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی کے علاوہ ایک خاص جگہ نمازِ جنازہ کے واسطے مقرر تھی''

حاشیہ میں ایک غیر مقلد لکھتے ہیں: صحیح بخاری میں ہے: ''**عن عبد اللّٰه بن عمر** رضی اللّٰہ عنهما ؛ **أن الیهود جاء وا الی النبیّ ﷺ برجلٍ منهم وامرأةٍ زنیا فأمر بهما، فرجما قریبًا من موضع الجنائز عند المسجد**'' (بخاری ج:۱ص:۴۷۶) اور مشکوٰۃ میں **باب الافلاس والانظار** میں ہے: ''**عن محمّد بن عبد اللّٰه بن جحش قال کنّا جلوسًا بفناء المسجد حیث یوضع الجنائز**''

حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری ص:۶۸۸'' میں ابن عمرؓ کی حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں: ''**ودلّ حدیث بن عمر المذکور علی أنّه کان للجنائز مکانٌ معدٌ للصّلاة علیها فقد یستفاد منه أنّ ما وقع من الصّلاة**

علی بعض الجنائز فی المسجد کان لأمرٍ عارضٍ أو لبیان الجواز''

☆......غیر مقلدین کے محقق ابوعمار سمیع اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''نمازِ جنازہ مسجد میں بھی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ جنازہ مسجد سے باہر اپنی مخصوص تیار شدہ جگہ پر ادا کیا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا یہ عام معمول تھا اور بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کو لائے جنہوں نے زنا کیا تھا (العیاذ باللہ) تو نبی کریم ﷺ نے دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، پھر دونوں مسجد کے قریب جنازہ گاہ میں سنگسار کر دیئے گئے۔

تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ کے لئے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے باہر مخصوص جنازہ گاہ تھی۔'' (نماز کا طریقہ (پشتو) ص:۱۶۲)

موصوف دوسری کتاب میں لکھتے ہیں: ''اگر چہ راجح (یہی ہے کہ) مسجد سے باہر نمازِ جنازہ ادا کرنا چاہئے لیکن اس (مسجد میں ادا کرنے) کو مکروہ کہنا صحیح نہیں'' (چاروں ائمہ کا مذہب (پشتو) ص:۴۲۸)

☆......مشہور غیر مقلد رئیس ندوی صاحب لکھتے ہیں: ''البتہ عام طور سے عہدِ نبوی وعہدِ صحابہ میں نمازِ جنازہ مسجد سے باہر ہی پڑھنے کا رواج تھا مگر کبھی ضرورت کے تحت اتفاقیہ طور پر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا خود معمولِ نبوی معمولِ صحابہ سے ثابت ہے'' (رسول اکرم ﷺ کا صحیح طریقہ نماز ص:۷۲۲)

☆......امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''پھر اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جنازہ کسی میدان یا جنازہ گاہ میں پڑھا جائے گا اور مسجد میں نہیں پڑھا جائے گا کیونکہ نبی ﷺ نے مسجد میں نہیں پڑھا بلکہ باہر نکلے'' (الحق الصریح ج:۶ ص:۴۸۷)

اور دو صفحات کے بعد تفصیل سے لکھتے ہیں:

''تو ثابت ہوا کہ مسجد میں جنازہ پڑھنا بلا کراہت جائز ہے اگر چہ افضل یہ ہے کہ مسجد سے باہر پڑھا جائے کیونکہ نبی ﷺ کا پختہ معمول تھا کہ جنازہ مسجد سے باہر پڑھتے'' (الحق الصریح ج:۶ ص:۴۸۹)

تو جب نبی ﷺ کی غالب بلکہ اغلب عادت یہی تھی کہ جنازہ مسجد سے باہر پڑھا جائے تو پھر عام سنت بھی یہی ٹھہری...... ہاں! جب عذر ہو تو پھر مسجد میں بغیر کسی کراہت کے جائز ہے بلکہ خود ہم بھی اس کے قائل اور عامل ہیں، بس اللہ تعالیٰ آپ (غیر مقلدین) کا تعصب اور ضد ختم کر دے تاکہ آپ کو نظر آئے۔

﴿غائبانہ نمازِ جنازہ کا تحقیقی جائزہ﴾

نمازِ جنازہ ایک عبادت اور دعا ہے، اللہ تعالیٰ سے میت کے لئے بخشش اور مغفرت کا سبب اور ذریعہ ہے لیکن فی زمانا لوگوں نے اس عبادت میں بھی بدعات پیدا کر دی ہیں، دیواروں پر لکھنے کے ذریعے، اشتہارات، اخبارات، سوشل میڈیا...... الغرض نشریات کے تمام وسائل کے ذریعے غائبانہ نمازِ جنازہ کے اعلانات کا التزام کیا جاتا ہے اور دعوت دی جاتی ہے، بندہ حیران رہ جاتا ہے کہ کیا یہ اتنا ہی اہم اور کارِ ثواب والا مسئلہ ہے جس کا اتنے زور وشور سے اہتمام کیا جاتا ہے......؟ حالانکہ اس کا ثبوت نہ تو قرآنِ پاک میں ہے، نہ احادیث مبارکہ میں اور نہ ہی خیر القرون میں اسلاف کا اس پر عمل رہا ہے!

چیلنج: ہمارا غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے والوں سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ سب جمع ہو جائیں اور صرف ایک ایسی صحیح صریح مرفوع متصل روایت پیش کریں جس میں غائبانہ نمازِ جنازہ کا ذکر، طریقہ، آداب اور احکامات کی تفصیل موجود ہو، تو ہم بھی اس پر عمل شروع کر دیں گے، مگر ہمارا پختہ یقین ہے کہ اس کے قائلین کو عمرِ نوح بھی عطا کر دی جائے تو ان سے یہ کام نہیں ہوگا ان شاء اللہ **ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین. فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارة.**

جب اس کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے نہیں تو یہ بدعت چھوڑ دینا چاہئے۔

مشہور مفسر ابن کثیرؒ (المتوفی: ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

''ھذه الآية الكريمة حاكمةٌ على كلّ من ادّعى محبّة اللّٰه وليس هو على الطّريقة المحمّديّة فانّه كاذبٌ فی دعواه فی نفس الأمر، حتّى يتّبع الشّرع المحمّديّ والدّين النّبویّ فی جميع أقواله وأحواله كما ثبت فی الصّحيح عن رسول اللّٰه ﷺ أنّه قال؛ من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو ردّ'' (تفسیر ابن کثیر ج:۲، ص:۳۹)

ترجمہ ومطلب: یہ آیت کریمہ اس بات کا فیصلہ کرنے والی ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرے اور نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر نہ ہو تو درحقیقت وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے یہاں تک کہ وہ شرع محمدی اور دین نبوی میں اُن کے تمام اقوال واحوال کی اتباع کرے جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت سے ثابت ہے، فرماتے ہیں کہ ہر وہ کام جس پر ہمارا امر (حکم) نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

توجب غائبانہ جنازہ پر نبی کریم ﷺ کا کوئی امر نہیں ہے تو پھر کیونکر کرتے ہو؟ یہ تو صاف طور سے حدیث کی روشنی میں مردود ہے۔

آیئے! غیر مقلدین کے وہ کمزور دلائل دیکھتے ہیں جن سے وہ اپنے زعمِ فاسد میں استدلال کرتے ہیں:

غائبانہ نمازِ جنازہ کے قائلین کا دعویٰ، دلائل اور ان کے جوابات:

اس بحث میں چونکہ غیر مقلدین مدّعی ہیں اس لئے ان لوگوں پر اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کرنا ہے لہٰذا ان کا دعویٰ اور دلیل بمع جوابات ملاحظہ فرمائیں لیکن حوالہ جات سے پہلے یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ ان کا مرکزی دعویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ ''شہید کا غائبانہ جنازہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے''

☆......خلیق الرحمٰن قدر صاحب غیر مقلد (خطیب و استاذ جامعہ دارالحدیث کراچی) لکھتے ہیں: ''غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا مسنون ہے'' (جنت کا راستہ ص:۳۶)

☆......غیر مقلدین کے محقق اور شیخ الحدیث کرم الدین سلفی صاحب غائبانہ نمازِ جنازہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''ہر مومن اور متبع سنت مصطفیٰ ﷺ کو چاہئے کہ اس پرفتن دور میں اس سنت کا احیاء کرے اور اس پر عمل پیرا ہو کر سو شہید کا ثواب حاصل کرنے کی سعی کرے'' (غائبانہ نمازِ جنازہ ص:۱۱۰)

☆......محمد خالد سیف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''اسی طرح دوسرے شہروں سے کسی کے مرنے کی خبر اگر پہنچے تو اس کا غائبانہ جنازہ پڑھنا بھی سنت ہے'' (نمازِ مصطفیٰ ﷺ ص:۱۸۶)

☆......غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے: ''اس حدیث سے میت کے لئے نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھنا سنت ثابت ہوئی'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۱۸۱)

☆......غیر مقلدین کے محقق اعظم اور مناظر ثناء اللہ امرتسری صاحب ایک سائل کو یوں فتویٰ دیتے ہیں: ''یہ فعل سنت ہے'' (فتاویٰ ثنائیہ ج:۲،ص:۴۱)

☆......اور دوسری جگہ بھی اس کو سنت کہا ہے دیکھئے (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۱۵۴)

آیئے غیر مقلدین کے دعویٰ کے بعد اب ان کے دلائل کا جائزہ بھی لیں بعونہٖ تعالیٰ!

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں اپنا اور اپنے رسول ﷺ کا متبع بنائے اور ہمیں بدعات سے بچائے۔

دلیل نمبر ۱: امام مالکؒ اپنے موطا میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کرتے ہیں:

''عن أبي هريرةؓ؛ أنّ رسول اللّٰه ﷺ نعى النّجاشيّ للنّاس في اليوم الّذي مات فيه وخرج بهم الى المصلّى فصفّ بهم وكبّر اربع تكبيراتٍ (موطا امام مالک ص:۲۰۸، متفق عليه)'' (غائبانہ نمازِ جنازہ ص:۱۹، از کرم الدین سلفی)

کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کا نمازِ جنازہ پڑھایا اور اُن پر چار تکبیرات کی ہیں۔

جواب: اولاً: اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی اور نجاشی کا جنازہ ۹ھ، ماہِ رجب میں ہوا......تو ابو ہریرہؓ نجاشی کے جنازے کے بعد پچاس سال تک زندہ رہے مگر ان پچاس سالوں میں ایک بار بھی ابو ہریرہؓ سے غائبانہ جنازے کا ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی کسی کو ترغیب یا حکم دیا۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے عشّاق اور دین پر مر مٹنے والے لوگوں سے پھر کیونکر یہ سنت (غائبانہ جنازہ) چھوٹ سکتی اگر اس حدیث سے غائبانہ نمازِ جنازہ ثابت ہوتی......؟ اور اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سنت کا علم ہو اور پھر بھی انہوں نے قصداً چھوڑ دی ہو حاشا و کلا.

تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت نہیں ہے اور نہ اس سے غائبانہ جنازہ ثابت ہوتا ہے ورنہ اس پر سب سے پہلے یہی صحابی عمل پیرا ہوتے۔

فائدہ: نجاشی ان کا لقب تھا کیونکہ حبشہ (براعظم افریقہ کا مشرقی حصہ) میں جو بھی بادشاہ ہوتا، وہ نجاشی کہلاتا، ان کا اپنا نام اصحمہ بن ابحر تھا، نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے تھے مگر دیدار نصیب نہیں ہوا تھا، اسی وجہ سے امام ذہبیؒ (المتوفی:۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ایک لحاظ سے صحابی ہیں اور دوسرے لحاظ سے تابعی ہیں (سیر اعلام النبلاء ج:۲، ص:۲۳۶) اور امتحان و آزمائش کے دور میں مسلمانوں کے بڑے حامی اور پشت پناہ تھے۔

(الاصابة في تميز الصحابة لابن حجر ج:۱،ص:۱۳۴)

ثانیاً: یہ قاعدہ ہے کہ جب راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو وہ روایت قابل عمل اور قابل استدلال نہیں ہوگی (نخب الافكار في تنقيح مباني الاخبار في شرح معاني الآثار للعينیؒ ج:۶،ص:۴۱۹، طبع قطر، عمدۃ القاری للعینیؒ ج:۷،ص:۱۳۹، طبع بیروت، نجاح القاری شرح صحیح البخاری لشیخ الاسلام یوسف زادہ ج:۱،ص:۴۵۳۴، طبع المکتب العلمی، احکام القرآن للطحاویؒ ج:۱،ص:۴۷۲، طبع استنبول) اور یہ قاعدہ غیر مقلدین کے نزدیک بھی مسلّم ہے کہ اگر راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو وہ روایت منسوخ ہوگی۔

چنانچہ شیخ محمد حیات سندھیؒ کو غیر مقلدین اپنی طرح غیر مقلد بلکہ پکا اہلحدیث سمجھتے ہیں دیکھئے (تحریک

اہلحدیث ص:۱۵۷، از قاضی محمد اسلم غیر مقلد، تنقید سدید ص:۳۹، از بدیع الدین راشدی غیر مقلد، پاک و ہند میں علماء اہلحدیث کی خدمات ص:۱۹، از ارشاد الحق اثری غیر مقلد، اہل حدیث ایک صفاتی نام ص:۱۲۸، از زبیر علیزئی غیر مقلد، آثارِ حنیف ج:۴، ص:۲۵۱، تاریخ اہلحدیث ج:۲، ص:۲۹۰ وغیرہم)

اس مذکور شخص محمد حیات سندھیؒ سے ابو یزید عبدالقاہر صاحب غیر مقلد ایک حوالہ نقل کرتے ہیں: ''**واصل علمائنا اذا خالف الصحابی مرویه فهو یدل علی نسخه**'' (التحقیقات فی ردّ الھفوات ص:۱۵۹)

ہمارے علماء کا اصول ہے کہ راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو وہ نسخ پر دلالت کرتی ہے۔

اور امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد بھی یہی لکھتے قاعدہ ہیں'' **والراوی اذا فعل بخلاف ما روی بیقین، سقط العمل به**'' (فتاویٰ الدین الخالص ج:۷، ص:۱۶۶)

تو جب خود راوی کا عمل اپنی اس روایت کے خلاف ہے (یعنی ابو ہریرہؓ نے غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی ہے) تو یہ بالاتفاق کالعدم ہوگئی۔

ثالثاً: آپ کے دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں کیونکہ آپ کا دعویٰ غائبانہ نمازِ جنازہ کا ہے اور دلیل میں جو پیش کیا اس میں غائبانہ کا ذکر نہیں......؟

رابعاً: کسی ایک صحابی نے بھی غائبانہ جنازہ نہیں کیا جنہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہو، اس پر اس شر القرون میں صرف بعض مبتدعین نے واویلا مچا رکھا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: اس حدیث سے غائبانہ نمازِ جنازہ کو سنت ثابت کرنا قطعاً اور یقیناً، علماً اور حتماً غلط اور سینہ زوری ہے۔

دلیل نمبر ۲: غائبانہ نمازِ جنازہ کے قائلین اپنے مدعا پر حضرت جابرؓ کے حوالے سے ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں جس میں نجاشی کے جنازے کا تذکرہ موجود ہے، روایت کے اصل الفاظ ملاحظہ کریں:

''**حدّثنا أبوبكر بن أبی شيبة، حدّثنا يزيد بن هارون، عن سليم بن حيّان، قال؛ حدّثنا سعيد بن ميناء، عن جابر بن عبد الله، أنّ رسول الله ﷺ صلّى على أصحمة النّجاشیّ، فكبّر عليه اربعًا**'' (صحیح مسلم ج:۱، ص:۳۰۹)

جواب نمبر ۱: اس حدیث میں غائبانہ یا غائب کا لفظ کہاں ہے......؟

اس حدیث میں غیر مقلدین لفظ ''غائب'' دکھادیں اور ایک لاکھ ریال انعام حاصل کریں وادعوا شهداء كم من دون الله ان كنتم صادقين.

تو دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں (یعنی دعویٰ غائبانہ جنازہ کا ہے اور دلیل میں غائبانہ کا ذکر نہیں)

اگر غیر مقلدین یہ سوال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں تھے اور وہ بادشاہ حبشہ میں تھے تو ظاہر بات ہے کہ یہ غائبانہ نمازِ جنازہ ہوا؟

جواب: **اولاً:** یہ تو مانتے ہیں نا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں تھے اور نجاشی حبشہ میں تھے، اتنی طویل مسافت، سمندر پار کرنے، درمیان میں پہاڑ اور دیگر حائل واقع ہونے والی جگہ پر شاہِ حبشہ نجاشی کا انتقال ہوا، اور اس وقت ٹیلی فون، موبائل، انٹرنیٹ وغیرہ کے وسائل بھی نہ تھے! تو نبی کریم ﷺ کو بغیر کسی ظاہری وسیلے کے علم کیسے ہوا......؟

یہی جواب ہوگا نا کہ یہ اللہ کی قدرت کے ساتھ نبی کا معجزہ تھا، اور یہ تو ظاہر سی بات ہے کہ معجزہ میں دوام نہیں ہوتا (قرآن پاک و دیگر معدود و مخصوص معجزات کے علاوہ) تو اس سے بھی استدلال باطل ہوا۔

اور اسی طرح صحابہ فرماتے ہیں کہ جنازہ سامنے ہوا (ان شاء اللہ آگے تفصیل آرہی ہے) تو غائبانہ نہ رہا۔

ثانیاً: غیر مقلدین کا تمام زور اس پر ہے کہ وہ شہید کی غائبانہ نمازِ جنازہ ثابت کریں حالانکہ حضرت نجاشی رحمہ اللہ کون سے معرکے میں شہید ہوئے تھے جس سے یہ لوگ شہید کے لئے ثابت کرتے ہیں......؟

غیر مقلدین کو چاہئے کہ ایسی روایت ذکر کریں جس میں نبی کریم ﷺ نے کسی معرکے میں شہادت پانے والے صاحب پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہو۔

لہٰذا دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب نمبر۲: اولاً: اس حدیث کے راوی حضرت جابرؓ نے خود اپنی اس روایت پر عمل نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف عمل کیا (یعنی کبھی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھا) اور یہ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ جب راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو وہ لازماً منسوخ ہوگی۔

ثانیاً: غائبانہ نمازِ جنازہ کے قائلین سنت کے زیادہ عاشق ہیں یا صحابہؓ......؟ اگر اس روایت سے غائبانہ نمازِ جنازہ ثابت ہوتا تو سب سے پہلے صحابہؓ نے اس پر عمل کیا ہوتا، ورنہ غائبانہ نمازِ جنازہ کے قائلین کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ اپنا پورا زور صرف کر کے کوئی ایک صحابی ایسا دکھادیں جس نے اس روایت سے استدلال کیا ہو اور غائبانہ

جنازہ پڑھا ہو **دیدہ باید**......!

ثالثاً: اس حدیث کے راوی حضرت جابرؓ کی وفات ۷۹ھ میں ہوئی یعنی نجاشی کے جنازے کے بعد ستر سال تک زندہ رہے مگر ان ستر سالوں میں ایک بار بھی جابرؓ سمیت تمام راویوں سے غائبانہ جنازہ ثابت نہیں اور نہ ہی غائبانہ جنازے کا حکم یا ترغیب دی ہے......!

تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس حدیث سے غائبانہ جنازے کا استدلال صحیح نہیں بلکہ نجاشی کا جنازہ معجزانہ طور پر نبی کریم ﷺ کے سامنے آ گیا تھا۔

رابعاً: اسی وجہ سے غیر مقلدین کے محقق اور مصنف ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے چنانچہ اپنی کتاب میں ''غائبانہ نمازِ جنازہ'' عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے پر نجاشی کے قصہ سے دلیل لی جاتی ہے، یہ قصہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے مگر اس سے غائبانہ نمازِ جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں'' (نمازِ نبوی ص:۲۹۶، دارالسلام ایڈیشن ۲۰۰۲ء)

تنبیہ: جدید ایڈیشن میں یہ حوالہ اڑا دیا گیا ہے۔

یہی حقیقت حال مشہور غیر مقلد مولانا عبدالرؤف صاحب نے بھی بیان کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے پر نجاشی کے قصے سے دلیل لی جاتی ہے جو بخاری، مسلم اور سنن اربعہ وغیرہ میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے مگر اس سے مطلق غائبانہ نمازِ جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے'' (القول المقبول ص:۱۴۷)

﴿نجاشی کے جنازے کی حقیقت﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باقی امت سے زیادہ متبع سنت تھے اور کوئی امتی ان کے برابر نہیں ہوسکتا تو اب **سوال** یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنے متبع سنت تھے تو انہوں نے کیوں غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا؟ حالانکہ نجاشی کا جنازہ تو ثابت ہے......!

جواب: نجاشی کا جنازہ ہمیں غائبانہ لگتا ہے حالانکہ درحقیقت غائبانہ نہیں تھا بلکہ معجزانہ طور پر نبی کریم ﷺ کے خرقِ عادت کے طور پر سامنے آ گیا تھا اور یہ حاضر پر جنازہ ہوا، جیسا کہ اس کے متعلق جنازہ کے حاضرین صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

''وما نحسب الجنازة الّا موضوعةً بين يديه'' (مسند احمد ج:۸، ص:۱۷۲، دارالکتب العلمیہ لبنان،

حدیث نمبر:۲۰۵۴۰،اسنادہ صحیح)

ترجمہ: ہم یہی گمان ہی کرتے کہ جنازہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ہے۔

نوٹ: اس روایت کوالبانی صاحب غیر مقلد نے بھی صحیح کہا ہے دیکھئے(ارواء الغلیل ج:۳،ص:۳۳۲)

اوردوسری جگہ آتا ہے:''وهم لايظنّون الّا أنّ جنازته بين يديه''(صحیح ابن حبان ج:۷،ص:۲،۸۷۲،باب ذكر البيان بأن المصطفى ﷺ نعى الى الناس النجاشي...... الخ ،التمہید لابن عبدالبرج:۳،ص:۱۴۰،رقم:۱۲۵، الاستذکار لابن عبدالبرج:۳،ص:۲۸، كتاب الجنائز)

یعنی صحابہ کرام ﷺ یہی گمان کررہے تھے کہ جنازہ آپ ﷺ کے سامنے ہے۔

نوٹ: اس روایت کوامین اللہ پشاوری صاحب نے بھی صحیح کہا ہے دیکھئے(الحق الصریح ج:۶،ص:۴۹۳)

اور''شرح الزرقانی علی المؤطا''میں ابوعوانہ کے حوالے سے یہ روایت مذکور ہے:

''ولأبى عوانة عن عمران، فصلّينا خلفه ونحن لا نرى الّا أنّ الجنازة قدّامنا''(شرح الزرقانی علی المؤطاج:۲،ص:۸۳،فتح الباری ج:۳،ص:۴۳۲)

ترجمہ: ہم نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، ہمارا یہ خیال تھا کہ جنازہ ہمارے سامنے ہے۔

درج بالا روایت کوقاضی شوکانی صاحب(المتوفی:۱۲۵۰ھ) نے بغیر کسی تنقید کے ذکر کیا ہے دیکھئے(نیل الاوطارج:۴،ص:۵۴)

دیکھئے! یہ روایت ذکر کرنے والے ابوعوانہ رحمہ اللہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں بلکہ امام بخاریؒ کے استاذ ہیں! تو کہاں ہیں وہ لوگ جو ہر جگہ''بخاری بخاری'' کے نعرے لگاتے ہیں......؟ یا اگر ان کی خواہش کے خلاف ایک بات آجائے تو پھر ان سے اپنا نعرہ بھول جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ نجاشی کا جنازہ سامنے تھا اور اللہ تعالیٰ نے درمیان کے تمام حائل دور فرمادیئے اور معجزانہ طور پر اس جنازے کوان پر منکشف کردیا۔

یہی وجہ ہے کہ امام واحدیؒ اپنی کتاب''اسباب النزول'' میں عبداللہ بن عباسؓ سے مرسلاً یہ روایت نقل کرتے ہیں:''كشف للنّبى ﷺ عن سرير النّجاشيّ حتى راه وصلّى عليه''(شرح الزرقانی ج:۸، ص:۸۷،عمدۃ القاری ج:۸،ص:۱۱۹،فتح الباری ج:۳،ص:۴۳۲)

یعنی حضرت نجاشیؒ کی چارپائی نبی کریم ﷺ کے سامنے کردی گئی یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ان کودیکھا

اوران کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

نوٹ: یہ روایت قاضی شوکانی صاحب نے بھی نقل کی ہے۔

معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ جنازہ اپنے سامنے حاضر سمجھنے کی نیت سے پڑھا نہ کہ غائبانہ طور سے۔

نجاشی کا جنازہ کیوں پڑھا گیا......؟؟؟

ا۔ نجاشیؒ دارالکفر میں تھے اور وہاں ان پر جنازہ پڑھنے کے لئے کوئی مسلمان موجود نہیں تھا تو اُن پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا زیادہ حقدار نبی کریم ﷺ کے سوا اور کوئی نہ تھا، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے نجاشی کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ یہی بات امام خطابیؒ نے بھی اپنی کتاب میں ذکر کی ہے، فرماتے ہیں:

''**النّجاشیّ رجل مسلم قد آمن برسول اللّٰہ ﷺ وصدقہ علی نبوّتہ الّا أنّہ کان یکتم ایمانہ، والمسلم اذا مات وجب علی المسلمین أن یّصلوا علیہ الّا أنہ کان بین ظہرانی أہل الکفر ولم یکن بحضرتہ من یّقوم بحقّہ فی الصّلاۃ علیہ فلزم رسول اللّٰہ ﷺ أن یّفعل ذلک اذ ہو نبیّہ وولیّہ وأحقّ النّاس بہ فہذا واللّٰہ أعلم ہو السّبب الّذی دعاہ الی الصّلاۃ علیہ بظہر الغیب، فعلی ہذا اذا مات المسلم ببلد من البلدان وقد قضی حقہ فی الصّلاۃ علیہ فانّہ لایصلّی علیہ من کان ببلد آخر غائبا عنہ فان علم أنہ لم یصل علیہ لعائق أو مانع عذر کانت السّنّۃ أن یصلّی علیہ**'' (معالم السنن ج:ا،ص:۸۱۰)

ترجمہ ومفہوم: نجاشی ایک نیک آدمی تھا جو ایمان لے آیا تھا اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی تھی مگر اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا تھا اور جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو مسلمانوں پر اس کا جنازہ پڑھنا واجب ہوتا ہے، نجاشی چونکہ اہل کفر (کفار کے ملک) میں مقیم تھا اور وہاں ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں تھا تو نبی کریم ﷺ پر ان کا جنازہ پڑھنا ضروری تھا کیونکہ وہ نبی ہیں اور دوسروں کی نسبت زیادہ حقدار ہیں، اسی وجہ سے ان کا جنازہ پڑھا گیا واللہ اعلم، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے جنازہ کی دعوت دی۔ اس بنا پر اگر کوئی مسلمان کسی شہر میں فوت ہو جائے جس کا جنازہ ایک مرتبہ ہو گیا ہو تو دوسرے شہر میں اس کا (غائبانہ) جنازہ نہیں پڑھا جائے گا اور اگر یہ معلوم ہو اکہ کسی عذر یا مانع کی وجہ سے وہاں پر جنازہ نہیں پڑھا گیا تو ایسے شخص کا (غائبانہ) جنازہ پڑھنا سنت ہے۔

☆......حافظ ابن تیمیہؒ (المتوفی: ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

’’أنّ الغائب اذا مات ببلد لم یصلّ علیه فیه صلّی علیه صلاۃ الغائب، کما صلّی النبی ﷺ علی النّجاشی لأنّه مات بین الکفار ولم یصلّ علیه، وان صلّی علیه حیث مات لم یصلّ علیه صلاۃ الغائب‘‘(المستدرک علی مجموع فتاوی ج:۳،ص:۱۴۴،کتاب الجنائز)

☆......علامہ ذہبیؒ (المتوفی:۷۴۸ھ) بھی اقرار کرتے ہیں:

’’أنّه مات بین قوم نصاریٰ ولم یکن عنده من یصلّی علیه‘‘(سیر اعلام النبلاء:۴/۲۳۷)

کہ نصاریٰ قوم میں فوت ہوئے تھے اور وہاں کوئی نہ تھا جو اُن پر جنازہ پڑھائے۔

☆......حافظ زیلعیؒ (المتوفی:۷۶۲ھ) فرماتے ہیں:

’’أنّه من باب الضّرورۃ مات بأرضٍ لم یقم فیها علیه فریضۃ الصّلاۃ، فتعیّن فرض الصّلاۃ علیه لعدم من یّصلّی علیه ثمّ، ویدلّ علی ذلک أن النّبیّ ﷺ لم یصلّ علی غائبٍ غیرہ وقد مات من الصّحابۃ خلقٌ کثیرٌ، وهم غائبون عنه وسمع بهم فلم یصلّ علیهم الّا غائبًا واحدًا‘‘(نصب الرایہ ج:۲،ص:۲۸۳،الصّلاۃ علی المیّت)

ترجمہ ومفہوم: یہ ضرورت کی بنا پر تھا کیونکہ نجاشی ایسے علاقہ میں فوت ہوئے جہاں ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں تھا، اسی لئے ان کا (غائبانہ) جنازہ پڑھنا متعین ہوا۔ (اور غائبانہ جنازہ نہ کرنے پر) دلیل یہ بھی ہے کہ کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ سے غائب تھے، وہ فوت ہوئے اور نبی کریم ﷺ کو ان کی وفات کی خبر بھی ہوئی مگر ان (نجاشی) کے علاوہ کسی صحابی کی بھی (غائبانہ) نمازِ جنازہ ادا نہیں کی۔

☆......اسی طرح امام ابوداوٗدؒ (المتوفی:۲۷۵ھ) نے بھی نجاشی والے واقعہ پر یوں باب باندھا ہے:

’’بابٌ فی الصّلاۃ علی المسلم یموت فی بلاد الشّرک‘‘(سنن ابوداوٗد ج:۳،ص:۲۱۲)

معلوم ہوا کہ یہ جنازہ عذر کی بنا پر پڑھا گیا۔

۲۔ یہ جنازہ کشفاً نبی کریم ﷺ کے سامنے کر دیا گیا، اسی لئے تو صحابہ کرامؓ بھی فرماتے ہیں کہ ہم نے یوں سمجھا گویا جنازہ ہمارے سامنے رکھا ہے، اور دور سے یہ جنازہ دیکھا جیسا کہ حوالہ گزر چکا۔

☆......حافظ زیلعیؒ (المتوفی:۷۶۲ھ) فرماتے ہیں: ’’أنّ النّبیّ ﷺ رفع له سریرہ، فرآہ، فتکون الصّلاۃ علیه، کمیّتٍ رآہ الامام‘‘(نصب الرایہ ج:۲،ص:۲۸۳،فصل فی الصّلاۃ علی المیّت)

☆......حافظ ابن عبدالبرؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) فرماتے ہیں: ’’رفعت له جنازته کما کشف له عن

بيت المقدس حين سألته قريشٌ عن صفته''(التمہید ج:۶،ص:۳۲۸)

ترجمہ ومفہوم: نبی کریم ﷺ کے سامنے نجاشی کا جنازہ اٹھایا گیا جیسا کہ قریش کے بیت المقدس کے متعلق سوالات کے وقت بیت المقدس سامنے کیا گیا۔

☆......امام واحدیؒ اپنی کتاب''اسباب النزول'' میں عبداللہ بن عباسؓ سے مرسلاً یہ روایت نقل کرتے ہیں:''**كشف للنبی ﷺ عن سرير النّجاشیّ حتی راه وصلّی عليه** ''(شرح الزرقانی ج:۸،ص:۸۷، عمدۃ القاری ج:۸،ص:۱۱۹، فتح الباری ج:۳،ص:۴۳۲)

یعنی حضرت نجاشیؒ کی چارپائی نبی کریم ﷺ کے سامنے کردی گئی یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو دیکھا اوران کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

کشف کا ثبوت: ضمناً چند دلائل کشف کے بھی پیش کردیتے ہیں کیونکہ بعض متعصب غیر مقلد دیگر مسلّم اصولوں کی طرح کشف جیسی مسلّم چیز کے بھی منکر ہیں تو اللہ کی توفیق اور مدد سے مختصراً اس مسئلہ پر بھی کچھ روشنی ڈال دیتے ہیں:

جنگ موتہ کا واقعہ مشہور ہے جب صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر ان کے احوال منکشف کردیئے اوراُن کو کشف ہوا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے اوراب جھنڈا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے (حالانکہ اس وقت نبی کریم ﷺ بذاتِ خود جنگ میں شریک نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارا منظر اُن پر منکشف فرمایا) اور جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو فرمایا کہ اب جھنڈا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے۔ نبی کریم ﷺ یہ فرماتے جاتے اورآنکھوں سے آنسو بہتے جاتے اور پھر فرمایا کہ اب جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اٹھالیا اور مسلمانوں کو فتح ہوگئی، اصل عبارت یوں ہے:

''**حدّثنا أحمد بن واقدٍ، حدّثنا حماد بن زيدٍ، عن أيّوب، عن حميد بن هلالٍ، عن أنسٍؓ، أنّ النّبیّ ﷺ نعی زيدًا وجعفرًا، وابن رواحة للنّاس قبل أن يأتيهم خبرهم، فقال؛ "أخذ الرّاية زيدٌ فأصيب، ثمّ اخذ جعفرٌ فأصيب، ثمّ أخذ ابن رواحة فأصيب" وعيناه تذرفان؛ حتی أخذ الرّاية سيفٌ من سيوف اللّٰه، حتّی فتح اللّٰه عليهم**''(صحیح بخاری ج:۲،ص:۶۱۷، **غزوة مؤتة من أرض الشّام**)

دیکھئے! اتنی دور سے نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کو دیکھ کر خبر دیتے رہے، اسی کو تو کشف کہتے ہیں......!

اسی طرح نجاشیؒ کا جنازہ بھی آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا اور اس کو دیکھ کر جنازہ پڑھا گای تو یہ جنازہ غائبانہ نہیں بلکہ حاضرانہ ہوا۔

اسی طرح کے اور واقعات بھی ہیں مگر اس ایک مرفوعہ واقعہ پر اکتفاء کرتے ہیں اور یہ صرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس طرح کے واقعات نقل ہوئے ہیں، چنانچہ حافظ ابن القیمؒ (المتوفی:۷۵۱ھ) نے ''کتاب الروح'' میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک شخص آیا جس نے راستے میں ایک پرائی عورت کو دیکھا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجلس والوں کو فرمایا''**یدخل علیّ أحدکم واثر الزّنا ظاھر علی عینیه**'' کہ ایک شخص آپ لوگوں میں داخل ہوتا ہے جس کی آنکھوں میں زنا کے اثرات ہیں، اُن لوگوں نے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ کے بعد بھی وحی نازل ہوتی ہے؟ تو فرمایا''**ولکن تبصرةً وبرھانًا وفراسةً وصادقةً**''نہیں! لیکن یہ بصیرت، برہان اور سچی فراست ہے۔

''**وھذا عثمان بن عفّان دخل علیه رجل من الصّحابة وقد رأی امرأةً فی الطّریق فتأمل محاسنھا فقال له عثمان یدخل علیّ أحدکم واثر الزّنا ظاھر علی عینیه فقلت أوحی بعد رسول اللّٰہ فقال لا ولکن تبصرةً وبرھانًا وفراسةً وصادقةً**''

حافظ ابن القیمؒ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''**ولیس ھذا من علم الغیب بل علّام الغیوب قذف الحقّ فی قلب قریب مستبشرٍ بنوره غیر مشغول بنقوش الأباطیل والخیالات والوساوس الّتی تمنعه من حصول صور الحقائق فیه**'' (کتاب الروح ص:۳۳۵، وفی نسخۃ اخری ص:۲۹۸)

کہ یہ علم غیب نہیں بلکہ علاّم الغیوب (اللہ تعالیٰ) نے ان کے دل میں حق ڈال دیا جو اس کے نور کے ساتھ منور ہے اس کے قریب ہے، بیکار باتوں، خیالات اور وساوس میں مشغول نہیں ہے۔

نوٹ: یہ واقعہ درج ذیل کتب میں بھی موجود ہے:

(ازالۃ الخفاء:۴/۳۱۵، رسالہ قشیریہ ص:۲۷۲، تفسیر قرطبی:۱۰/۴۰، تحت تفسیر سورۃ الحجر آیت:۷۵، تفسیر کبیر:۷/۴۳۴، تحت تفسیر سورۃ الکھف آیت:۱۲، شریعت وطریقت ص:۳۰۶)

معلوم ہوا کہ کشف ثابت و متحقق ہے، مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''توضیحات عباراتِ اکابر'' کی طرف رجوع کریں۔

جواب نمبر۳: نجاشی کا جنازہ صرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔

اور یہ محدثین کے منہج سے بھی معلوم ہوتا ہے اور وہ یوں کہ امام ترمذیؒ (المتوفی:۲۷۹ھ) اور امام ابن ماجہؒ (المتوفی:۲۷۳ھ) نے باب قائم کیا ہے ''باب صلوة النبی علی النّجاشیّ''

محدثین عموماً ایسے مواقع پر ''علی المیّت'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں مگر یہاں پر نجاشیؒ کا تذکرہ خصوصی طور پر کیا، یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ صرف نجاشیؒ کی خصوصیت تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ان پر خاص طریقے سے جنازہ پڑھا، اور کسی پر نہیں پڑھا۔

اسی وجہ سے غیر مقلدین کے محقق مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب (المتوفی:۱۳۲۹ھ) علامہ زرقانیؒ سے نقل کرتے ہیں: ''**وقال الزّرقانیّ ودلائل الخصوصیّة واضحةٌ لا یجوز أن یشرکه فیها غیره**'' (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج:۹،ص:۹،طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ زرقانیؒ (المتوفی:۱۱۲۲ھ) اپنی کتاب میں خود فرماتے ہیں: ''**وأجیب أیضًا بأن ذلک خاصٌّ بالنّجاشیّ**'' (شرح الزرقانی علی المؤطا ج:۲،ص:۸۳)

ترجمہ: اور اسی طرح یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ یہ نجاشی کے ساتھ خاص ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) فرماتے ہیں: ''**وأکثر أهل العلم یقولون (انّ) هذا خصوصٌ للنّبیّ ﷺ**'' پھر آگے فرماتے ہیں: ''**ودلائل الخصوص فی هذه المسألة واضحةٌ لا یجوز أن یشرک النّبیّ ﷺ فیها غیره**'' (التمہید ج:۶،ص:۳۲۸)

یعنی اس مسئلہ میں خصوصیت کے دلائل واضح ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس میں اُن کے علاوہ کوئی شریک ہو۔

علامہ جزیریؒ (المتوفی:۱۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

''**فلا یجوز الصّلاة علی الغائب، أما صلاة النبیّ ﷺ علی النّجاشیّ فهی خصوصیّة له**''

(الفقہ علی مذاہب الاربعہ ج:۱،ص:۴۴۲، تحت باب شروط صلاة الجنازة، طبع دار الفکر بیروت)

ابن رشد الحفیدؒ (المتوفی:۵۹۵ھ) فرماتے ہیں:

''**وأکثر العلماء علی أنّه لا یصلّی الّا علی الحاضر وقال بعضهم یصلّی علی الغائب لحدیث النّجاشیّ، والجمهور علی أنّ ذلک خاصّ بالنّجاشیّ وحده**''

یعنی اکثر علماء کا یہ مسلک ہے کہ نمازِ جنازہ صرف حاضر (میت) پر کیا جائے گا اور بعض علماء کہتے ہیں کہ نجاشی والی حدیث کی وجہ سے غائبانہ بھی کیا جاسکتا ہے (مگر) جمہور اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ صرف نجاشی کے ساتھ خاص ہے۔

اور علامہ ذہبیؒ (المتوفی: ۷۴۸ھ) بھی فرماتے ہیں:

''**ولم یثبت أنه ﷺ علی غائب سواه**'' (سیر اعلام النبلاء ج:۴، ص:۲۳۷)

کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کے علاوہ کسی پر بھی غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا۔

معلوم ہوا کہ یہ خاص واقعہ ہی ہے۔

جواب نمبر۴: امام بخاریؒ کے استاذ امام محمدؒ (المتوفی: ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں:

''**ولا ینبغی أن یّصلّی علی جنازةٍ قد صلّی علیها، ولیس النّبیّ ﷺ فی هذا کغیره، ألا یری أنّه صلّی علی النّجاشیّ بالمدینة وقد مات بالحبشة، فصلاة رسول اللّٰه ﷺ برکةٌ وطهورٌ فلیست کغیرها من الصّلوات وهو قول أبی حنیفة رحمه اللّٰه**'' (موطا امام محمد ص:۱۶۷)

ترجمہ: اور مناسب نہیں کہ جنازہ پڑھا جائے جس پر پڑھا گیا ہو، اور نبی کریم ﷺ اس میں دوسروں کی طرح نہیں ہیں، کیا نہیں دیکھتے کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کا جنازہ مدینہ میں پڑھا جبکہ وہ حبشہ میں فوت ہوا تھا، پس نبی کریم ﷺ کا نمازِ جنازہ پڑھنا برکت والا اور پاک کرنے والا تھا، دوسروں کی نمازوں کی طرح نہیں تھا اور یہی فرمان امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تھا۔

یعنی یہ نماز دوسری نمازوں کی طرح نہیں تھی بلکہ ایک خاص نماز تھی جس کی خصوصیت دیگر نمازوں میں نہیں پائی جاتی۔

جواب نمبر۵: غیر مقلدین کو یہ بات مسلّم ہے کہ راوی اپنی روایت کو بہتر سمجھتا ہے، نجاشی کی یہ روایت جس نے ذکر کی ہے یعنی امام بخاریؒ تو انہوں نے اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ ''کتاب الجنائز'' میں سات جگہ ذکر کیا ہے اور اس سے چار مسائل اخذ کئے ہیں:

(۱) نمازِ جنازہ میں صف بندی

(۲) نمازِ جنازہ میں امام کے پیچھے دو یا تین صفیں بنانا

(۳) جنازہ گاہ میں نمازِ جنازہ ادا کرنا

(۴) نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات کہنا

پوری کتاب الجنائز میں امام بخاریؒ نے ایک بار بھی اس حدیث سے غائبانہ نمازِ جنازہ پر استدلال نہیں کیا، امام بخاریؒ کے نزدیک بھی اس حدیث سے غائبانہ نمازِ جنازہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ جنازہ حاضرانہ تھا نہ کہ غائبانہ......!

غیرِ مقلدین کے گھر سے ثبوت:

ا۔ مشہور غیر مقلد عبد الرؤف بن عبد الحنان نے نجاشی کے جنازے کے متعلق تفصیل سے وضاحت کی ہے، سب سے پہلے ''معالم السنن'' کے حوالے سے خطابیؒ کا قول نقل کیا ہے (خطابیؒ کا قول پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے، وہاں ملاحظہ کرلیا جائے) پھر حافظ زیلعیؒ کا قول بھی پیش کیا ہے (یہ حوالہ بھی پیچھے گزر چکا ہے) اور پھر آخر میں بطور فیصلہ کہتے ہیں:

''رہا نجاشی والا قصہ تو اس کے بارے میں امام خطابی نے جو تفصیل ذکر کی ہے، وہی قوی ہے کیونکہ اگر ہر غائب میت کی نماز غائبانہ مشروع ہوتی تو نبی علیہ السلام نجاشی کے علاوہ کم از کم کسی ایک کی تو غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرتے جب کہ آپ سے ایسا قطعاً ثابت نہیں، حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اگر میتِ غائب پر نمازِ جنازہ جائز ہوتی تو نبی علیہ السلام اپنے صحابہ کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرتے، شرق و غرب میں مسلمان، خلفاء اربعہ اور دیگر لوگوں کی بھی یہ نماز پڑھتے لیکن ایسا کرنا کسی سے بھی منقول نہیں نقلا عن الجوہر النقی۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی فوت ہوئے جو نبی ﷺ سے غائب تھے مگر آپ نے ان میں سے کسی کی بھی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا نہیں کی، اس مسئلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مذہب بھی خطابی والا مذہب ہے، حنبلی مذہب میں بھی صحیح ترین قول یہی ہے دیکھئے زاد المعاد: ۱/ ۵۱۹

ابن الہادی نے تنقیح التحقیق (۲/ ۱۳۲۰) میں مشہور سعودی عالم شیخ محمد عثیمین نے اپنے فتاویٰ (۱/ ۴۰۳) میں اسی مذہب کو ترجیح دی ہے، اسی کو رؤیانی نے مستحسن کہا ہے اور محقق مقبلی نے اختیار کیا ہے، نیل الاوطار، احکام الجنائز میں البانی نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ محققین کی ایک جماعت نے بھی یہی مذہب اختیار کیا ہے'' (القول المقبول فی شرح وتعلیق صلاۃ الرسول ص: ۵۱ و ۷۱، مقام اشاعت: شارجہ متحدہ عرب امارات)

۲۔ الشیخ محمد بن صالح العثیمینؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

’’نعلم علم اليقين أنّ النبيّ ﷺ كان لا يصلّى على كلّ أحدٍ مّات غائبًا أبدًا و لا الصّحابة لكن صلّى على النّجاشيّ......فعندنا الآن الصّلاة على كلّ ميت بدعة هذه واحدة الصّلاة على من فيه مصلحة و منفعة للمسلمين هذه وقعت من الرّسول عليه الصّلاة و السّلام‘‘(تعليقات ابن عثيمين على الكافى لابن قدامة ج:۲،ص:۳۶۴،باب الصلوة على الميت)

ہم علم الیقین سے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی پر بھی ہمیشہ غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا سوائے نجاشی (رحمہ اللہ) کے...... پس ہمارے نزدیک اس وقت کسی بھی میت پر غائبانہ جنازہ بدعت ہے، یہ صرف ایک نماز تھی جو نبی ﷺ کے زمانہ میں واقع ہوئی اوراس میں مسلمانوں کے لئے مصلحت ومنفعت تھی۔

ملاحظہ فرمایئے! سعودی عالم غائبانہ نمازِ جنازہ کو بدعت کہہ رہے ہیں۔

۳۔ مشہور غیر مقلد ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

’’غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے پر نجاشی کے قصہ سے دلیل لی جاتی ہے، یہ قصہ صحیح بخاری (۱۲۴۵، ۱۳۱۸، ۱۳۲۰، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۳۳) اور صحیح مسلم (۹۵۱) میں موجود ہے مگر اس سے غائبانہ نمازِ جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے‘‘ (نمازِ نبوی ص:۲۹۶، دارالسلام لاہور ایڈیشن ۲۰۰۲ء)

درج بالا کتاب پر تحقیق زبیر علیزئی غیر مقلد اور حاشیہ نگاری صمد رفیقی غیر مقلد نے کی ہے۔

نوٹ: نئے ایڈیشن میں اس عبارت کا حلیہ ہی بدل دیا گیا ہے دیکھئے (نمازِ نبوی ص:۳۶۸، طبع:۲۰۰۸ء)

غیر مقلدین کے عجیب و مضحکہ خیز مزعومہ اجتہادات:

درج بالا کتاب ’’نمازِ نبوی‘‘ غیر مقلدین کی مشہور شخصیت ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب کی ہے جو کہ عصر حاضر کے غیر مقلدین میں بہت مشہور ہے، اس کتاب کی تحقیق وتخریج مشہور غیر مقلد عالم زبیر علیزئی صاحب نے کی ہے اور تصحیح و تنقیح حافظ صلاح الدین یوسف صاحب مرحوم اور عبدالصمد رفیقی صاحب نے کی ہے۔

اس کتاب ’’نماز نبوی‘‘ (کے پرانے ایڈیشن ۲۰۰۲ء، طبع دارالسلام) میں ’’غائبانہ نماز جنازہ‘‘ کے عنوان کے تحت شفیق الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

’’غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے پہ نجاشی کے قصہ سے دلیل لی جاتی ہے، یہ قصہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے مگر اس سے غائبانہ نماز جنازہ پہ استدلال کرنا صحیح نہیں‘‘ (نماز نبوی ص:۲۹۶، طبع دارالسلام، ایڈیشن ۲۰۰۲ء)

مطلب یہ ہوا کہ شفیق الرحمٰن صاحب کے نزدیک ان تمام احادیث سے غائبانہ نماز جنازہ پر استدلال کرنا درست نہیں لیکن غیر مقلدین کی مضحکہ خیز تحقیقِ فاسد ملاحظہ کریں کہ اسی کتاب کے نئے ایڈیشن میں ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب نے انہی تمام روایات کو غائبانہ نمازِ جنازہ کی دلیل بنادیا......!!

لکھتے ہیں: ''غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا مشروع ہے اور اس کی دلیل وہ احادیث جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نجاشی شاہ حبشہ کے حوالے سے آئی ہیں'' (نماز نبوی ص:۳٦۸، ایڈیشن:۲۰۰۸ء)

اس کتاب کے محقق بھی وہی زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد اور حاشیہ نگار و محقق و مصحّح بھی وہی بلکہ ناشر بھی وہی ہے......!!!

پس ثابت ہوا کہ چھ سال پہلے جن روایات سے غائبانہ نمازِ جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں تھا چھ سال کے دوران وہی روایات غائبانہ نمازِ جنازہ کی دلیل بن گئیں! دونوں کتابوں کا حاشیہ نگار بھی ایک ہے لیکن دونوں ایڈیشن کا حاشیہ مختلف ہے!!!

سوال یہ ہے کہ جن روایات سے جس مؤقف پر استدلال کرنا صحیح نہیں تھا چھ سال بعد وہی روایات اسی مؤقف کی دلیل کیسے بن گئیں......؟؟؟

اگر شفیق الرحمٰن صاحب نے مؤقف سے رجوع کیا تھا تو نئے ایڈیشن میں رجوع کرنے کی کوئی وجہ اور دلیل بیان کیوں نہیں کی گئی......؟؟؟

ان حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ غیر مقلدین نفس پرست ہیں کہ جب چاہا مرضی سے احادیث کو رَد کر دیا اور جب چاہا انہی احادیث کو اپنی دلیل بنالیا!

مزید ایک اور لطیفہ بھی ملاحظہ کیجئے: حال ہی میں میں نے اس کتاب کے ایک اور ایڈیشن کی کاپی خریدی اور مطالعہ کیا تو دیکھا کہ اس میں تو اس مسئلے کو بالکل ہی گھما دیا ہے! چنانچہ اول تو بالکل جدا طرز سے غائبانہ نماز جنازہ کا اثبات کیا ہے پھر بعد میں لکھتے ہیں:

''مگر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں غائبانہ نمازِ جنازہ کے معمول نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خلفائے راشدین کی غائبانہ نمازِ جنازہ پوری اسلامی مملکت میں ادا کی جاتی مگر ایسا کسی سے بھی منقول نہیں ہے، ابن قیم، ابن تیمیہ، علامہ ناصرالدین البانی اور محققین کی ایک جماعت غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرنے کی قائل نہیں ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: ''اگر غائب پر نمازِ جنازہ جائز ہوتی تو نبی رحمت ﷺ اپنے صحابہؓ کی غائبانہ

نماز جنازہ ادا کرتے، اسی طرح شرق وغرب میں رہنے والے مسلمان خلفائے راشدین کی بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے مگر ایسا کسی سے بھی منقول نہیں ہے''

ابن قیمؒ نے فرمایا:

''مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ فوت ہوئے جو نبی رحمت ﷺ سے غائب تھے مگر آپ نے ان میں سے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں کی'' (نماز نبوی ص:۳۹۴-۳۹۵، ناشر: محمد پبلشرز اسلام آباد، طبع: اپریل ۲۰۱۱ء)

سبحان اللہ!

نیز مارکیٹ میں دستیاب ایک اور نئے ایڈیشن میں مزید عجیب وغریب انداز سے قلابازیاں کھائی ہیں، تفصیلی بحث کی ہے اور دورانِ بحث کبھی کہتے ہیں ''جواز کا قول راجح ہے'' اور کبھی آخر میں کہتے ہیں ''لیکن چونکہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ اور دیگر سلف کا عام معمول یہ نہ تھا لہٰذا نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے عام معمول ہی کو اپنانا افضل و بہتر ہے (؟؟!)'' (نماز نبوی ص:۳۲۶-۳۲۷)

اِدھر بھی سلفی عبارت......اُدھر بھی سلفی عبارت

کسے مانیں......کسے چھوڑیں؟

اے محبوب! اِسے مانا نہیں جاتا......اُسے چھوڑا نہیں جاتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ترک تقلید کے خوفناک نتائج سے بچا کر اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے......آمین یارب العالمین

۴۔ زبیر علیزئی غیر مقلد بھی اپنی لغزش شدہ قلم سے کچھ نہ کچھ حق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حسب ضرورت غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے (اس میں کس کو اختلاف ہے......؟، مرتب) اسے معمول نہیں بنانا چاہئے جیسا کہ دیگر نصوص سے واضح ہوتا ہے واللہ اعلم'' (فتاویٰ علمیہ ج:۱ ص:۵۳۴)

اور دوسری کتاب میں یہی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اگر کوئی عذرِ شرعی ہو تو غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہے'' (موطا امام مالک مترجم ص:۸۲)

۵۔ غیر مقلدین کے مشہور محقق اور مفتی عبدالستار حماد صاحب لکھتے ہیں: ''البتہ غائبانہ نمازِ جنازہ کے لئے دیگر ذرائع ابلاغ کو استعمال نہ کیا جائے جیسا کہ ہمارے ہاں آج کل رواج کے طور پر کیا جاتا ہے، وہاں خطابات کا بھی اہتمام نہ ہو، ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں واللہ اعلم بالصواب'' (نمازِ

نبوی ص:۳۶۹-۳۷۰، مکتبہ دار السلام لاہور)

اور پھر اگلے صفحہ میں لکھا ہے:

''لیکن چونکہ نبی اکرم ﷺ، خلفاء راشدینؓ و دیگر سلف کا عام معمول یہ نہیں تھا لہٰذا نبی اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین کے عام معمول کو اپنانا ہی افضل و بہتر ہے بالخصوص جب کہ غائبانہ نمازِ جنازہ کو حصول شہرت اور دیگر نام نہاد سیاسی و مالی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہو'' (ایضاً ص:۳۷۰)

۶۔ یہی غیر مقلد مفتی عبدالستار حماد صاحب غائبانہ جنازہ کی شرائط لکھتے ہیں:

''البتہ غائبانہ نمازِ جنازہ کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے:

(۱) فوت ہونے والا اچھی شہرت اور سیاسی، مذہبی اور علمی حیثیت کا حامل ہو، ہر چھوٹے بڑے کی نمازِ جنازہ غائبانہ طور پر درست نہیں...... (۳) اس کے لئے اعلانات یا انتظار یا دیگر ذرائع کو استعمال نہ کیا جائے جیسا کہ ہمارے ہاں آج کل رواج کے طور پر کیا جاتا ہے (۴) وہاں تقاریر خطابات کا بھی قطعاً اہتمام نہ ہو، ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں ہے (واللہ اعلم بالصواب)'' (فتاویٰ اصحابِ حدیث ص:۱۶۵)

جبکہ ابو مسعود عبدالجبار سلفی صاحب اپنے ہم مسلک ساتھیوں کے متعلق لکھتے ہیں: ''ہمارے محترم برادران شہدائے معرکہ کی غائبانہ جنازہ ان کی بستیوں اور شہروں میں اشتہار چھپوا کر اور تاریخ طے کر کے پڑھاتے ہیں'' (نماز کے بعد دعائے اجتماعی ص:۶۸، وفی نسخۃ اخریٰ ص:۶۲)

۷۔ غیر مقلدین کے مفتی اور شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب نے بھی یہ اقرار کیا ہے کہ واقعی غائبانہ نمازِ جنازہ شریعت میں منقول نہیں! اصل عبارت دیکھئے، ان سے کسی سائل نے سوال کیا تو وہ سوال بمع جواب ملاحظہ فرمائیے:

''سوال: میری مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ بعض دفعہ جب کوئی بااثر شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس میت پر نمازِ جنازہ پڑھی جانے کے بعد مختلف شہروں میں اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ بھی پڑھی جاتی ہے، کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسی بزرگ ہستیوں کے لئے بھی کسی شہر میں ایسی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی تھی؟ اور اگر نہیں پڑھی گئی تھی تو کیوں نہیں پڑھی گئی؟

براہِ مہربانی ایسی غائبانہ نمازِ جنازہ کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل کی وضاحت فرمائیں یعنی سوال یہ ہے کہ کوئی ایک بھی ایسی مثال موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ کسی وفات یافتہ کی میت پر نمازِ جنازہ پڑھی

جانے کے بعد دوسرے شہر یا گاؤں میں کسی صحابی نے اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی؟

جواب: اسلامی تاریخ میں واقعی اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، خلفائے راشدینؓ، مشاہیر صحابہؓ وغیرہم فوت ہوئے لیکن کسی مسلمان نے ان پر غائبانہ نمازِ جنازہ ادا نہیں کی کیونکہ اگر کسی نے ادا کی ہوتی تو ان سے تواتر کے ساتھ منقول ہوتا بلکہ علامہ ناصر الدین البانی تو اس رواج کو بدعت سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ احکام الجنائز میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''**أنّها من البدع الّتی لا یمتری فیها عالم بسننه** ﷺ **ومذهب السلف** رضی اللہ عنہم'' (احکام الجنائز ص:۹۳)

یعنی ''یہ وہ بدعت ہے جس میں سنت اور مذہب سلف صالحین سے باخبر کوئی عالم بھی شبہ نہیں کرسکتا''

حافظ ابن قیمؒ نے زادالمعاد میں امام بن تیمیہؒ کی رائے یوں نقل کی ہے کہ غائب میت اگر ایسی سرزمین میں فوت ہوئی جس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو اس پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی جائے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے نجاشی پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی، اگر نمازِ جنازہ پڑھی جاچکی ہو تو اس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے'' (فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۳، ص:۱۴۴)

۸۔ غیر مقلدین حافظ ابن قیمؒ کو بھی اپنی طرح تارک التقلید کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''**ولم یکن من هدیه وسنّته** ﷺ **الصّلاة علی کلّ میّتٍ غائبٍ، فقد مات خلقٌ کثیرٌ من المسلمین وهم غیّبٌ فلم یصلّ علیهم**'' (زادالمعاد ص:۵۰۰، مکتبۃ المنار الاسلامیہ، کویت)

یعنی غائبانہ جنازہ نہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے اور نہ ان کی سنت، مسلمانوں میں بہت سے لوگ فوت ہوئے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے غائب بھی تھے، نبی کریم ﷺ نے کسی کا بھی غائبانہ جنازہ ادا نہیں کیا،

۹۔ غیر مقلدین نے سعودی عالم شیخ محمد بن صالح عثیمین صاحب کا فتاویٰ اردو میں ترجمہ کیا ہے، اس میں بھی غائبانہ جنازے کے عدم جواز کا قول نقل کیا ہے، وہ سوال بمع جواب ملاحظہ فرمایئے:

''سوال: کیا نمازِ جنازہ غائبانہ مطلقاً جائز ہے یا اس کے لئے مخصوص شرائط ہیں؟

جواب: اہل علم کے اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ نمازِ جنازہ غائبانہ مشروع نہیں ہے الا یہ کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی ہی نہ گئی ہو جیسے کوئی شخص کسی کافر ملک میں مرجائے اور اس کا کسی نے جنازہ نہ پڑھا ہو یا جیسے کوئی کسی سمندر یا دریا یا کسی وادی میں غرق ہوگیا ہو اور اس کی لاش نہ ملی ہو تو اس کا غائبانہ جنازہ پڑھنا واجب ہے اور جس کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی ہو تو صحیح بات یہ ہے کہ اس کا غائبانہ جنازہ پڑھنا مشروع نہیں ہے کیونکہ نجاشی

کے واقعے کے سوا سنت سے دوسرا کوئی واقعہ ثابت نہیں ہے اور نجاشی کا اس کے اپنے ملک میں جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا، اس لئے نبی ﷺ نے مدینہ میں اس کا جنازہ پڑھایا تھا، اس کے علاوہ آپ نے کسی اور کا جنازہ غائبانہ نہیں پڑھایا حالانکہ آپ کے عہد میں بڑے بڑے لوگوں اور بہت عظیم شخصیتوں کا انتقال ہوا تھا۔ بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ جس کے مال، عمل یا علم سے دین کو فائدہ پہنچا ہو تو اس کا جنازہ غائبانہ پڑھا جائے گا اور جو شخص ایسا نہ ہو تو اس کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا جائے گا اور بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ نمازِ جنازہ غائبانہ مطلقاً جائز ہے لیکن یہ سب سے ضعیف قول ہے'' (فتاویٰ ارکانِ اسلام ص:۳۴۹، دارالسلام لاہور)

۱۰۔ غیر مقلدین کے ایک مفتی اپنے اہلحدیث ساتھیوں سے یوں شکوہ کرتے ہیں:

''فی زمانہ بعض علمائے اہلحدیث باوجودیکہ وہ امورِ مسنونہ میں بے حد اپنے کو متشدّد دکھتے ہیں، نمازِ جنازہ غائبانہ کے منکر ہو گئے ہیں اور انہیں تاویلات بے جا کے درپے ہیں'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵، ص:۱۸۱)

۱۱۔ غیر مقلدین کے ایک فتاویٰ کی طویل بحث یہاں نقل کرتے ہیں:

''جنازہ غائب کی بابت بہت اختلاف ہے، حنفیہ وغیرہ کے علاوہ بہت اہلحدیث بھی اس کے قائل نہیں، نجاشی کی حدیث کی بابت کہتے ہیں کہ وہ غیر ملک میں فوت ہوا، اس کے والی وارث کفار تھے، ظاہر یہی ہے کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کا جنازہ مدینہ میں پڑھا، خطابیؒ نے اس کو اختیار کیا اور رویانی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے، ابوداؤد نے اس پر باب باندھا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور محقق مقبلی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ابن ماجہ، مسند احمد، طیالسی، ابن قانع، طبرانی، ضیاء مقدسی میں حذیفہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''انّ اخاکم مات بغیر ارضکم فقوموا فصلوا علیہ'' یعنی تمہارا بھائی تمہاری غیر زمین میں مر گیا، اٹھو! اس کی نمازِ جنازہ پڑھو، اس حدیث میں تمہاری غیر زمین میں مرنے کا ذکر اس طرف اشارہ ہے کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں ہوا اس لئے تم پڑھو، اور فقوموا کی ف بھی اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ 'ف' تفریع کی ہے یعنی غیر ملک مرنا یہ اس جنازہ کا سبب ہے، اسی بنا پر ہے کہ وہاں جنازہ نہیں ہوا...... غرض جنازہ غائب کی بابت اس قسم کے اختلافات ہیں، میری کسی طرف تسلی نہیں، اس لئے میں نہیں پڑھا کرتا، ہاں پڑھنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کیونکہ معاملہ بین بین ہے'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵، ص:۱۷۳-۱۷۴، فتاویٰ اہلحدیث ج:۲، ص:۴۵۷)

فیہ کفایۃ لمن لہ ھدایۃ

معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے اکابر بھی اس مسئلہ میں متزلزل ہیں کیونکہ یہ مؤقف ہی کمزور ہے۔

اشکالات اوران کے جوابات:

عبدالعزیز نورستانی صاحب غیر مقلد نے اپنی کتاب میں انصاف کا خون کرتے ہوئے اپنی بدعات پر چند مزید شبہات ذکر کئے ہیں، افادۃً ذرا ان پر بھی نظر ڈال لیتے ہیں بعونہ تعالیٰ!

اعتراض نمبر۱: موصوف لکھتے ہیں: ''ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی صحابیؓ سے منقول نہیں کہ اس نے اس سے منع کیا ہو'' (پیغمبر کی نماز (پشتو) ص: ۴۴۰)

جواب: اولاً: آپ نے کوئی ثبوت پیش کیا جو ہم سے ممانعت کی دلیل طلب کرتے ہیں؟

ثانیاً: کوئی بریلوی آپ سے پوچھے کہ ہم اذان سے پہلے لاؤڈ سپیکر پر جو درود شریف پڑھتے ہیں اس کی ممانعت دکھادو تو کیا جواب دو گے......؟

ثالثاً: آپ اپنا ہی قاعدہ بھول گئے؟ آپ کے معتمد شیخ نے تو یہ قاعدہ لکھا ہے کہ ''عبادات میں اصل توقف ہے'' (الحق الصریح ج: ۶، ص: ۵۶۱، از امین اللہ پشاوری) تو یہاں پر کیوں ابن حزمؒ کا دامن تھام رہے ہو؟ اُن کے پیچھے تو آنکھ بند کر کے چل رہے ہو اور اپنا یہ مسلّمہ قاعدہ بھول گئے......؟

اعتراض نمبر۲: عبدالعزیز نورستانی صاحب لکھتے ہیں کہ (غائبانہ جنازہ نہ پڑھنے والے حضرات کے) عذر یہ ہیں:

(۱) نجاشی کے ملک میں کوئی جنازہ پڑھنے والا مسلمان نہیں تھا، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مجھے ایسی روایت معلوم نہیں۔ (پیغمبر کی نماز (پشتو) ص: ۶۳۶، وفی نسخۃ ص: ۴۴۰، غائبانہ نمازِ جنازہ ص: ۴۹)

جواب: اولاً: نہ معلوم آپ لوگوں کو ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی کہ اب تک یہ دعویٰ کرتے رہے کہ صحابی کا وہ قول جو خلافِ شریعت نہ ہو، پھر بھی قابل حجت نہ ہوگا (الدین الخالص، الحق الصریح) لیکن یہاں پر صحابی کا قول نہیں بلکہ نویں صدی کے ایک بزرگ کا قول پیش کر رہے ہیں جن کے متعلق نورستانی صاحب کے استاذ (یا استاذ الاستاذ) عبدالوہاب دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

''فتح الباری میں کہیں کہیں تقلیدی رنگ کی جھلک نظر آتی ہے'' (مکمل نماز ص: ۶۷)

تو ایسے مقلد کا قول اپنے دعویٰ میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں......؟ ذرا انصاف سے کام لینا چاہئے اور اپنے اصول وقواعد کو یاد رکھنا چاہئے ورنہ پھر صاف اعلان کر دیں کہ امتی کے اقوال اور آراء پر بھی عمل کرتے ہیں اور اپنے ماقبل اقوال اور فتوؤں سے رجوع کر دیں۔

ثانیاً: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے روایت معلوم نہیں تو کیا ہوا اگر ان کو نہیں معلوم؟ ان کے علاوہ جید علماء کرام نے اس کی تصریح کی ہے، آپ نے ابن حجرؒ کے قول کو ایسی پختہ دلیل سمجھ لیا جس کی اب خلاف ورزی نہیں ہو سکتی......سبحان اللہ!

ثالثاً: ہم روایات ذکر کر چکے ہیں کہ اس ملک میں جنازہ پڑھنے والا کوئی مسلمان نہیں تھا جیسا کہ ابن تیمیہؒ (المتوفی:۷۲۸ھ) بھی فرماتے ہیں: ''**صلّی النبیّ ﷺ علی النّجاشیّ لأنه مات بین الکفار ولم یصلّ علیه**'' (المستدرک علیٰ مجموع فتاویٰ ج:۳،ص:۱۴۴، کتاب الجنائز)

☆......غیر مقلدین کے شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب کا حوالہ گزر چکا کہ وہ حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں امام بن تیمیہؒ کی رائے یوں نقل کی ہے کہ غائب میت اگر ایسی سرزمین میں فوت ہوئی جس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو اس پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی جائے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے نجاشی پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی'' (فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ:۱۴۴/۳)

☆......حافظ زیلعیؒ (المتوفی:۷۶۲ھ) بھی اسی طرح فرماتے ہیں: ''**أنّه من باب الضّرورة مات بأرضٍ لم یقم فیها علیه فریضة الصّلاة، فتعیّن فرض الصّلاة علیه لعدم من یّصلّی علیه ثمّ**''
(نصب الرایہ ج:۲،ص:۲۸۳،فصل فی الصّلاة علی المیّت)

ترجمہ ومفہوم: یہ ضرورت کی بنا پر تھا کیونکہ نجاشی ایسے علاقے میں فوت ہوئے تھے جہاں پر ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں تھا، اسی وجہ سے ان کا (غائبانہ) جنازہ ادا کرنا متعین ہوا۔

☆......امام ابوداوٗدؒ (المتوفی:۲۷۵ھ) نے نجاشی والے واقعہ پر یوں باب باندھا ہے:

''**باب فی الصلوة علی المسلم یموت فی بلاد الشرک**'' (سنن ابوداوٗد ج:۳،ص:۲۱۲)

☆......عبیداللہ مبارکپوری صاحب غیر مقلد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''**فانّه مات بأرض لم یسلم أهلها واختاره ابن تیمیة، ونقله الحافظ فی الفتح عن الخطابی وانّه استحسنه الرویانی من الشّافعیّة**'' (مرعاۃ المفاتیح ج:۵،ص:۳۷۵)

☆......امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد بھی ایسی ہی بات کرتے ہیں:

''شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے درمیانہ قول کیا ہے کہ میت اگر ایسی سرزمین میں فوت ہوئی جس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو جیسے نجاشی جو ایسی سرزمین میں تھے جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا...... یہ قول حافظ نے ''فتح الباری'' میں خطابیؒ سے نقل کیا ہے اور شوافع میں سے رؤیانی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور ایک روایت امام احمدؒ کی ہے جس کو ابن قیمؒ نے ''زاد المعاد'' میں صحیح کہا ہے'' (الحق الصریح ج:۶،ص:۴۹۱)

☆......مولانا عبدالرؤف صاحب غیر مقلد امام خطابیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''نجاشی چونکہ اہل کفر میں مقیم تھا اور وہاں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اس کی نمازِ جنازہ پڑھتا لہٰذا رسول اللہ ﷺ پر اس کی نمازِ جنازہ ادا کرنا ضروری تھا کیونکہ آپ اس کے نبی تھے اور لوگوں کی نسبت اس کے زیادہ حقدار تھے'' پھر اس کے بعد حافظ زیلعیؒ کے حوالے سے بغیر کسی تنقید کے بلکہ اپنے موقف کے لئے یوں نقل کرتے ہیں ''یہ ضرورت کی بنا پر تھا کیونکہ نجاشی ایسے علاقہ میں فوت ہوا تھا جہاں پر کوئی اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے والا نہ تھا'' (القول المقبول ص:۱۵۷)

☆......غیر مقلدین کے محقق عبدالولی عبدالقوی صاحب لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی نمازِ جنازہ غائبانہ ادا فرمائی کیونکہ ان کا انتقال کافروں کے بیچ ہوا تھا اور ان پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی تھی'' (مسائل جنازہ پر ایک تحقیقی نظر ص:۱۴۱، ناشر: انجمن اصلاحِ معاشرہ انڈیا)

پھر حافظ ابن تیمیہؒ، امام خطابیؒ، ناصر الدین البانی صاحب اور محمد بن صالح العثیمین صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایسی جگہ کسی شخص کا انتقال ہوا جہاں اس کا جنازہ کسی نے نہ پڑھا ہو تو پھر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھا جائے ورنہ نہیں، پھر لکھتے ہیں: ''رہا مسئلہ ہر فوت ہونے والے مسلمان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا، تو یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بہت سے صحابہ کرام مدینہ منورہ سے باہر دور دراز کے علاقوں میں فوت ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی صحابی نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہ پڑھی'' (ایضاً ص:۱۴۲-۱۴۳)

پھر البانی صاحب کا یہ مؤقف نقل کرتے ہیں: ''ہر فوت ہونے والے کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنی مشروع نہیں ہے، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب خلفاء راشدین وغیرہم کا انتقال ہوا تو مسلمانوں میں سے کسی نے بھی ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہ پڑھی اور اگر مسلمانوں نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہوتی تو ان کی بابت یہ بات تواتر کے ساتھ منقول ہوتی'' (دیکھئے احکام الجنائز وبدعہا للالبانی ص:۱۲۰)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ صرف اس کے حق میں مسنون ہے جس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو، اور جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اہل بستی نے اس پر نمازِ جنازہ پڑھ لی ہے تو صحیح قول کے مطابق اس کی نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھنی نہ تو درست ہے اور نہ ہی مسنون ہے:"'' (ایضاً ص:۱۴۳-۱۴۴)

☆......اور پُر لطف بات تو یہ ہے کہ خود حافظ ابن حجرؒ نے بھی خطابیؒ کے حوالے سے یہ تصریح کی ہے، فرماتے ہیں:

''**ومن ثمّ قال الخطابيّ لا يصلّى على الغائب الّا اذا وقع موته بأرضٍ ليس بها من يصلّي عليه واستحسنه الرّويانيّ من الشّافعيّة وبه ترجم أبوداؤد في السّنن الصّلاة على المسلم يليه أهل الشّرك ببلدٍ آخر**'' (فتح الباری ج:۳،ص:۱۲۸، بیروت، تحت قوله باب من صف صفين أو ثلاثة على الجنازة خلف الامام)

☆......علامہ ابن کثیرؒ (المتوفی:۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:''**وقال بعض العلماء انّما صلّى عليه لأنّه كان يكتم ايمانه من قومه فلم يكن عنده يوم مات من يصلّي عليه فلهذا صلّى عليه ﷺ**''

بعض علماء فرماتے ہیں کہ نجاشی پر اس لئے جنازہ پڑھا گیا کہ اس نے اپنی قوم پر اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا تھا، پس اس کی وفات پر اس کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا۔

☆......غیر مقلدین نے سعودی عالم شیخ محمد بن صالح عثیمین صاحب کا فتاویٰ اردو میں ترجمہ کیا ہے، جس میں یوں درج ہے:

''اور نجاشی کا اس کے اپنے ملک میں جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا، اس لئے نبی ﷺ نے مدینہ میں اس کا جنازہ پڑھایا تھا'' (فتاویٰ ارکانِ اسلام ص:۳۳۹، دارالسلام لاہور)

☆......غیر مقلدین کے دونوں فتاویٰ میں بھی اس اعتراض کا جواب ہے، ان میں یوں لکھا گیا ہے:

''ابن ماجہ، مسند احمد، طیالسی، ابن قانع، طبرانی، ضیاء مقدسی میں حذیفہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**انّ اخاكم مات بغير ارضكم فقوموا فصلوا عليه**'' یعنی تمہارا بھائی تمہاری غیر زمین میں مر گیا، اٹھو! اس کی نمازِ جنازہ پڑھو، اس حدیث میں تمہاری غیر زمین میں مرنے کا ذکر اس طرف اشارہ ہے کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں ہوا اس لئے تم پڑھو، اور فقوموا کی ف بھی اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ 'ف' تفریع کی ہے یعنی غیر ملک مرنا یہ اس جنازہ کا سبب ہے، اسی بنا پر ہے کہ وہاں جنازہ نہیں ہوا'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،

ص:۳-۱۷۴-۱۷۴،فتاویٰ اہلحدیث ج:۲،ص:۴۵۷)

اعتراض نمبر۳: نورستانی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''نجاشی کا جنازہ ان پر کشف کے ساتھ ظاہر ہوا، حافظ (ابن حجرؒ) کہتے ہیں کہ اس کے متعلق صحیح صریح دلیل چاہئے جو مانعین کے پاس نہیں ہے۔(پیغمبر کی نماز (پشتو)ص:۶۳۶،وفی نسخۃ ص:۴۴۰)

جواب: نورستانی صاحب......! آپ کے پاس حافظ ابن حجرؒ کے قول کے علاوہ قرآن وحدیث کی کوئی دلیل نہیں ہے جو آپ انہی کے قول پر اَڑے ہوئے ہیں؟ پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم تقلید کو نہیں مانتے......؟ تعجب ہے۔

☆......حافظ ابن حجرؒ نے خود یہ قول نہیں کیا بلکہ ابن دقیق العیدؒ کا قول نقل کیا ہے:''**قال ابن دقيق العيد هذا يحتاج الى نقلٍ ولا يثبت بالاحتمال**''

پھر اس عبارت کے متصل یوں کہتے ہیں:''**وتعقّبه بعض الحنفيّة ......الخ**''(فتح الباری:۳/۱۸۸)

یعنی علماء احناف (کثر اللہ سوادھم) نے اس بات پر ان کا تعاقب کیا ہے۔

وہ تعاقب کیا ہے؟ بعد میں خود ہی ابن حبانؒ کی روایت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ صحابہؓ یوں گمان کرتے تھے گویا جنازہ سامنے رکھا ہے:''**وهم لا يظنّون الّا أنّ جنازته بين يديه**''

اس روایت کے متعلق ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ اس کو امین اللہ پشاوری غیر مقلد نے صحیح کہا ہے۔

اس مذکورہ اعتراض پر صحیح ترین دلیل بلکہ دلائل موجود ہیں مگر نورستانی صاحب پھر بھی جامد تقلید کے مرتکب ہیں، حافظ ابن حجرؒ کا دامن مضبوطی سے تھام رکھا ہے اور ان کے قول کو مضبوط دلیل سمجھے بیٹھے ہیں۔

اسی طرح میت نظر آنے (کشف) کی بات دوسرے علماء نے بھی کی ہے، مثلاً صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں:

''**وما نحسب الجنازة الّا موضوعةً بين يديه**''(مسند احمد ج:۸،ص:۱۷۲، ناشر: دارالکتب العلمیہ لبنان، حدیث نمبر:۲۰۵۴۰، اسنادہ صحیح)

یعنی ہم یہ گمان کرتے گویا جنازہ نبی کریم ﷺ کے سامنے رکھا ہوا ہے۔

نوٹ: اس روایت کو البانی صاحب غیر مقلد نے بھی صحیح کہا ہے دیکھئے (ارواء الغلیل ج:۳،ص:۳۳۲)

☆......''شرح الزرقانی علی المؤطا'' میں ابو عوانہ کے حوالے سے یہ روایت مذکور ہے:

''**ولأبى عوانة عن عمران، فصلّينا خلفه ونحن لا نرى الّا أنّ الجنازة قدّامنا**''(شرح

الزرقانی علی المؤطا ج:۲،ص:۸۳، فتح الباری ج:۳،ص:۴۳۲)

ترجمہ: ہم نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، ہمارا یہ خیال تھا کہ جنازہ ہمارے سامنے ہے۔

درج بالا روایت کو قاضی شوکانی صاحب (المتوفی: ۱۲۵۰ھ) نے بغیر کسی تنقید کے ذکر کیا ہے دیکھئے (نیل الاوطار ج:۴،ص:۵۴)

☆......حافظ زیلعیؒ (المتوفی:۷۶۲ھ) فرماتے ہیں:

''أنّ النّبیّ ﷺ رفع له سریره، فرآه، فتکون الصّلاة علیه، کمیّتٍ رآه الامام'' (نصب الرایہ ج:۲، ص:۲۸۳،فصل فی الصّلاة علی المیّت)

☆......حافظ ابن عبدالبرؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

''رفعت له جنازته کما کشف له عن بیت المقدس حین سألته قریشٌ عن صفته''

(التمہید ج:۶،ص:۳۲۸)

ترجمہ ومفہوم: نبی کریم ﷺ کے سامنے نجاشی کا جنازہ اٹھایا گیا جیسا کہ قریش کے بیت المقدس کے متعلق سوالات کے وقت بیت المقدس سامنے کیا گیا۔

☆......امام واحدیؒ کا یہ حوالہ بھی گزر چکا کہ حضرت نجاشیؒ کی چارپائی نبی کریم ﷺ کے سامنے کر دی گئی یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو دیکھا اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

نوٹ: یہ روایت قاضی شوکانی صاحب نے بھی نقل کی ہے۔

مگر اتنی روایات اور دلائل کے باوجود حافظ ابن حجرؒ کی اندھی تقلید کرنا اسی فرقہ غیر مقلدیت ہی کے لائق ہے

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم.

بلکہ خود حافظ ابن حجرؒ غائبانہ جنازہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''قد یحتج به من یجیز الصّلاة علی الغائب، ویدفعه ما ورد أنّه رفعت الحجب حتّی شهد جنازته'' (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج:۶،ص:۱۲۷)

ترجمہ ومفہوم: اس روایت سے غائبانہ جنازہ کے قائلین حجت پکڑ سکتے ہیں مگر اس کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے پردے اٹھا دیئے گئے حتی کہ آپ ﷺ اس کے جنازہ میں شریک ہوئے۔

اب بتایئے کہ آپ حافظ صاحبؒ کی کون سی بات کو لیں گے اور کس بات پر عمل کریں گے......؟

اعتراض نمبر۴: نورستانی صاحب احناف وغیرہ کا یہ قول ''یہ نجاشی کی خصوصیت تھی کیونکہ اور کسی پر غائبانہ نمازِ جنازہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں'' نقل کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ سب حدیث رَد کرنے کے بہانے ہیں، ان کا جواب ابن حجرؒ یوں دیتے ہیں کہ ان کو معاویہ بن معاویہ اللیثی کا قصہ معلوم نہیں کہ اُن کا غائبانہ جنازہ ہوا تھا، اسی طرح شہدائے احد پر آٹھ سال بعد غائبانہ جنازہ پڑھنا اس کے جواز پر قوی دلیل ہے۔ (پیغمبر کی نماز (پشتو) ص:٦٣٦، نسخہ اُخریٰ ص:٤٤٠)

جواب: اللہ ہمیں تعصب سے بچائے، یہ حدیث کورّد کرنے کے بہانے نہیں ہیں بلکہ احادیث رَد کرنے کے بہانے آپ لوگ کرتے ہیں کہ ہم صحیح سند والی حدیث پیش کرتے ہیں کہ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ یہ جنازہ حاضرانہ تھا نہ کہ غائبانہ مگر پھر بھی غیر مقلدین مساوی غیر منصفین غائبانہ جنازہ مع الخرافات کے قائل ہیں اور ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کے مصداق ہم پر ہی الزام لگاتے ہیں کہ ہم حدیث ردّ کرنے کے بہانے کرتے ہیں، بڑے تعجب کی بات ہے۔ اللہ کا خوف کریں کب تک عوام کو دھوکہ دیتے رہیں گے؟ اور ہم آپ کے ان دھوکوں پر آپ لوگوں کی گرفت کرتے رہیں گے......!

بہرحال......! نورستانی صاحب نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں حافظ ابن حجرؒ کی اندھی تقلید کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھاؤں گا! بے شک یہ نجاشی کی خصوصیت تھی جیسا کہ تفصیل گزر چکی اور جہاں تک معاویہ بن معاویہ اللیثیؓ کا واقعہ ہے تو یہ آپ لوگوں کے دیگر مسائل کی طرح کمزور اور ضعیف حدیث ہے اور آپ کے اکثر مسائل ضعیف یا اپنے دعویٰ سے خارج احادیث پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس حدیث کی شرعی حیثیت ان شاء اللہ آگے آرہی ہے، یہ ضعیف واقعہ اور اس سے استدلال آپ لوگوں کو ہی مبارک ہو، الحمد للہ ہمارا دین قوی ہے، ہم قوی ہیں اور ہمیں قوی احادیث مبارک ہوں اور آپ ضعیف العقیدہ لوگ ہیں، آپ کا سارا مسلک ہی ضعیف بلکہ باطل ہے تو قوی دلائل کے مقابلہ میں یہ کمزور اور ضعیف روایات مبارک ہوں۔

اور جہاں تک بات شہدائے احد کے جنازہ کی ہے تو اس کی حیثیت اور حقیقت امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد سے ملاحظہ فرمائیں تا کہ دل کا کوئی ارمان اور شکوہ باقی نہ رہے

امین اللہ پشاوری صاحب اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ''یہ دلیل جنازہ علی القبر کے لئے ہے نہ کہ دلیل غائب کے لئے **فتدبر**'' (الحق الصریح ج:٦ ص:٤٩٢)

تو دیکھئے امین اللہ پشاوری صاحب اقرار فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث غائبانہ نمازِ جنازہ کی دلیل نہیں ہے بلکہ قبر پر جنازہ کرنے کی دلیل ہے۔

دلیل نمبر۳: غائبانہ نمازِ جنازہ کے قائلین کی تیسری دلیل جو حافظ ابن حجرؒ (المتوفی:۸۵۲ھ) نے اپنی کتاب ''الاصابہ'' میں نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے معاویہ ابن معاویہ کا جنازہ کیا ہے اور اس وقت معاویہ (بن معاویہ اللیثیؓ) مدینہ میں تھے اور نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک میں تھے!

حدیث کی اصل عبارت یوں ہے:

''محبوب بن هلال، عن عطاء بن أبي ميمونة، عن أنس بن مالك، قال؛ نزل جبرائيل على النّبيّ ﷺ فقال؛ يامحمّد! مات معاوية بن معاوية المزني، أتحبّ أن تصلّي عليه؟ قال؛ نعم...... فصلّى عليه ......الخ'' (الاصابہ ج:۳،ص:۴۳۶،ذكر من اسمه معاوية)

جواب نمبر۱: دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں یعنی اس میں لفظ غائب نہیں ہے اور غیر مقلدین پھر بھی خیانت سے کام لے کر اس کو غائبانہ جنازہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں......!

اس واقعے کے راوی حضرت انس بن مالکؓ ۹۳ھ میں فوت ہوئے ہیں اور معاویہ ابن معاویہؓ کا انتقال ۹ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا اور اس وقت نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک میں مصروف تھے، تو انسؓ جو اس واقعے کے راوی ہیں، اس واقعے کے بعد ۸۴ سال تک زندہ رہے اور ان ۸۴ سالوں میں انہوں نے نہ تو خود غائبانہ جنازہ پڑھا اور نہ ہی دوسروں کو اس کا حکم یا ترغیب دی۔

اگر اس واقعے سے غائبانہ نمازِ جنازہ ثابت ہوتا تو سب سے پہلے ان عاشق رسول ﷺ صحابی نے اس پر عمل کیا ہوتا کیونکہ وہ حدیث اور اتباع رسول ﷺ پر زیادہ مر مٹنے والے تھے، اس کے باوجود اگر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اس روایت سے غائبانہ جنازہ ثابت نہیں ہوتا۔

جواب نمبر۲: یہ روایت صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے اور غیر مقلدین کے مسلک میں زیادہ تر ضعیف احادیث پر عمل ہوتا ہے، اس موضوع پر ہمارا مقالہ ''غیر مقلدین کا ضعیف احادیث پر عمل کرنے کی چند جھلکیاں'' ملاحظہ کیجئے۔

(۱) پہلی روایت کے ایک راوی ''نوح بن عمرو'' کو امام ابن حبانؒ نے احادیث کا چور کہا ہے یعنی سخت

ضعیف ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی روایت کو منکر کہا ہے دیکھئے (میزان الاعتدال: ۷/۵۴، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

یعنی یہ انسؓ سے روایت نقل کرتے مگر انہوں نے یہ روایت چرا کر بقیہؒ کے سر باندھی ہے۔

(۲) دوسرے راوی ''محبوب بن ھلال'' کے متعلق امام ذہبیؒ (المتوفی: ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

''**لا یعرف و حدیثه منکر**'' کہ یہ مجہول ہے اور اس کی حدیث منکر ہے۔ (ایضاً ج:۶ ص:۲۸)

(۳) اس روایت میں ایک راوی ''العلاء بن یزید ابو محمد الثقفی الواسطی'' بھی ہیں، ابوالولیدؒ فرماتے ہیں کہ یہ کذّاب ہے اور امام بخاریؒ ان کو منکر حدیث کہتے ہیں دیکھئے (ایضاً ج:۵ ص:۱۳۲، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اور منکر حدیث کے متعلق غیر مقلدین کے محقق کبیر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: ''اور امام بخاری رحمہ اللہ جس راوی کی نسبت منکر الحدیث کہتے ہیں اس راوی سے حدیث کا روایت کرنا حلال نہیں ہے، میزان الاعتدال میں ابان بن جبلہ کے ترجمے میں مرقوم ہے: **ونقل ابن القطان أنّ البخاری قال؛ کل من قلت فیه منکر الحدیث فلا تحل الرّوایة عنه**'' (فتاویٰ مبارکپوری ص:۵۹۹)

تنبیہ: درج بالا حوالہ ''میزان الاعتدال ج:۱ ص:۱۱۹، طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور'' میں ہے۔

تنبیہ ثانی: امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ امام عقیلیؒ کا وہم ہے کہ اس کو ابن یزید کہا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ ابن زید ہے (میزان الاعتدال ج:۵ ص:۱۳۲) دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ یہ ابن حبانؒ کا وہم ہے کہ انہوں نے علاء بن زیدل اور علاء ابو محمد الثقفی کے درمیان فرق کیا ہے (میزان الاعتدال ج:۵ ص:۱۲۴)

مطلب یہ ہوا کہ علاء بن یزید، علاء بن زید اور علاء بن زیدل تین طریقوں سے یہ نام اسماء الرجال کی کتب میں موجود ہے کہ اس مقام پر قارئین کرام اس بات پر خوب غور کریں **واللہ أعلم و أتم**.

☆......امام بخاریؒ کے استاذ امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں ''**کان یضع الحدیث**'' کہ یہ اپنی طرف سے احادیث بناتے تھے، امام حاتمؒ اور دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے، امام بخاریؒ، ابن حبانؒ اور یزید بن ہارونؒ وغیرہم نے بھی اس کو منکر الحدیث کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ج:۵ ص:۱۲۳)

امام بخاریؒ نے دوسری کتاب میں بھی ان کو منکر الحدیث کہا ہے دیکھئے (التاریخ الکبیر ج:۲ ص:۵۲)

معلوم ہوا کہ اس میں کذاب راوی ہیں لہٰذا یہ روایت قابل ترک ہے۔

☆......حافظ ابن کثیرؒ نے مزید اسناد کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے، پھر آخر میں فرماتے ہیں کہ اس روایت کی تمام اسناد صحیح نہیں ہیں: ''**وقد روی هذا من طرقٍ أخر، ترکناها اختصارًا، و کلّها**

ضعیفۃٌ'' (تفسیر ابن کثیر ج:۴،ص:۲۰۹،ذیل شان نزول سورۃ الاخلاص)

☆......مشہور غیر مقلد جوناگڑھی صاحب نے ''تفسیر ابن کثیر'' کا ترجمہ کیا ہے، اس میں بھی اسی طرح ترجمہ کیا ہے یعنی اس پر ضعیف کا حکم لگایا ہے دیکھئے (تفسیر ابن کثیر مترجم ج:۵،ص:۵۹۲،حذیفہ اکیڈمی لاہور، ذیل شان نزول سورۃ الاخلاص)

☆......حافظ ابن عبد البرؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) بھی یہ حدیث مختلف طرق سے ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں: ''**أسانید هذه الأحاديث ليست بالقوية ولو أنّها في الأحكام لم يكن في شيء منها حجة**'' (الاستیعاب ج:۳،ص:۱۴۲۵،تحت باب معبد)

☆......حافظ ابن حجرؒ بھی فرماتے ہیں:

''**قال ابن عبد البرّ؛ أسانيد هذا الحديث ليست بالقوية ولو أنّها في الأحكام لم يكن في شيء منها حجة**'' (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ج:۶،ص:۱۲۷)

یعنی اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے اور اگر یہ احکام سے متعلق ہو پھر تو ایک بھی روایت (غائبانہ جنازہ کے متعلق) صحیح نہیں ہے۔

☆......ابن اثیرؒ (المتوفی:۶۳۰ھ) نے بھی اپنی مایہ ناز کتاب میں اسی طرح کی روایت ذکر کی ہے اور پھر آخر میں حافظ ابن عبد البرؒ سے نقل کرتے ہیں: ''**قال أبو عمر؛ أسانيد هذه الأحاديث ليست بالقوية**'' (أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج:۵،ص:۲۰۶)

☆......علامہ ذہبیؒ (المتوفی:۷۴۸ھ) نے اپنی کتاب میں یہ روایت مختلف اسناد کے ساتھ ذکر کی ہے اور فرداً فرداً ایک ایک روایت پر ردّ کیا ہے تفصیلاً دیکھئے (تاریخ اسلام ج:۱،ص:۴۲۹،۴۶۱،تحت: السنۃ التاسعۃ، وفی رجب غزوۃ تبوک وایضًا تحت: العلاء بن زیدلٍ الثّقفیّ)

☆......اسی طرح کی جرح دوسری کتاب میں بھی کی ہے تفصیلاً دیکھئے (سیر اعلام النبلاء ج:۲،ص:۲۰۱ تا ۲۰۳، تحت عنوان: فی رجب غزوۃ تبوک، مکتبہ وحیدیہ پشاور پاکستان)

☆......اور دوسری کتاب میں یوں جرح کرتے ہیں: ''**قال ابن حبان؛ وهذا منكر**'' (میزان الاعتدال ج:۳،ص:۹۹،تحت الترجمہ: العلاء بن زیدل)

☆......حافظ ابن قیمؒ (المتوفی:۷۵۱ھ) بھی اس روایت پر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’وقد روی عنه أنّه صلّی علی معاویة بن معاویة اللّیثی وهو غائبٌ ولکن لا یصحّ، فانّ فی اسناده العلاء بن زید، ویقال ابن زیدل، قال علیّ بن المدینیّ؛ کان یضع الحدیث، ورواه محبوب بن هلال، عن عطاء بن أبی میمونة عن أنس، قال البخاریّ؛ لا یتابع علیه‘‘(زادالمعادص:۵۰۱)

☆......قاضی شوکانی صاحب(المتوفی:۱۲۵۰ھ)یوں جرح نقل کرتے ہیں:

’’قال ابن القیّم؛ لا یصحّ حدیث صلاته ﷺ علی معاویة بن معاویة لأنّ فی اسناده العلاء بن یزید، قال ابن المدینیّ؛ کان یضع الحدیث‘‘(نیل الاوطارج:۴،ص:۶۲)

☆......مشہور غیر مقلد عبداللہ روپڑی صاحب بھی جرح نقل کرتے ہیں دیکھئے(فتاویٰ اہلحدیث:۲/۱۲۳)

☆......مشہور غیر مقلد ابوعبدالرحمٰن عظیم آبادی(المتوفی:۱۳۲۹ھ)اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:’’وقد روی عنه أنّه صلّی علی معاویة بن معاویة وهو غائبٌ ولکن لا یصحّ، فانّ فی اسناده العلاء بن زیدٍ، قال علیّ بن المدینیّ؛ کان یضع الحدیث، ورواه محبوب بن هلال، عن عطاء بن أبی میمونة عن أنس، قال البخاریّ؛ لا یتابع علیه‘‘(عون المعبود شرح سنن ابی داؤدج:۹،ص:۸)

☆......اس قسم کا مضمون’’مسند ابویعلیٰ‘‘میں بھی ہے،اس حدیث کونقل کرنے کے بعد محقق حسین سلیم اسد صاحب فرماتے ہیں:’’اسناده ضعیف جدّا‘‘

☆......یہ روایت امام عقیلیؒ کی’الضعفاء الکبیر:۳/۳۴۲‘‘میں بھی ہے،اس کتاب کے محقق’’عبدالمعطی امین قلعجی‘‘یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:’’فیها لین‘‘یعنی اس کتاب میں نرمی(کمزوری)ہے۔

☆......مشہور غیر مقلد ابوعبدالسلام عبدالرؤف صاحب اس حدیث پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

’’نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھنے پر معاویہ بن معاویہ مزنی یا لیثی کے قصے سے بھی حجت لی جاتی ہے......مگر اس قصے سے درج ذیل دووجوہ کی بناء پر حجت لینا مردود ہے:

ا۔ یہ قصہ اسنادی اعتبار سے ثابت نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اس کو ابومحمد ثقفی اور ہلال بن محبوب کی سند سے ذکر کرنے اور ان دونوں سندوں پر جرح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

’’اس کی دوسری سندیں بھی ہیں جن کو ہم نے اختصار کے پیش نظر ترک کر دیا ہے اور وہ تمام سندیں ضعیف ہیں‘‘(تفسیر ابن کثیر ج:۴،ص:۲۰۸-۲۰۹)

حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: ''ان احادیث کی سندیں قوی نہیں ہیں، اگر یہ احکام سے متعلق ہوتیں تو ان میں سے کوئی بھی قابل حجت نہ ہوتی'' (الاستیعاب)

قلت: اس قصے سے نمازِ جنازہ غائبانہ کی مشروعیت پر استدلال کرنا ایک شرعی حکم ہے لہٰذا حافظ ابن عبدالبر کی تصریح کے مطابق اس کے لئے یہ قصہ قابل حجت نہیں'' (القول المقبول ص:۲۱۶)

پھر آگے مزید لکھتے ہیں: ''حاصل کلام یہ ہے کہ یہی وہ دو واقعات ہیں جن سے اس مسئلے کے لئے استدلال کیا جاتا ہے جن میں سے معاویہ بن معاویہ والا قصہ تو ویسے ہی ثابت نہیں'' (ایضاً ص:۲۱۷)

☆......غیر مقلدین کے مفتی اعظم عبیداللہ عفیف صاحب بھی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: ''سیدنا معاویہ بن معاویہ لیثی کا جنازہ غائبانہ پڑھنا بھی روایات میں مذکور ہے اگرچہ سند ضعیف ہے'' (سفر آخرت ص:۱۳۴)

☆......کرم الدین سلفی صاحب نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''سیدنا معاویہ بن معاویہ لیثی کا جنازہ غائبانہ پڑھنا بھی روایات میں مذکور ہے اگرچہ سند ضعیف ہے'' (غائبانہ نمازِ جنازہ ص:۵۳)

نوٹ: معاویہ اور ان کے والد کا تعارف ابن الاثیرؒ (المتوفی:۶۳۰ھ) یوں نقل کرتے ہیں: ''**معاوية بن معاوية المزني ويقال؛ الليثي، ويقال معاوية بن مقرن المزني، قال أبو عمر؛ وهو أولى بالصواب**'' (أسد الغابة في معرفة الصحابة ج:۵،ص:۲۰۶)

جواب نمبر۳: اگر روایت پر نظر ڈالی جائے تو پوری حقیقت حال سامنے آجائے گی وہ یوں کہ اس روایت میں یہ بات مذکور ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ آپ معاویہ بن معاویہؓ کی نمازِ جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں۔ (**أتحب ان تصلّی علیه؟ قال نعم...... الخ**)

تو یہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا دخل دینا آگیا، حافظ ابن حجرؒ (المتوفی:۸۵۲ھ) روایت ذکر کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے اپنا دایاں پر پہاڑوں پر رکھا تو وہ ڈوب گئے یہاں تک کہ ان کو پورا مدینہ منورہ دکھائی دینے لگا:

''**فضرب بجناحيه فلم يبق أكمة ولا شجرة الّا قد تضعضعت، فرفع سريره حتّى نظر اليه فصلّى عليه**'' (الاصابة في تميز الصحابة ج:۱،ص:۳۴۷)

معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا بلکہ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے پہاڑوں اور درمیان

کی تمام حائل رکاوٹوں کو دور کر دیا اور وہ جنازہ ان پر منکشف ہو گیا، اگر یہ جنازہ غائبانہ ہوتا تو پھر جبرائیل علیہ السلام کیوں پوچھتے؟ ان کو پوچھنے کی کیا ضرورت تھی......؟

اسی مفہوم والی روایات مندرجہ ذیل کتب میں بھی وارد ہیں:

(المعجم الکبیر ج:۸،ص:۱۱۶، السنن الکبریٰ ج:۴،ص:۵۱، المعجم الاوسط ج:۴،ص:۵۱۹، **عمل الیوم واللیلہ** ص:۷۰، مسند الشامین ج:۲،ص:۱۳، مجمع الزوائد ج:۳،ص:۳۸، مجمع البحرین ج:۲،ص:۴۲۸)

☆......حافظ ابن حجرؒ (المتوفی:۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

''قد یحتج به من یجیز الصّلاة علی الغائب، ویدفعه ما ورد أنّه رفعت الحجب حتّی شهد جنازته'' (الاصابه فی تمیز الصحابه ج:۶،ص:۱۲۷)

ترجمہ ومفہوم: اس روایت سے غائبانہ جنازہ کے قائلین حجت پکڑ سکتے ہیں مگر اس کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے پردے اٹھا دیئے گئے حتی کہ آپ ﷺ اس کے جنازہ میں شریک ہوئے۔

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ بھی اس کو غائبانہ جنازہ کے منافی سمجھتے ہیں اور اس سے حاضرانہ جنازہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

☆......اسی وجہ سے غیر مقلدین کے مجتہد ابو عبد السلام عبد الرؤف صاحب لکھتے ہیں: ''علی سبیل الجدل اگر اس قصے کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی اس سے حجت نہیں لی جا سکتی......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابو محمد ثقفی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے زمین کو سمیٹ دیا گیا تھا اور آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، ان کی نمازِ جنازہ پڑھی پھر واپس لوٹے۔

حدیث ابو اسامہ، اسی طرح مرسل سعید بن میسّب اور مرسل حسن بصری سے بھی یہی کچھ معلوم ہوتا ہے......اور انس رضی اللہ عنہ سے عطاء بن ابی میمونہ کی روایت میں ہے کہ معاویہ بن معاویہ کے جنازے کو جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لا کھڑا کیا تو آپ نے ان کی نمازِ جنازہ ادا کی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے معاویہ بن معاویہ کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا نہیں کی، لہٰذا اس قصے سے اس مسئلے پر استدلال کرنا باطل ہوا'' (القول المقبول ص:۶۱۷)

اور پھر آگے لکھتے ہیں: ''اگر ہم صحیح تسلیم بھی کر لیں تو اس صورت میں یہ قصہ ہماری دلیل ہوگا نہ کہ ان کی، اس لئے کہ اگر غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہوتی تو پھر رسول اللہ ﷺ کے لئے زمین کو سمیٹنے کی یا معاویہؓ کے جنازے کو حاضر

کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ ایسا کرنے سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں، لہٰذا یہ قصہ ہمارے لئے دلیل ہے ان کے لئے نہیں (وھذا بین لا یخفی)''(القول المقبول ص:۱۷۷)

مزے کی بات یہ کہ غیر مقلدین کے مجتہد العصر روپڑی صاحب کہتے ہیں کہ امام ذہبیؒ نے تو معاویہ بن معاویہ نامی کسی شخص کے صحابی ہونے کا انکار کیا ہے کہ اس نام کا کوئی صحابی نہیں۔(فتاویٰ اہلحدیث:۲/۱۲۳)

قاضی شوکانی صاحب کا عجیب تسامح:

نواب صدیق حسن خان کے استاذ قاضی شوکانی صاحب (المتوفی:۱۲۵۰ھ) نے اپنی کتاب میں غائبانہ نمازِ جنازہ کو عجیب انداز میں گھما پھرا کر بیان کیا ہے۔

موصوف نے پہلے ''الاستیعاب'' کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے معاویہ بن معاویہ اللیثی پر جنازہ پڑھا، پھر کہتے ہیں کہ ''الاستیعاب'' جیسا قصہ معاویہ بن معاویہ مقرن کے حق میں ابوامامہ سے روایت کیا ہے، پھر کہتے ہیں کہ اسی طرح کا قصہ حضرت انسؓ سے معاویہ بن معاویہ مزنی کے ترجمہ میں روایت کیا ہے۔

قاضی صاحب لوگوں کو اس وہم میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ گویا معاویہ کے نام پر تین اشخاص ہیں اوران پر الگ الگ سے غائبانہ جنازہ ہوا ہے حالانکہ یہ عجیب تسامح یا غفلت یا تغافل ہے کیونکہ یہ ایک ہی شخص ہے جس کو کوئی معاویہ بن معاویہ مقرن، کوئی معاویہ بن معاویہ مزنی اور کوئی معاویہ بن معاویہ لیثی کہتا ہے (اگرچہ ابوعمر نے معاویہ بن مقرن کو ترجیح دی ہے کہ صحابہ میں معاویہ بن معاویہ کوئی بھی نہیں ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں معاویہ بن معاویہ مزنی کو ترجیح دی ہے اور اللیثی کہنے کو علاء ثقفی کی خطا سمجھا ہے اور معاویہ بن مقرن کو صحابی سمجھا ہے کہ اس کے لئے یہ روایت ثابت نہیں ہے)

بہرحال معاویہ کے نام کا ایک ہی شخص ہے اور قاضی شوکانی صاحب کا تثلیث کا یہ تغافل اور ابہام صحیح نہیں۔

الغرض: جب اس روایت میں ''غائب'' کا لفظ نہیں اور میت بھی سامنے کردی گئی تو پھر غائبانہ جنازہ کیونکر ہوگیا......؟ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین تنکوں کے سہارے اپنے باطل مسلک کو زبردستی صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی اپنے مشن میں سراسر ناکام ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں انانیت اور ہویٰ پرستی سے بچائے اور صحیح دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

غیر مقلدین کے نزد بھی اس حدیث سے غائبانہ نمازِ جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں:

اولاً: ہم نے پہلے بھی اس حدیث کی تضعیف پر غیر مقلدین کے گھر سے چند ثبوت پیش کئے تھے جن کے پیش نظر اس ضعیف روایت سے استدلال درست نہیں کیونکہ غیر مقلدین خود کہتے ہیں کہ ضعیف حدیث سرے سے فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے ہی نہیں۔ (تحفہ حنفیہ ص:۱۹۷)

ثانیاً: مشہور غیر مقلد ابو عبد السلام عبد الرؤف صاحب اس حدیث پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھنے پر معاویہ بن معاویہ مزنی یا لیثی (صحیح اللیثی ہے، ناقل) کے قصے سے بھی حجت لی جاتی ہے...... مگر اس قصے سے درج ذیل دو وجوہ کی بناء پر حجت لینا مردود ہے:

ا۔ یہ قصہ اسنادی اعتبار سے ثابت نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ...... فرماتے ہیں اس کی دوسری سندیں بھی ہیں جن کو ہم نے اختصار کے پیش نظر ترک کر دیا ہے اور وہ تمام سندیں ضعیف ہیں'' (تفسیر ابن کثیر ج:۴، ص:۲۰۸-۲۰۹)

حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں: ''ان احادیث کی سندیں قوی نہیں ہیں، اگر یہ احکام سے متعلق ہوتیں تو ان میں سے کوئی بھی قابل حجت نہ ہوتی'' (الاستیعاب)

قلت: اس قصے سے نمازِ جنازہ غائبانہ کی مشروعیت پر استدلال کرنا ایک شرعی حکم ہے لہٰذا حافظ ابن عبد البر کی تصریح کے مطابق اس کے لئے یہ قصہ قابل حجت نہیں'' (القول المقبول ص:۷۱۶)

پھر آگے مزید لکھتے ہیں: ''اگر ہم صحیح تسلیم بھی کر لیں تو اس صورت میں یہ قصہ ہماری دلیل ہوگا نہ کہ ان کی، اس لئے کہ اگر غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہوتی تو پھر رسول اللہ ﷺ کے لئے زمین کو سمیٹنے کی یا معاویہؓ کے جنازے کو حاضر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ ایسا کرنے سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں، لہٰذا یہ قصہ ہمارے لئے دلیل ہے ان کے لئے نہیں (وھذا بین لا یخفی)'' (ایضاً ص:۷۱۷)

دلیل نمبر۴: غائبانہ نمازِ جنازہ کے قائلین کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ غزوہ موتہ کے شہداء پر حضور ﷺ نے غائبانہ جنازہ پڑھا ہے۔

جواب: اولاً: یہ وہی پرانا جھوٹ اور خیانت ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں یعنی اس روایت میں غائبانہ کے کوئی الفاظ نہیں ہیں اور یہ اس کو غائبانہ جنازہ پر محمول کرتے ہیں......!

ثانیاً: یہاں پر نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے اور یہاں سے ان کو غزوہ موتہ کے حالات کا

کشف ہوا اور انہوں نے دیکھا تو یہ غائبانہ کیونکر ہوا......؟

اور غزوۂ موتہ کے حالات نبی کریم ﷺ کا خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور پھر موجود صحابہ کو بیان کرنا متعدد کتب معتبرہ میں نقل ہے مثلاً دیکھئے: ''صحیح بخاری ج:۱،ص:۱۶۶، مسند احمد ج:۳،ص:۱۱۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج:۸،ص:۱۵۴، المستدرک للحاکم ج:۳،ص:۴۲۴ وغیرہم''

تو خلاصہ یہ ہوا کہ یہ حدیث بھی غیر مقلدین کے لئے قابل استدلال و حجت نہیں ہے۔

غیرِ مقلدین کے مسلک میں شہید کا جنازہ نہیں ہے:

غیر مقلدین جب تعصب پر اتر آئیں اور بدعات شروع کر دیں تو اپنے مسلک کو بھی پامال کر دیتے ہیں، اس لئے کہ غیر مقلدین کے مسلک میں شہید کا جنازہ نہیں اور پھر بھی وہ شہید کے جنازے کے لئے خود ساختہ بے ربط دلائل کا سہارا لے کر اپنی بدعات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں......!

غیر مقلدین کی چند شہادات ملاحظہ فرمائیں جس میں وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ شہید کی نمازِ جنازہ نہیں:

(۱) مشہور غیر مقلد حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: ''حضور انور ﷺ نے شہیدوں کو خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا، نہ ان پر نمازِ جنازہ پڑھی اور نہ ان کو غسل دیا (بخاری شریف) معلوم ہوا کہ شہید کو بغیر غسل اور جنازہ پڑھنے کے دفن کرنا چاہئے'' (صلوٰۃ الرسول ص:۴۴۱، القول المقبول ص:۱۷-۱۸)

(۲) یہی روایت بغیر کسی تشریح کے ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب نے بھی ذکر کی ہے دیکھئے (نمازِ نبوی ص:۳۶۸)

(۳) غیر مقلدین کے محدث اعظم عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں:

''شہید نے چونکہ اپنے عمل سے درجہ پایا ہے اس لئے اس کی بزرگی اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۵۴، فتاویٰ اہلحدیث ج:۲،ص:۱۱۵)

(۴) نواب صدیق حسن خان صاحب کے صاحبزادے مولوی نور الحسن بھوپالی صاحب غیر مقلد بھی لکھتے ہیں: ''شہید کا جنازہ نہیں کیا جائے گا'' مزید کہتے ہیں ''شہداء پر جنازہ کے اثبات میں متعدد اسناد سے احادیث وارد ہوئی ہیں لیکن تمام احادیث میں کلام ہے'' (عرف الجادی ص:۵۴)

(۵) غیر مقلدین کے امامِ اہلحدیث نواب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں: ''اہلحدیث کے نزدیک شہید پر نماز (جنازہ) نہ پڑھنا چاہئے'' (سنن ابن ماجہ مترجم ج:۱،ص:۵۲۷، طبع لاہور)

(٦) مولوی محی الدین صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''شہید کی جنازے کی نماز نہیں ہے'' (فقہ محمدیہ ج:۱، ص:۲۷، طبع سرگودھا)

(۷) ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''نبی ﷺ نے شہداء کو خون سمیت دفنانے کا حکم دیا، ان پر نمازِ جنازہ پڑھی نہ ان کو غسل دیا'' (نمازِ نبوی ص:۲۹۵)

(۸) غیر مقلدین کے درس نظامی میں شامل کتاب میں لکھا ہے: ''جنگ میں شہید شخص کو اپنے کپڑوں میں بغیر غسل اور نماز کے دفن کیا جائے گا'' (محفوظات ج:۲، ص:۱۱۹)

(۹) غیر مقلدین کے ممدوح اور معتمد عالم قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں: ''**ولا یصلّی علی...... الشہید**'' (الدر البھیہ عربی ص:۹، مترجم:۱۴، طبع لاہور)

یعنی شہید پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔

(۱۰) غیر مقلدین کے محقق عبدالولی عبدالقوی صاحب لکھتے ہیں: ''میدان کارزار میں شہادت پانے والے شہداء کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی بلکہ انہیں بلا غسل وکفن دیئے ہوئے انہیں کے کپڑوں میں خونوں سمیت بلا نمازِ جنازہ دفن کر دیا جائے گا'' (نمازِ جنازہ کے اہم مسائل واحکام ص:۹۷-۹۸)

(۱۱) غیر مقلدین کے مفتی اور شیخ الحدیث ثناء اللہ مدنی صاحب لکھتے ہیں: ''راجح مسلک کے مطابق شہید فی المعرکۃ کی نماز جنازہ نہیں'' (فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۳، ص:۱۴۱)

انّی رأیت أحد عشر کوکبا

قارئین کرام......! آپ خود سوچیں کہ ان کے نزدیک شہید کی نمازِ جنازہ صحیح نہیں مگر پھر بھی مسلکی خودکشی کرتے ہیں، عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، اپنی بدعات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اپنے مسلک کے خلاف حوالہ جات پیش کرتے ہیں اور امت میں انتشار برپا کرتے ہیں، معمولی رقم حاصل کرنے کی خاطر غلط استدلالات کرتے ہیں اور خودساختہ غائبانہ جنازے کرتے اور کرواتے ہیں......!!!

﴿سوالات﴾

موضوع کے مطابق غیر مقلدین سے چند سوالات کرتے ہیں:

(۱) نجاشی کے جنازہ سے کس صحابی نے استدلال کیا اور پھر اس نے غائبانہ نمازِ جنازہ کی ہے......؟

(۲) تابعین میں سے کس تابعی نے استدلال کیا ہے اور پھر اس نے غائبانہ نمازِ جنازہ کی ہے......؟

(۳) جن راویانِ حدیث سے نجاشی کے جنازہ کا ذکر آیا ہے کیا ان راویوں نے کبھی اپنی مروی روایت سے استدلال کر کے غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی ہے......؟

(۴) آپ لوگوں نے کبھی نبی کریم ﷺ کا غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کیا ہے......؟

(۵) آپ لوگوں نے کبھی کسی صحابی کا غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کیا ہے......؟

(۶) آپ لوگوں نے کبھی کسی تابعی کا غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کیا ہے......؟

(۷) آپ لوگوں نے کبھی مقلدین حضرات کا غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کیا ہے......؟

(۸) آپ لوگوں کا صرف ایک فرقہ ''لشکر طیبہ'' یہ بدعت کرتا ہے یا تمام فرقے کرتے ہیں......؟

(۹) شہید کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرنے کی ابتداء کب سے ہوئی......؟

(۱۰) نمازِ جنازہ ابھی گھر میں رکھا ہو، اور چند لوگ جنازہ گاہ میں پہلے ہی اس کا جنازہ پڑھ لیں تو یہ جنازہ ہوا یا نہیں......؟ شریعت کی روشنی میں یہ مسئلہ واضح کریں۔

(۱۱) آپ کی کتابوں میں بھی یہ مسئلہ ہے کہ جنازے کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ جنازہ سامنے رکھا ہو یعنی حاضر ہو تو کیا یہ شرط بلا دلیل ہے......؟

(۱۲) غائبانہ نمازِ جنازہ کے منکرین کا کیا حکم ہے......؟

(۱۳) غائبانہ نمازِ جنازہ کے تارکین کا کیا حکم ہے......؟

(۱۴) نبی کریم ﷺ کے دور میں غائبانہ نمازِ جنازہ کس نام سے یاد کیا جاتا تھا......؟

(۱۵) اگر کوئی غائبانہ نمازِ جنازہ پر اصرار اور اس کا التزام کرے اس کا کیا حکم ہے......؟

﴿جنازہ آہستہ پڑھنا چاہئے﴾

غیر مقلدین حضرات جیسا کہ اپنے مسلک میں غلو کرتے ہوئے بدعات میں ڈوبے ہیں اور اپنا مسلکی تشخص اُجاگر کرنے کے لئے اپنے عمل کو یوں ظاہر کرتے ہیں گویا کہ وہی صحیح احادیث اور سنت کے مطابق عمل کرنے والے ہیں، ان کے علاوہ مقلدین حضرات ضعیف احادیث پر عمل پیرا اور سنت کے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ غیر مقلدین کی وہ ضعیف روایات اور وہ بھی خود انہی کے علماء کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں کو دیکھ کر آپ حضرات حیران ہو جائیں گے کہ غیر مقلدین آخر اپنے عوام کو کیسے حقائق سے بے خبر رکھ کر ضعیف اور ناقص دلائل کا سہارا لیتے ہیں؟

اس سے قبل غائبانہ نمازِ جنازہ کی حیثیت پچھلے شمارے میں ہم نے آپ کے سامنے تفصیل کے ساتھ ذکر کی ہے، اب مختصراً اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں کہ جنازہ جہراً پڑھنا سنت ہے یا سراً (آہستہ) پڑھنا چاہئے......!

غیر مقلدین کے نزدیک جہراً نمازِ جنازہ پڑھنا سنت ہے:

غیر مقلدین کا دعویٰ انہی کی کتب کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

☆......غیر مقلدین کے مناظر رئیس ندوی صاحب لکھتے ہیں: ''سورۃ فاتحہ و دیگر سورۃ کا پڑھنا جہر کے ساتھ مسنون ہے'' (نماز جنازہ اور اس کے مسائل ص: ۱۳۳)

☆......عبدالعزیز نورستانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''لہٰذا سنت یہ ہے کہ جنازہ جہراً پڑھا جائے'' (پیغمبر کی نماز (پشتو) ص: ۶۴۴، وفی نسخۃ اخریٰ ص: ۴۴۵)

☆......ابو یزید عبدالقاہر صاحب لکھتے ہیں: ''فاتحہ اور اس کے ساتھ سورت پڑھنا جنازے میں جہر کے ساتھ سنت ہے'' (التحقیقات فی ردّ الھفوات ص: ۵۷۵)

☆......غیر مقلدین کے مشہور محقق زبیر علیزئی صاحب لکھتے ہیں:

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے جنازے میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت جہراً پڑھی اور فرمایا: ''سنّۃ و حق'' یہی سنت اور حق ہے (سنن نسائی) صحابی جب کسی کام کو سنت کہے تو اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی ہے'' (دین میں تقلید کا مسئلہ ص: ۱۸۰-۱۸۱)

نیز ملاحظہ فرمایئے عبدالعزیز نورستانی صاحب کی کتاب ''پیغمبر کی نماز (پشتو) ص: ۶۴۲ و ۶۴۴'' اور امین اللہ

پشاوری صاحب کی کتاب ''فتاویٰ الدین الخالص ج:۷،ص:۱۷۰'' وغیرہما۔

ہمارا جواب دعویٰ: جبکہ ہمارا جوابِ دعویٰ یہ ہے کہ غیر مقلدین کا جنازہ بالجہر (صرف امام کے قرأت، دعا وغیرہ کو جہر سے پڑھنے اور مقتدی کے آہستہ آواز میں پڑھنے اور صرف مقتدی کے امام کے پیچھے جہراً آمین آمین کی صدائیں لگانے) کوسنت کہنا خلافِ سنت ہے اور عام عادت یعنی آہستہ پڑھنا نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت بلکہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہے اور تمام اسلاف اور امت کا تعامل اسی پر ہے۔

عجیب نکتہ: غیر مقلدین کے عجیب وغریب مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ قرأت میں جہر صرف امام ہی کرتے ہیں نہ کہ مقتدی اور آمین آمین صرف مقتدی کہتے ہیں!

تو غیر مقلدین وہ دلیل پیش کرنے کے پابند ہوں گے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو کہ امام کا یہ یہ وظیفہ ہے اور مقتدیوں کا یہ! ''چونکہ'' اور ''معلوم ہوتا ہے'' سے کام نہیں چلے گا!

غیر مقلدین نہ صرف سورۃ فاتحہ بلکہ پورا جنازہ ہی جہر سے پڑھتے ہیں جبکہ زیادہ سے زیادہ تعلیم کے لئے جو حدیث آئی ہے اُس کو انہوں نے پورے جنازے پر چسپاں کیا ہوا ہے، خود انہی کی کتابیں ان کے عجز پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ غیر مقلدین کے فتاویٰ میں جنازہ بالجہر پر تفصیلی بحث کے بعد آخر میں لکھتے ہیں ''تیسری تکبیر میں بلند آواز سے دعا پڑھنے کی حدیث مجھے یاد نہیں'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۱۵۷)

یاد رہے! صرف احناف ہی نہیں بلکہ شوافع کے نزدیک بھی (قرأت کے علاوہ) دعا آہستہ پڑھنی چاہیے (شرح النووی علی المسلم ج:۱،ص:۳۱۱)

اور امام مزنیؒ (المتوفی:۲۶۴ھ) نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے ''**وَيُخْفِي الْقِرَاءَةَ وَالدُّعَاءَ وَيَجْهَرُ بِالسَّلَام**'' (مختصر المزنی ص:۱۳۳، بشکریہ ماہنامہ نصرۃ العلوم از قارن صاحب دامت فیوضہم)

ترجمہ: ''قرأت اور دعا آہستہ اور سلام بلند آواز سے کہے''

حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے چنانچہ ابن قدامہ الحنبلیؒ (المتوفی:۶۲۰ھ) لکھتے ہیں: ''**وَيُسِرُّ الْقِرَاءَةَ وَالدُّعَاءَ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لَا نَعْلَمُ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْهِ خِلَافًا**'' (المغنی ج:۲،ص:۲۶۳)

ترجمہ: ''قرأت اور دعا نماز جنازہ میں آہستہ پڑھے، ہم اس بارے میں اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں جانتے''

جبکہ احناف (کثر اللہ سوادھم) کے نزدیک جنازہ میں قرأت ہو یا دعا ہو، امام اور مقتدی دونوں کو آہستہ پڑھنا چاہئے جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

احناف کے نمازِ جنازہ آہستہ پڑھنے کے دلائل:

۱۔ نماز جنازہ از خود دعا ہے اور دعا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً'' (سورۃ الاعراف آیۃ: ۵۵)

ترجمہ: ''پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور آہستہ''

۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ؛ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ؛ مَا أَبَاحَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا أَبُوْبَكْرٍ وَلَا عُمَرُ فِيْ شَيْءٍ مَا أَبَاحُوْا فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ. (سنن ابن ماجہ ص: ۴۸۱، باب ما جاء في الدّعاء في الصّلاة على الجنازة)

ترجمہ: ''جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ہمارے لئے نماز جنازہ میں کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔''

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں: ''وَالَّذِيْ وَقَفْتُ عَلَيْهِ بَاحَ أَيْ جَهَرَ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ'' (تلخیص الحبیر ج: ۲، ص: ۲۸۹)

ترجمہ: ''جہاں تک میری معلومات ہیں تو (حدیث کے لفظ) ''باح'' کا معنی جہر ہے۔''

مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ بلند آواز سے نہیں پڑھی، تو غیر مقلدین اس حدیث کو دیکھ کر اپنی بدعت (جنازہ بالجہر کو سنت سمجھ کر پڑھتے ہوئے مقتدی کے بلند آواز سے آمین کی صدائیں لگانے) سے توبہ کریں۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنازہ کا طریقہ بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فَاِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللّٰهَ وَصَلَّيْتُ عَلٰى نَبِيِّهٖ ثُمَّ أَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ...... الخ'' (موطا مالک ج: ۲، ص: ۳۱۹)

ترجمہ: ''میں پہلی تکبیر کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہوں، پھر آنحضرت ﷺ پر درود پڑھتا ہوں اور پھر میں یہ (دعا) پڑھتا ہوں اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ...... الخ''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کا طریقہ سکھایا، اگر اس میں جہر ضروری ہوتی اور اس کے خلاف نماز خلافِ سنت ہو جاتی تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ضرور اس کو بیان کرتے کیوں کہ یہ مسلمہ قاعدہ ہے ''**السکوت فی معرض البیان بیان**'' کہ بیان کے وقت سکوت کرنا اس چیز کا بیان ہے (یعنی یہ کام کرنا ضروری ہے اور اگر کچھ ذکر نہ کریں تو مطلب یہ کام ضروری نہیں)

امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے ''فتاویٰ الدین الخالص:۷/۹۶'' اور عبید اللہ صاحب مبارک پوری غیر مقلد نے بھی اپنی کتاب ''مرعاۃ المفاتیح، کتاب الصلوٰۃ، باب اول:۳/۳۸۵'' میں اس کو تسلیم کیا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں جہر اصل اور ضروری نہیں۔

۴۔ ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب غیر مقلد نے ایک حدیث نقل کی ہے، کہتے ہیں: ''سنت یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور دعائیں آہستہ پڑھی جائیں **سرّا فی نفسه**'' (سنن النسائی:۱/۲۸۱) (اور پھر اس حوالے کی تخریج میں زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد یوں لکھتے ہیں) ''صحیح نسائی، الجنائز باب الدعاء، حدیث ۱۹۹۱، **وھو حدیث صحیح**، حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری:۳/۲۰۴'' میں اسے صحیح کہا ہے۔ المنتقی لابن الجارود:۵۴۰، **وسندہ صحیح**'' (نماز نبوی ص:۳۶۷)

اس حوالے کو بغور دیکھئے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ جنازہ آہستہ پڑھا جائے، امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور پھر لکھتے ہیں: ''**فھذا الحدیث یدل علی مسئلتین:**

۱. انّ الاسرار سنة......الخ'' (فتاویٰ الدین الخالص ج:۷، ص:۱۶۷)

کہ یہ حدیث دو مسئلوں پر دلالت کرتی ہے: ۱۔ بے شک آہستہ پڑھنا سنت ہے......الخ

لیجئے......! امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے بھی آہستہ پڑھنے کو سنت کہا ہے۔

☆......عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب بھی یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

''اسناد اس حدیث کی صحیح ہے'' (کتاب الجنائز ص:۵۳)

☆......اور غیر مقلدین کے مناظر داؤد ارشد صاحب بھی یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے'' (تحفہ حنفیہ ص:۵۰۱)

البتہ اس میں جو سورۃ فاتحہ کا ذکر ہے اس کی مکمل تحقیق گزر چکی ہے مفصل و مدلل وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

۵۔ اسی طرح امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے دوسری حدیث بھی نقل کی ہے:

’’أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ حدَّ ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ اِبْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِىْ أُمَامَةَ أَنَّهُ قَالَ؛اَلسُّنَّةُ فِى الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَنْ يَّقْرَأَ فِى التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلٰى بِأُمِّ الْقُرْآنِ مُخَافَةً ......الخ (سنن النسائی:۱/۲۸۱)‘‘(دیکھئے فتاویٰ الدین الخالص ج:۷،ص:۱۶۷)

ترجمہ:ابواسامہ بن سہل حنیف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:’’نمازِ جنازہ میں سنت یہ ہے کہ اول تکبیر میں سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھے‘‘

تنبیہ: تکراراً عرض کی جاتی ہے کہ روایت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا جو ذکر آیا ہے تو اس کی تفصیلی تحقیق گزر چکی ہے۔

☆......یہی روایت بغیر کسی تردید اور حاشیہ کے زبیر علیزئی غیر مقلد نے بھی نقل کی ہے دیکھئے’’ماہنامہ الحدیث شمارہ:۳،ص:۲۵،مقالات ج:۱،ص:۵۸-۵۹‘‘

۶۔ اسی طرح امین اللہ پشاوری صاحب نے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے:

’’أَنّ الْمِسْوَرَةَ بْنَ مَخْرَمَةَ صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ فَقَرَأَ فِى التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلٰى فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً قَصِيْرَةً ، رَفَعَ بِهِمَا صَوْتَهُ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ؛ لا أَجْهَلُ أَنْ تَكُوْنَ هٰذِهِ الصَّلَاةُ عَجْمَاءَ وَلٰكِنِّىْ أَرَدْتُّ أَنْ أُعَلِّمَكُمْ أَنَّ فِيْهَا قِرَاءَةً‘‘(سنن النسائی:۳/۳۵۲)

ترجمہ:’’مسورہ بن مخرمہ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو پہلی تکبیر میں سورۃ فاتحہ اور چھوٹی سورت پڑھی اور ان دونوں پر آواز بلند کی، جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں اس سے جاہل نہیں ہوں کہ یہ نماز آہستہ کرنی چاہئے لیکن میرا یہ ارادہ تھا کہ میں آپ لوگوں کو یہ سکھادوں کہ اس میں قرأت ہے‘‘

اس حدیث کے متعلق امین اللہ پشاوری صاحب لکھتے ہیں:

’’ففيه بيان أن الجنازة سرًّا هو السنة والجهر للتعليم، ومعنى عجماء أى سرية‘‘(فتاویٰ الدین الخالص ج:۷،ص:۱۶۷،وهكذا انظر الحق الصريح ج:۶،ص:۵۰۹)

ترجمہ:’’اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنازہ سرّاً (آہستہ) پڑھنا چاہئے، یہی سنت ہے اور جہر تعلیم کی غرض سے ہے اور (حدیث میں وارد لفظ) ’عجماء‘ کا معنیٰ ’آہستہ‘ ہے‘‘

اسی طرح امین اللہ پشاوری صاحب نے اور بھی کئی روایات ذکر کی ہیں جن میں آہستہ پڑھنے کا ذکر موجود ہے،تفصیلاً دیکھئے (فتاویٰ الدین الخالص عربی ج:۷،ص:۱۶۸)

۷۔ مشہور محدث ابن قدامہ الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

"فَصْلٌ: وَيُسِرُّ الْقِرَاءَةَ وَالدُّعَاءَ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لَا نَعْلَمُ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْهِ خِلَافًا، وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ جَهَرَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ اَحْمَدُ؛ اِنَّمَا جَهَرَ لِيُعَلِّمَهُمْ" (المغنی:۲/۳۶۳)

فصل: نماز جنازہ کی قرأت اور دعا کو آہستہ آواز میں پڑھا جائے گا، اس بارے میں اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں جانتے اور جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جہر سے سورت پڑھی تو اس کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جہر تعلیم کی غرض سے تھی۔

۸۔ قاضی شوکانی صاحب (المتوفی: ۱۲۵۰ھ) کا حوالہ بھی ملاحظہ کیجئے جن کو غیر مقلدین اپنے مسلک کا ترجمان یا تارک التقلید کہتے ہیں دیکھئے (تاریخ اہلحدیث ج:۴ ص:۱۴۸)

موصوف جمہور علماء کرام کا عمل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وَذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ اِلٰى أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ الْجَهْرُ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَتَمَسَّكُوْا بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمُتَقَدِّمِ لَمْ أَقْرَأْ أَيْ جَهْرًا اِلَّا لِتَعْلَمُوْا أَنَّهُ سُنَّةٌ" (نیل الاوطار:۴/۴۷، باب القرأة والصلاة علیٰ رسول الله فیها)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ "میں نے اونچی قرأۃ سنت جتلانے کے لئے کی ہے" کے مطابق قرأۃ بالجہر کو جمہور نے مستحب قرار نہیں دیا۔

احکام شرعیہ میں سب سے نیچے درجہ مستحب کا ہے، جب یہ عمل مستحب بھی نہیں ہے تو درحقیقت غیر مقلدین کا یہ عمل کہ امام بلند آواز سے دعائیں پڑھے اور پیچھے لوگ بلند آواز سے آمین آمین کہیں صریح بدعت ہے! ورنہ تمام غیر مقلدین جمع ہو کر اس عمل پر صریح مرفوع حدیث پیش کریں اگرچہ فوت شدہ حضرات سے کیوں نہ پوچھیں جیسا کہ غیر مقلدین کے بزرگ اہل قبور سے بھی تعلیم وحلِ مشکلات اور حل طلب فرماتے تھے دیکھئے (تذکرہ اہل صادق پور ص:۲۰۰)

۹۔ مشہور غیر مقلد مفتی عبیداللہ عفیف صاحب لکھتے ہیں: "سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کچھ علماء نے قرأۃِ جہری کا استدلال کیا ہے خصوصاً نسائی شریف کے الفاظ "جَهَرَ بِهَا" سے جہری پڑھنا ثابت کیا ہے لیکن بعض دوسرے علماء اس استدلال کو نہیں مانتے، چنانچہ امام شوکانی لکھتے ہیں: وَذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ اِلٰى أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ الْجَهْرُ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَتَمَسَّكُوْا بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمُتَقَدِّمِ؛ "لَمْ أَقْرَأْ؛ أَيْ جَهْرًا اِلَّا لِتَعْلَمُوْا أَنَّهُ سُنَّةٌ" (نیل الاوطار:۴/۴۷، باب القرأة والصلاة علیٰ رسول اللّٰه فیها)

یعنی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کہ ''میں نے اونچی قرأۃ سنت جتلانے کے لئے کی ہے'' کے مطابق قرأۃ بالجہر کو جمہور نے مستحب قرار نہیں دیا۔ (سفر آخرت ص:۱۲۲)

۱۰۔ مشہور غیر مقلد ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب اپنی کتاب میں ایک روایت (قطع نظر اس کی تصحیح وتضعیف سے) پیش کرتے ہیں: ''سنت یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور دعائیں آہستہ پڑھی جائیں (سنن النسائی)'' (نماز نبوی ص:۳۶۷)

۱۱۔ غیر مقلدین کے مایہ ناز محدّث الشیخ ابوعمار سمیع اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''جنازہ آہستہ کرنا سنت ہے'' اور پھر اس پر وہ دلائل لائے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ (نماز کا طریقہ، آداب واحکام (پشتو) ص:۱۴۵)

۱۲۔ غیر مقلدین کے مفتی حافظ عبدالستار احمد صاحب نے اگرچہ جہری جنازے کے متعلق دلائل پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تاہم آخر میں لکھتے ہیں: ''ان روایات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ بآوازِ بلند پڑھی جاسکتی ہے تاہم ترجیح آہستہ پڑھنے کو ہے'' (فتاویٰ اصحاب الحدیث ص:۱۶۸)

۱۳۔ غیر مقلدین کے مفتی شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''اصل یہ ہے کہ نمازِ جنازہ سرّی پڑھی جائے جہر کا محض جواز ہے'' (فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ج:۳، ص:۱۱۲)

۱۴۔ غیر مقلدین کے محقق عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت ابوامامہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھنا چاہئے اور یہی مذہب ہے جمہور کا اور درود کو بھی آہستہ پڑھنا چاہئے'' (کتاب الجنائز ص:۵۳)

قارئین کرام! دیکھئے خود غیر مقلدین نے تسلیم کیا کہ جنازہ آہستہ پڑھنا سنت ہے البتہ اس میں فاتحہ پڑھنے کی تحقیق ان شاء اللہ الرحمٰن آئندہ بحث میں تفصیلاً آنے والی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جہراً جنازہ کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا:

ویسے تو بعض غیر مقلدین حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بلند آواز سے قرأت اور دعا کرنے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنازہ جہراً سنت ہے'' (دیکھئے عبدالعزیز نورستانی صاحب غیر مقلد کی کتاب ''پیغمبر کی نماز (پشتو) ص:۴۴۴) لیکن غیر مقلدین کے اکابرین نے اس کی تردید کی ہے جس سے غیر مقلدین کے اس موقف (نماز جنازہ جہر کے ساتھ عادۃً پڑھنے) کی واضح

ناکامی سامنے آتی ہے۔

۱۵۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد ابوعبدالسلام عبدالرؤف بن عبدالحنان صاحب لکھتے ہیں:

''بعض نے اونچی قرأت پر حدیث ابن عباس سے حجت لی ہے مگر اس سے حجت لینا درست نہیں کیونکہ ابن عباسؓ نے فاتحہ کو تعلیم کی غرض سے بآوازِ بلند پڑھا تھا نہ کہ اس اعتقاد سے کہ اس کا جہراً پڑھنا مسنون ہے'' (القول المقبول فی شرح وتعلیق صلوٰۃ الرسول ص:۱۰۷)

اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں: ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ قرأت سرًّا کی جائے لہٰذا جہری قرأت خلافِ سنت ہے'' (ایضاً ص:۱۰۷، حاشیہ صلوٰۃ الرسول ص:۲۸۶، بتعلیقہ لقمان السّلفی)

☆......قاضی شوکانی صاحب (المتوفی:۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں: ''وَذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ اِلٰى أَنَّهٗ لَا يُسْتَحَبُّ الْجَهْرِ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَتَمَسَّكُوْا بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمُتَقَدِّمِ؛ "لَمْ أَقْرَأْ؛ أَيْ جَهْرًا اِلَّا لِتَعْلَمُوْا أَنَّهٗ سُنَّةٌ'' (نیل الاوطار:۴/۷۴، باب القرأة والصلاة علیٰ رسول اللّٰہ فیھا)

اور جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ نماز جنازہ میں بلند آواز سے پڑھنا مستحب نہیں ہے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کو دلیل بنایا ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ میں نے بلند آواز سے صرف اس لئے پڑھا ہے تا کہ تم جان لو کہ بیشک وہ (قرأت) سنت ہے۔

۱۶۔ غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب (المتوفی:۱۳۵۳ھ) قاضی شوکانی صاحب کی یہی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''قلت قول ابْنِ عَبَّاسٍ انَّمَا جَهَرْتُ لِتَعْلَمُوْا أَنَّهَا سُنَّةٌ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ جَهْرَهٗ لِلتَّعْلِيْمِ'' (تحفۃ الاحوذی:۴/۹۶، تحت باب کیف الصلاة علی المیت والشفاعة له)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ''میں نے بلند آواز سے صرف اس لئے پڑھا تا کہ تم جان لو کہ بیشک وہ (قرأۃ) سنت ہے'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا بلند آواز سے پڑھنا تعلیم کے لئے تھا۔

۱۷۔ مبارکپوری صاحب کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے غیر مقلدین کے ایک اور جیّد عالم مولانا عبیداللہ مبارکپوری صاحب (المتوفی:۱۴۱۴ھ) لکھتے ہیں: ''قال شیخنا فی شرح الترمذی قول ابن عباس؛ انما جهرت لتعلموا انها سنة، یدل علی أن جهر کان للتعلیم أی لا لبیان أن الجهر بالقراء ۃ سنة'' (مرعاۃ المفاتیح ج:۵، ص:۳۸۳)

ہمارے شیخ نے ترمذی کی شرح میں کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا ''انما جهرت لتعلموا انها سنة''

کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا بلند آواز سے پڑھنا تعلیم کے لئے تھا، قرأت کا بلند آواز سے سنت ہونا واضح کرنے کے لئے نہیں تھا۔

۱۸۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں:

''پس جب معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ نے فاتحہ اور سورت کو فقط اس خیال سے زور سے پڑھا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ اور سورت کا پڑھنا سنت ہے، تو اس روایت سے جہر سے پڑھنا نہیں ثابت ہوتا بلکہ آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے، ہاں اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں لوگوں کو یہ مسئلہ نہ معلوم ہو تو وہاں زور سے پڑھ دینا چاہیئے تا کہ لوگ سن کر معلوم کر لیں اور آہستہ پڑھنے کی تائید ابوامامہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵، ص:۱۰۶)

۱۹۔ اسی بحث کے حاشیہ میں ایک غیر مقلد عالم نے لکھا جنازہ میں بلند آواز سے قرأت مستحب نہیں ہے اور انہوں نے ابن عباسؓ اور ابوامامہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (ایضاً ص:۱۰۷)

۲۰۔ غیر مقلدین کی جدید محققین (؟؟!!) کی ٹیم پر مشتمل ایک ویب سائٹ میں اس موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے ابن قدامہؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: ''**وَقَدْ رُوِیَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّـهُ جَهَرَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ اَحْمَدُ؛ اِنَّمَا جَهَرَ لِيُعَلِّمَهُمْ**'' (المغنی ج:۲، ص:۳۶۳)

یہ بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جاتا ہے کہ آپ نے فاتحۃ الکتاب کو جہراً پڑھا، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے جہراً اس لئے پڑھا تا کہ انہیں تعلیم دیں۔ (توحید خالص/ سلفی علماء کرام کے اردو تراجم/ بعنوان: نماز جنازہ سرًّا پڑھنا چاہیئے یا جہراً؟ ص:۱)

۲۱۔ ایک اور غیر مقلد مفتی فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بلند آواز سے برائے تعلیم سورۃ فاتحہ پڑھ سکتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، ویسے سنت یہی ہے کہ قرأت آہستہ پڑھی جائے جیسا کہ نسائی میں ہے، بلند آواز سے سورۃ فاتحہ جب تعلیم کے لئے ہو تو جائز ہے، پھر اس کو فتنہ کہنا صحیح نہیں، ہاں اس کی عادت بنانا اور سنت سمجھنا صحیح نہیں ہے۔'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵، ص:۱۵۲)

۲۲۔ امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جنازہ جہر کے ساتھ بھی آیا ہے چار سے زائد احادیثِ صحیحہ میں لیکن ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیم کے لئے تھا جیسا کہ فرمایا ''**لتعلموا انها سنة**'' اور اسی طرح یہ جہر مفرط نہیں تھا بلکہ درمیانہ جہر تھا

کہ پیچھے مقتدی حضرات بھی دعائیں کرسکیں'' (نمازِ جنازہ کا مسنون طریقہ اور دعائیں (پشتو) ص:۲۳)

اور دوسری کتاب میں لکھتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی عام عادت یہ تھی کہ فاتحہ سرًّا پڑھتے تھے لیکن جہر اس وقت کرنا چاہئے جب غرض تعلیم ہو...... عام حالت میں جہر نہ کرے'' (الحق الصریح:۶/ ۵۰۵)

۲۳۔ غیر مقلدین کے مایہ ناز محدّث الشیخ ابوعمار سمیع اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''ہر چہ ابن عباسؓ کی حدیث میں جو جہر آیا ہے، جو گزر چکا، اس کی غرض یہ تھی کہ نماز میں قرأت موجود ہے جو کہ اس حدیث کے آخر سے معلوم ہوتا ہے'' (نماز کا طریقہ، آداب واحکام (پشتو) ص:۱۴۶)

۲۴۔ ابو یزید عبدالقاہر صاحب لکھتے ہیں: ''ابن عباسؓ کی حدیث صریح دلیل ہے اس بات پر کہ یہ جہر تعلیم کے لئے تھا'' (التحقیقات ص:۵۷۹)

اس تفصیلی گفتگو سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نہ صرف روایت کے اعتبار سے بلکہ خود غیر مقلدین کے اکابرین کی تحاریر سے بھی یہ بات واضح ہوئی کہ جنازہ آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے اور بلند آواز (جہراً) سے پڑھنا (عادۃً) سنت سے ثابت نہیں البتہ تعلیم کی غرض سے جہراً پڑھنا تو اس میں فی الحال نزاع ہی نہیں جیسا کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ظہر کی نماز جہراً پڑھی ہے اور یا صحابہؓ کا بھی تشہد اونچی آواز میں پڑھنے کا تذکرہ موجود ہے دیکھئے (صحیح ابوعوانہ، باب ایجاب اختیار الدعاء) جبکہ اس پر ساری امت بلکہ خود غیر مقلدین حضرات بھی عمل نہیں کرتے، کیوں؟؟؟ اس لئے کہ یہ عام عادت نہیں تھی بلکہ مجبوراً یعنی بغرض تعلیم تھی لہٰذا ظہر کی نماز بلا عذر جہراً سنت سمجھ کر پڑھنا غلط ہوا، اسی طرح جنازے کی نماز بھی عام عادت میں سنت سمجھ کر جہراً پڑھنا غلط اور خلافِ سنت ہے...... **فافهم و لا تكن من الغافلين.**

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال:

غیر مقلدین حضرات جنازہ بالجہر کے ثبوت کے لئے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ''انہوں نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ سے یہ دعا یاد کی: **يَقُوْلُ، صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى جَنَازَةٍ، فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ وَهُوَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ** (مسلم ج:۱،ص:۳۱۱)'' (پیغمبر کی نماز (پشتو) ص:۴۴۴، نماز نبوی ص:۳۸۸، فتاویٰ الدین الخالص ج:۷،ص:۱۶۸)

عرض ہے کہ اس میں جہر کہاں سے ثابت ہوا؟ اس میں تو اس کی کوئی تصریح ہی نہیں! احتمال سے استدلال

کرنا غیر مقلدوں کو زیب نہیں دیتا!!!

۲۵۔ اس لئے تو امام نووی الشافعیؒ (المتوفی: ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ نماز کے بعد آپ ﷺ کے سکھانے سے میں نے یاد کرلی: ''**وَحِينَئِذٍ يُتَأَوَّلُ هٰذَا الحَدِيثُ عَلٰى أَنَّ قَوْلَهُ حَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ أَيْ عَلَّمَنِيهِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَحَفِظْتُهُ**'' (نووی شرح مسلم ج:۱،ص:۳۱۱)

۲۶۔ اور امام نوویؒ کی اس بات کی تائید خود غیر مقلد عالم امیر یمانی صاحب نے بھی کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''**وَيُحْتَمَلُ أَنَّهُ سَأَلَهُ مَا قَالَهُ فَذَكَرَهُ لَهُ فَحَفِظَهُ**'' (سبل السلام ج:۱،ص:۴۸۸)

اس حدیث میں یہ احتمال بھی ہے کہ انہوں نے بعد میں آپ ﷺ سے پوچھا ہو اور آپ نے ان کے سامنے اس کو ذکر کیا ہو تو انہوں نے یاد کرلی ہو۔

۲۷۔ اسی طرح مولانا عبدالرؤف صاحب نے بھی اس (عوف بن مالک رضی اللہ عنہ والی) روایت سے جہر ثابت کرنے والوں کا رَد کیا ہے، لکھتے ہیں: ''اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس دعا کو جہراً پڑھا ہوگا اس لئے کہ آپ ﷺ نے اگر یہ دعا اونچی آواز سے نہیں پڑھی تو عوف بن مالکؓ نے کیسے سن لی؟ مگر اس حدیث سے حجت لینا محل نظر ہے کیونکہ مسند احمد میں عوفؓ کے الفاظ یہ ہیں ''**فَفَهِمْتُ مِنْ صَلَاتِهِ عَلَيْهِ؛ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ**...... ''یعنی میں نے آپ کی نماز جنازہ سے ان کلمات کو سمجھا''

بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دھیمی آواز سے یہ دعا پڑھی ہوگی اور عوف بن مالکؓ آپ ﷺ کے قریب کھڑے ہوئے ہوں گے، لہٰذا انہوں نے یہ دعا سن لی......ان احادیث کو سامنے رکھ کر حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ نبی ﷺ ان دعاؤں کو جہراً پڑھا کرتے تھے کیونکہ استفتاح، رکوع، سجود اور دونوں سجدوں کے درمیان آپ ﷺ جو دعائیں پڑھا کرتے تھے صحابہؓ نے انہیں بھی بیان کیا ہے تو کیا اُن دعاؤں کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ انہیں بھی جہراً پڑھنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا معمول اگر انہیں سرًّا پڑھنا ہوتا تو صحابہؓ نے یہ کیسے سن لیں اور بیان کردیں'' (القول المقبول ص:۷۱۰-۷۱۱)

اور اگر اس حدیث سے جہر والا احتمال بھی مراد لیا جائے تو حضرات محدثینؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا بلند آواز سے پڑھنا تعلیم کے لئے تھا، بلند آواز سے پڑھنا آپ کا معمول نہ تھا، اس لئے ایک غیر مقلد عالم کا حوالہ بھی گزر چکا کہ اس نے بھی اقرار کیا ہے کہ ''اس کو عادت بنانا اور سنت سمجھنا صحیح نہیں ہے'' (فتاویٰ علمائے حدیث: ۱۵۲/۵)

اور امین اللہ پشاوری غیر مقلد بھی کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کی عادت یہ تھی کہ فاتحہ سرًّا پڑھتے تھے لیکن جہر اس وقت کرنی چاہئے جب غرض تعلیم ہو، عام حالت میں جہر نہ کرے'' (الحق الصریح:۶/۵۰۵)

دیگر حوالے بھی ہم ذکر کر چکے ہیں، پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمالیں۔

تنبیہ: امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد خود وادی تناقض میں غوطہ لگائے بیٹھے ہیں، یہاں تو تصریح کر دی کہ عام حالت میں جہر نہ کریں بلکہ یہ تعلیم کے لئے ہے لیکن دوسری جگہ کہتے ہیں کہ نہیں! جہراً پڑھنا سنت ہے دیکھئے (الحق الصریح ج:۷،ص:۱۷۰)

اس سے بھی یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اگر جہراً پڑھنا معمول ہوتا تو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ عمل مخفی نہ رہتا اور نہ ہی اس کا انکار کرتے اور نہ ہی ائمہ اربعہ رحمہم اللہ پر مخفی ہوتا جو سب کے سب آہستہ آواز سے ہی جنازہ میں دعا کو مستحب کہتے ہیں۔

۲۸۔ مشہور متعصب غیر مقلد عبدالغفار محمدی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں: ''اصل بات یہ ہے کہ جنازہ آہستہ پڑھنا زیادہ قوی ہے'' (حنفیوں کے ۳۵۰ سوالات کے جوابات ص:۴۹۴)

۲۹۔ عبدالولی عبدالقوی صاحب غیر مقلد ''نماز جنازہ سری یا جہری'' عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''نماز جنازہ سری پڑھی جائے، جہری پڑھنے کا احادیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے جیسا کہ ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں'' (مسائل جنازہ پر ایک تحقیقی نظر ص:۹۲، ناشر: انجمن اصلاحِ معاشرہ انڈیا)

۳۰۔ مشہور متعصب غیر مقلد عالم مولوی عبدالقادر حصاری صاحب نے اس مسئلہ پر اپنے ہی مسلک کے عالم کے خلاف مستقل مضمون لکھا ہے، مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں:

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ جنازہ میں قرأۃ بالجہر سنت مقصودہ نہیں ہے، سنت آہستہ پڑھنا ہے، ہاں تعلیم کے لئے پڑھے تو جائز ہے'' (فتاویٰ حصاریہ ج:۴،ص:۵۹۴)

۳۱۔ مولوی مبشر ربانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''نمازِ جنازہ میں قرأت جہراً وسراً دونوں درست ہیں البتہ دلائل کی رُو سے سراً پڑھنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے''...... نیز آگے مزید لکھتے ہیں ''بہرکیف سری پڑھنا حدیث سے صراحتاً اور جہری پڑھنا استدلالاً ثابت ہے اس لئے آہستہ پڑھنا زیادہ قوی ہے'' (آپ کے مسائل قرآن وسنت کی روشنی میں ج:۱،ص:۲۴۴)

علمائے عرب کا فیصلہ:

۳۲۔ سعوی عرب کے مشہور مفتی اعظم ابن بازؒ (المتوفی:۱۴۲۰ھ) سے ایک سوال کیا گیا تو ان کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا، وہ سوال بمع جواب ملاحظہ فرمائیں:

السوال: ما حکم صلاة الجنازة علی المیت؟ هل تکون سرا أم جهرا؟ جزاکم اللہ خیرا

الـجـواب: هذا السؤال مجمل، فان کان مراد السائل القراء ة، فالقراء ة سر، یقرأ فی صلوة الجنازة سرا ویدعو سرا، وان کان مراده غیر ذلک، فما فهمناه صلاة الجنازة کلها سـر، یـقرأ سرا ویدعو سرا، ولو سمع صوته من حوله فلا بأس...... فالسنة فی الجنازة لیلا أو نهارا السر فی القراء ة والدعاء. (فتاوی نور علی الدرب ج:۱۴،ص:۱۵)

(ترجمہ) سوال: میت پر نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ سرًّا پڑھی جائے گی یا جہراً؟ جزاکم اللہ خیراً

جواب: یہ ایک مجمل سوال ہے، اگر سائل کی مراد قرأت ہے تو قرأت سری کی جائے گی، جنازے میں سرًّا قرأت کی جائے گی اور دعا بھی سرًّا کی جائے گی اور اگر اس کی مراد اِس کے علاوہ کچھ اور ہے تو ہم نہیں سمجھے، بہرحال نماز جنازہ پوری کی پوری سری ہوتی ہے، قرأت سری، دعا بھی سری، ہاں اگر آس پاس کے لوگ اس کی آواز سن لیں تو اِس میں کوئی حرج نہیں...... پس سنت یہی ہے کہ قرأت اور دعا سرًّا (آہستہ) کی جائے خواہ رات میں ہو یا دن میں۔

۳۳۔ اسی طرح ایک ویڈیو (جو کہ انٹرنیٹ پر موجود ہے) میں مفتی اعظم سعوی عرب الشیخ صالح فوزان صاحب سے ایک سوال کیا گیا "**هـل مـن السـنّة الجهر بالقرأة فی صلوة الجنازة؟**" کہ کیا نمازِ جنازہ میں جہراً قرأت سنت ہے؟ تو جواب میں فرمایا: "**لا، لیـس هـذا مـن السـنّة الـجهـر بالقرأة فی صلوة الجنازة لیس من السنّة بل خلاف السنّة نعم**"

جنازہ بالجہر کی ابتداء کب ہوئی؟

غیر مقلدین کی کتاب میں یوں لکھا گیا ہے: "مولانا مرحوم عبدالوہاب ملتانی نے پہلی مرتبہ نماز جنازہ بالجہر پڑھ کر اس مُردہ سنت کو زندہ کیا، آج تمام اہلحدیث اسی طریقے پر عمل کرتے ہیں" (ہدایۃ النبی ص:۲۰)

اسی طرح ایک اور کتاب میں بھی لکھتے ہیں کہ بلند آواز سے جنازہ پڑھنے کی رسم سب سے پہلے دہلی میں

مولوی عبدالوہاب نے ڈالی۔ (مقدمہ تفسیر ستاری ص:۱۵)

معلوم ہوا کہ یہ ان کی نئی بدعت ہے جس نے اسی خطے (برصغیر پاک وہند) میں رواج پکڑا کیونکہ آج تک حرمین شریفین میں نماز جنازہ سرًّا (آہستہ) پڑھا جاتا ہے......**الحمدللّٰہ**

فائدہ: اس عنوان کے تحت ہم فی الحال غیر مقلدین کے دو جھوٹ آپ کے علم میں لاتے ہیں:

پہلا جھوٹ: عبدالعزیز نورستانی صاحب غیر مقلد کہتے ہیں:

''نمازِ جنازہ بالجہر سنت ہے'' (پیغمبر کی نماز (پشتو) ص:۴۴۴)

جبکہ امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد سنت کی تعریف یوں نقل کرتے ہیں: ''نبی ﷺ یا ان کے بعد خلفاء راشدین نے اس پر ہمیشگی (دوام) کیا ہو تو یہ سنت ہے'' (الحق الصریح ج:۵، ص:۲۰۲)

ایک اور غیر مقلد عالم مولانا عبدالوہاب صاحب محدث دہلوی جواز اور سنت کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سنت اور جواز میں مشرق اور مغرب کا سا فرق ہے'' (مکمل نماز ص:۴۷۸)

تو غیر مقلدین کے اس مسلّمہ اصول کی رُو سے نورستانی صاحب سے خصوصاً اور دیگر غیر مقلدین سے عموماً گزارش ہے کہ نماز جنازہ بالجہر دوام کے ساتھ یعنی ہمیشہ پڑھنا نبی کریم ﷺ سے ثابت کردیں ورنہ جھوٹ بول کر خوامخواہ اپنے عوام کو دھوکہ نہ دیں۔

دوسری طرز سے مطالبہ: امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی چار رکعات ادا کرنے کی روایت نقل کی ہے تو پشاوری صاحب کہتے ہیں: ''ابن مسعودؓ نے تو یہ عمل کرتے ہوئے نہیں کہا کہ یہ میں سنت ادا کر رہا ہوں......الخ'' (نمازِ جمعہ سے قبل چار رکعت سنتوں کی حیثیت (پشتو) ص:۷)

یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ عمل سنت کی نیت سے نہیں کیا ہے۔

اسی طرح امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد کے تلمیذِ رشید شیخ مفتی عبدالرحمٰن سلفی صاحب اپنی کتاب میں بیس رکعت تراویح والی روایت کے متعلق لکھتے ہیں: ''اس (روایت) میں سنت مؤکدہ ہونے کا ذکر نہیں ہے'' (مسنون تراویح آٹھ رکعت ہیں (پشتو) ص:۴۵)

اسی طرح زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دیوبندیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی پیش کردہ روایت میں درج ذیل شرائط ثابت کریں؛

۲: یہ ثابت کریں کہ یہ لوگ بیس رکعتیں سنت مؤکدہ سمجھ کر پڑھتے تھے'' (تعدادِ رکعات قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص:۸۷)

غیر مقلدین کے درج بالا اصول کی روشنی میں ہم بھی غیر مقلدین سے زبیر علیزئی کے الفاظ (بتغیر یسیر) میں پوچھتے ہیں ''غیر مقلدین پر لازم ہے کہ وہ اپنی پیش کردہ روایت میں درج ذیل شرائط ثابت کریں......؛

یہ ثابت کریں کہ نبی ﷺ نے یہ جہر سنت سمجھ کر پڑھی تھی''

اگر ثابت نہ کر سکے اور یقیناً ثابت نہیں کر سکتے تو خوامخواہ جھوٹ بول کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔

دوسرا جھوٹ: مشہور غیر مقلد صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: ''جنازہ میں امام کو قرأت، دعا اونچی آواز سے پڑھنے چاہئیں'' (مسلم)

یہ مسلم شریف پر صاف اور سفید جھوٹ ہے، اس کی تردید خود انہی کے گھر سے ملاحظہ فرمائیے:

☆ ......مشہور غیر مقلد عبدالرؤف بن عبدالحنان صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ میں بآوازِ بلند قرأت کی صراحت نہ تو صحیح مسلم میں اور نہ ہی حدیث کی کسی دوسری کتاب میں ملتی ہے بلکہ سرًّا (آہستہ، ناقل) قرأت کرنا نص صریح سے ثابت ہے'' (القول المقبول فی شرح وتعلیق صلٰوۃ الرسول ص:۱۷، مقام اشاعت: شارجہ، متحدہ عرب امارات)

☆ ......مولوی خالد گھرجاکھی صاحب نے بخاری، مسند الشافعی کے حوالے سے یہی جھوٹ بولا ہے کہ ''جنازہ میں قرأت دعا وغیرہ اونچی آواز سے بھی اور آہستہ آواز سے بھی پڑھ سکتا ہے'' (مختصر صلوۃ النبی ص:۵۷)

حالانکہ ان کتابوں میں اونچی آواز کی روایت نہیں ہے۔

قارئین کرام! آپ حضرات نے غیر مقلدین کے طریقۂ نمازِ جنازہ کو تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور پایا ہوگا، اس لئے آپ حضرات اطمینانِ قلبی رکھیں کہ نماز جنازہ کا صحیح طریقہ وہی ہے جو جمہور امت مسلمہ کا ہے جو احادیث ہی سے ثابت ہے اور احناف اس کی ترجمانی کرتے ہیں۔ غیر مقلدین کی جانب سے یہ جو عذر پیش کیا جاتا ہے کہ بعض حضرات کو دعائیں نہیں آتیں اس لئے آمین کہلوائی جاتی ہے تو یہ عذر حضور ﷺ کے زمانہ میں زیادہ ہوسکتا تھا اس لئے کہ اس دور میں اکثر نومسلم ہوتے تھے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا تو آج ایسا عذر کرنا کیسے درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ پھر اس طریقہ میں دوسری قباحت یہ ہے کہ جنازہ کی دعا اگر کسی کو

یاد نہیں تو وہ یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر غیر مقلدین کا یہ انداز ان کو دعائیں یاد کرنے سے غافل رکھنے اور اس خلافِ سنت طریقہ کو رائج کر کے حضور ﷺ کے مبارک زمانہ سے آج کل چلے آنے والے طریقہ کو تبدیل کرنے کی ناپاک سازش ہے بلکہ اس نادر عمل کو سنت سمجھ کر پڑھا جاتا ہے العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ نقل متوارث سے ثابت شدہ طریقہ کی حفاظت فرمائے اور اس پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں بدعت کو مستحب کہنے یا بدعت کے ارتکاب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

غیر مقلدین کی ایک اور بدعت:

جیسا کہ مبتدعین اذانوں کے آگے یا پیچھے بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور بدعت کے مرتکب بن گئے ہیں، اسی طرح غیر مقلدین بھی بہت سی بدعات کی طرح اس بدعت میں بھی ملوث ہیں کہ غیر مقلدین کے علماء جنازہ میں بلند آواز سے دعائیں پڑھتے اور مقتدی آمین آمین کی صدائیں لگا دیتے ہیں، حالانکہ یہ طریقہ کسی صحیح صریح مرفوع روایت بلکہ صحیح موقوف روایت میں بھی نہیں ملتا، یہ طریقہ سراسر خلافِ سنت ہے۔ امام کے لئے جنازہ میں دعا آہستہ پڑھنا مستحب ہے اور جمہور امت کا نظریہ بھی یہی ہے، بالفرض محال اگر امام تعلیماً بلند آواز سے پڑھے تب بھی مقتدیوں کو اپنے طور پر آہستہ دعا کرنا چاہئے، اس بدعت اور خلافِ سنت طریقہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اس لئے امین اللہ پشاوری صاحب بھی اس بات پر مجبور ہوتے ہوئے لکھتے ہیں: ”**ولیس فیه التامین یعنی ولا یؤمن المقتدی لأن ذالک لم یثبت فی الجنازة بل ورد ذالک فی قنوت النازلة، واما الحدیث الذی ذکره ابن سعد (۲/ ۶۹) فی جنازة النبی ﷺ قالوا؛ آمین، ففیه الواقدی مع أنه دعاء خارج الصلوة، انظر حیاة الصحابه (۲/ ۳۴۲) واللّٰه اعلم**“ (فتاویٰ الدین الخالص ج:۷، ص:۱۷۰)

ترجمہ: جنازہ میں آمین نہیں ہے اس طرح کہ مقتدی آمین آمین کہیں کیونکہ یہ جنازہ میں ثابت نہیں ہے بلکہ یہ قنوتِ نازلہ میں وارد ہوا ہے اور وہ حدیث جو ابن سعد نے ذکر کی ہے کہ نبی ﷺ کے جنازہ میں صحابہ آمین کہتے تھے تو اس میں راوی واقدی (ضعیف) ہے باوجود اس کے کہ یہ نماز جنازہ سے باہر تھا دیکھئے (حیاۃ الصحابہ: ۲/ ۳۴۲) واللہ اعلم۔

ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں: ''بعض لوگ جنازہ میں آمین کہتے ہیں یعنی امام دعا کرتے ہیں اور مقتدی آمین کہتے ہیں، یہ (چیز) ہم نے احادیث میں کہیں نہیں دیکھی'' (نمازِ جنازہ کا مسنون طریقہ اور دعائیں (پشتو) ص:۲۳)

ایک اور غیر مقلد عالم مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی ایک سوال کے جواب میں فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ طریقہ ثابت نہیں ہے، سوال وجواب ملاحظہ فرمایئے:

''سوال: کیا نماز جنازہ میں جب امام دعا پڑھ رہا ہو، مقتدی پیچھے آمین بالجہر کرتے رہیں اور آمین بالجہر دعا کی جگہ کفایت کرسکتی ہے، نمازِ جنازہ میں پڑھی جانے والی دعاؤں میں آمین بالجہر مقتدیوں کے لئے کرنا صحیح یا ضعیف حدیث سے ثابت ہے؟ قیاس اور رائے قابل قبول نہ ہوگا۔

جواب: نماز جنازہ میں اپنی جگہ دعا کرے، صرف آمین کا کہیں ذکر نہیں'' (فتاویٰ علمائے حدیث: ۱۵۳/۵)

ایک اور سوال کے جواب میں غیر مقلد مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''نماز جنازہ کی دعاؤں پر مقتدیوں کے آمین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے آنحضرت ﷺ اور عہد صحابہ وتابعین سے نہیں ملتا، بناء بریں اس امر کو خلافِ سنت کہا جائے گا'' (ایضاً ج:۵،ص:۱۹۱)

جب خود غیر مقلدین کے اکابرین سے بھی یہ بات مصرّح ہوگئی کہ یہ بدعت ہے تو پھر اس کو کس دلیل کی بنیاد پر مستحب کہا جاسکتا ہے؟ غیر مقلدین بھی عجیب فرقہ ہے جو بدعات کو بھی مستحب قرار دیتا ہے!!!

تنبیہ: غیر مقلدین کی سو بدعات کے لئے ہماری کتاب ''بدعاتِ لامذہبیہ'' کا مطالعہ کریں۔

﴿نومولود بچے کا جنازہ پڑھنا﴾

تحریر و تحقیق: فیصل کریم مدظلہ　　　　ترتیب: مولانا عبدالرازق صاحب قاسمی مدظلہ

جو بچہ/ بچی ماں کے بطن سے پیدا ہونے کے بعد زندہ یا مردہ ہو تو ان کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی یا نہیں؟ تو اس بارے میں عرض ہے کہ اگر بچہ/ بچی پیدا ہونے کے بعد روئے نہیں تو ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور اگر روئے تو ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی جیسا کہ فقہ حنفی اور حدیث پاک میں اس کی وضاحت موجود ہے...... چنانچہ حسن بن عمار الشرنبلالی الحنفیؒ (المتوفی: ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں:

''ومن استهل سمي وغسل وصلّى عليه وان لم يستهل غسل في المختار وادرج في خرقة ودفن ولم يصلّى عليه'' (نورالایضاح ص: ۱۸۳)

ترجمہ: اور جو بچہ پیدا ہونے کے بعد رویا اُس کا نام رکھا جائے اور غسل دیا جائے اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور اگر رویا نہیں تو مذہب مختار یہ ہے کہ اس کو غسل دیا جائے اور ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور دفن کر دیا جائے اور اس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

مطلب یہ ہے کہ بچہ ہونے کے بعد رویا، چلایا، یا کسی طرح کی حرکت اس کے اندر پائی گئی غرضیکہ زندگی کی کوئی علامت پائی گئی جیسے چھینکنا، جمائی لینا، حرکت وغیرہ [1] تو اس بچہ پر اس کے انتقال کے بعد نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور غسل دے کر کفن دفن والا معاملہ کیا جائے گا جیسے مردہ کے ساتھ کیا جاتا ہے البتہ یہ ضروری نہیں کہ بچہ مکمل طور سے پیٹ سے نکل چکا ہو تب یہ حرکت ہو بلکہ اگر بچہ کا زائد حصہ یعنی اگر سر کی طرف سے نکل رہا ہے تو سینہ تک اور اگر پاؤں کی طرف سے نکل رہا ہے تو ناف تک نکل چکا ہو [2] اور اس حالت میں یہ رویا ہے یا زندگی کی کوئی دوسری علامت پائی گئی تب بھی وہ زندہ مانا جائے گا اور اس پر نمازِ

---

[1] وجد منه ما يدلّ علىٰ حياته أىْ من بكاء او تحريكِ عضو أو طرف ونحو ذلک (الدرمع الرد: ۱۵۲/۲)

[2] بعد خروج اكثره ولم يصل عليه مالم يخرج أكثر بدنه حيّا، وحدّ الأكثر من قبل الرجل سرّته ومن قبل الرأس صدره (الدرمع الرد: ۱۵۲/۲، ۱۵۳)

جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر پیدا ہونے کے بعد زندگی کی کوئی علامت نہ پائی گئی تو اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر بعد غسل دفن کر دیا جائے، ایسے بچہ پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

مردہ پیدا ہونے والے بچہ کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کے دلائل:

پہلی دلیل: ''عَنْ اِسْرَائِیلَ، عَنْ أَبِیْ اِسْحَاقَ، قَالَ؛ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ السَّقْطِ، یَقَعُ مَیِّتًا أَیُصَلّٰی عَلَیْهِ؟ قَالَ؛ لَا حَتّٰی یَصِیْحَ، فَاِذَا صَاحَ صُلِّیَ عَلَیْهِ وَوَرِثَ'' (مصنف عبدالرزاق الصنعانی رقم:۶۵۹۹)

ترجمہ: ابواسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مردہ پیدا ہونے والے بچہ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا اس کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی؟ انہوں نے جواب دیا جی نہیں! جب تک وہ چیخ کر نہ روئے، جب وہ چیخ کر روئے تو اس کی نمازِ جنازہ بھی ادا کی جائے اور اس کی وراثت کے احکام بھی جاری ہوں گے۔

یہ روایت سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے، راویوں کی مختصر توثیق مندرجہ ذیل ہے:

(۱) امام عبدالرزاق الصنعانیؒ (المتوفی: ۲۱۱ھ): ثقہ

امام یحی بن معینؒ امام عبدالرزاقؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

''یحی بن معین یقول؛ عبد الرزاق ثقةٌ لا بأس به'' (الکامل لابن عدی ج:۶ ص:۵۲۹)

(۲) اسرائیل بن یونسؒ (المتوفی: ۱۶۲ھ): ثقہ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ''اسرائیل ابن یونس ابن أبی اسحاق السبیعی الهمدانی ابو یوسف الکوفی ثقة'' (تقریب التہذیب رقم: ۴۰۱)

(۳) ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعیؒ (المتوفی: ۱۲۹ھ): آپ صحیحین اور سنن اربعہ کے مرکزی راوی اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ''آپ (ابواسحاق) خیر القرون کے ثقہ، مکثر (زیادہ روایت کرنے والے) اور عابد راوی ہیں البتہ ان کا آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا'' (ایضاً رقم: ۵۰۶۵)

ابواسحاق السبیعیؒ پر تدلیس کا الزام ہے لیکن دو وجہ سے ان کے اوپر سے تدلیس کا الزام باطل ہو جاتا ہے:

اولاً: ابن عبد البر مالکیؒ (ابو عمر، یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمری الاندلسی،

القرطبی،المالکی المتوفی:۴۶۳ھ)فرماتے ہیں:''**وسمع من اکثر من عشرين من الصحابة منهم ابن عمر**''(**كتاب الاستغناء فى معرفة المشهورين من العلم بالكنى** ج:۱،ص:۳۸۴)

یعنی آپ (ابواسحاق) نے بیس سے زیادہ صحابہ کرامؓ سے سماع کیا ہے جن میں ایک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

ثانیاً: حضرت نافعؒ (ابوعبداللہ مولی ابن عمرؓ المتوفی:۱۱۶ھ) کی روایت میں، ابواسحاق السبیعیؒ کی متابعت خود حضرت نافعؒ کررہے ہیں، لہٰذا یہاں تدلیس کا الزام باطل ہے۔

حضرت نافع کی روایت درج ذیل ہے:

''**واخبرنا ابو عبد الله الحافظ، ثنا ابو العباس بن يعقوب، ثنا يحى بن ابى طالب، أنبأنا عبد الوهاب بن عطاء، أنبأنا عبد الله العمرى، عن نافع، عن ابن عمر أنّه كان لا يصلّى على السقط حتّى يستهلّ**''(السنن الکبریٰ للبیہقی رقم:۶۷۹۲)

اس سند میں ایک راوی ہے جن کا نام عبداللہ العمری (عبداللہ بن عمر بن حفص العمری، مدنی، قرشی، المتوفی:۱۷۱ھ) ہے جس کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن اس راوی پر تعدیل خاص ہے یعنی عبداللہ بن عمر بن حفص العمری، مدنی، قرشی (المتوفی:۱۷۱ھ) جب حضرت نافعؒ، ابوعبداللہ (المتوفی:۱۱۶ھ) سے روایت کریں گے تو وہ روایت صحیح ہوگی۔

الامام، الحافظ، المتقن ابی احمد عبداللہ بن عدی الجرجانیؒ (المتوفی:۳۶۵ھ) فرماتے ہیں:

''**ثنا محمد بن علي، ثنا عثمان بن سعيد، قلت ليحى بن معين؛ عبد الله العمرى ما حاله فى نافع؟ قال صالح ثقة**''(الکامل فی ضعفاء الرجال:۵/۲۳۳،رقم:۹۷۶)

ترجمہ: عثمان بن سعیدؒ کہتے ہیں: میں نے یحیٰ بن معینؒ (المتوفی:۲۳۳ھ) سے کہا کہ عبداللہ العمریؒ (المتوفی:۱۷۱ھ) کا حضرت نافعؒ (المتوفی:۱۱۶ھ) سے (روایت کرنے میں) کیا حال ہے؟ یحیٰ بن معینؒ (المتوفی:۲۳۳ھ) نے کہا: صالح ثقہ۔

نوٹ: عبداللہ بن عمر بن حفص العمری، مدنی، قرشیؒ (المتوفی:۱۷۱ھ) جب حضرت نافع، ابوعبداللہؒ المتوفی:۱۱۶ھ) سے روایت کریں گے تو وہ روایت صحیح ہوگی۔ (یہاں ان کی توثیق خاص ہے)

ڈاکٹر بشار عوادؒ اور شیخ شعیب ارناؤطؒ نے عبداللہ العمری کے ترجمہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ فرماتے ہیں:

''ضعیف یعتبر به فی المتابعات والشواھد'' (تحریر تقریب التہذیب:۲/۲۴۲،رقم:۳۴۸۹)

یعنی عبداللہ العمری ضعیف ہے لیکن متابعات وشواہد میں ان کی روایت قابل اعتبار ہے۔

نیز عبداللہ العمری کی متابعت اسرائیل ابن یونس نے بھی کیا ہے جو سند اوپر گزری یعنی ''اسرائیل ابن یونس......الخ''

حافظ زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں: ''عبداللہ العمری کی روایت حضرت نافع سے حسن ہوتی ہے'' (تحفۃ الاقویا فی تحقیق کتاب الضعفاء ص:۶۲)

لیکن یہاں ایک علت خفی ہے وہ یہ کہ ابواسحاق السبیعی مختلط ہیں اور سند میں مختلط راوی کے ہونے سے سند کمزور ہو جاتی ہے لیکن یہ اس صورت ہے میں جبکہ راوی نے مروی عنہ سے اختلاط کے بعد روایت کی ہو، اور یہاں ایسا نہیں چنانچہ یہاں سند میں اسرائیل ابن یونس ہیں اور یہ ابواسحاق سے قبل الاختلاط روایت کرتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی راوی مختلط ہے لیکن اس سے روایت کرنے والا راوی اگر صحیحین میں ہے تو یہ محدثین کے نزدیک قبل الاختلاط مانا جاتا ہے اور یہاں اسرائیل ابن یونس یہ ابواسحاق السبیعیؒ سے بخاری شریف کے اندر روایت نقل کر رہے ہیں (بخاری:۴۵۱۲) اس لئے محدثین کے قاعدہ کی رو سے یہ طے ہو جاتا ہے کہ اسرائیل ابن یونس نے ابواسحاق سے قبل الاختلاط روایت لی ہے۔ ابن الصلاح الشہر زوریؒ (المتوفی:۶۴۳ھ) کی مندرجہ ذیل عبارت سے اسی قاعدہ پر روشنی پڑتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''واعلم ان من كان من هذا القبيل محتجا بروایة فی الصحیحین أو أحدهما فانا نعرف على الجملة أن ذلك مما تميز وكان ماخوذا عنه قبل الاختلاط، والله اعلم'' (مقدمہ ابن صلاح ومحاسن الاصطلاح ص:۶۶۴)

ترجمہ: اور جان لو کہ جو راوی اس قسم کا ہو اور اس کی روایت صحیحین یا کسی ایک میں بطور حجت موجود ہو تو ہم بالجملہ یہ جانتے ہیں کہ اس میں تمیز کیا گیا ہے اور یہ (اس کے) اختلاط سے پہلے اخذ کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم

ایک ضعیف مرفوع روایت سے بھی اس صحیح موقوف روایت کی تائید ہوتی ہے جو درج ذیل ہے:

''عن النبی ﷺ، قال: الطفل لا یصلی علیه ویرث ولا یورث حتی یستهل'' (سنن ترمذی رقم:۱۰۳۲)

دوسری دلیل: امام بخاریؒ (المتوفی:۲۵۶ھ) نے تعلیقاً یہ روایت ذکر کی ہے:

''**قال ابن شهاب؛ يصلى على كل مولود متوفى، وان كان لغية من اجل انه ولد على فطرة الاسلام يدعى ابواه الاسلام او ابوه خاصة، وان كانت امه على غير الاسلام اذا استهل صارخا صلى عليه ولا يصلى على من لا يستهل من اجل انه سقط......الخ**''(بخاری ج:۱،ص:۱۸۱،رقم:۱۳۵۸)

ترجمہ:ابن شہاب الزہریؒ (المتوفی:۱۲۴ھ) فرماتے ہیں کہ ہر مرنے والے بچہ پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی خواہ وہ زانیہ ہی کا کیوں نہ ہو کیونکہ بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے،اس کے والدین یا صرف والد مسلمان ہونے کا مدعی ہو اور اس کی والدہ اسلام پر نہ ہو اور بچہ چلا کر رو دے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور جو چلا کر نہ روئے تو اس کے لئے نمازِ جنازہ نہیں کیونکہ وہ ساقط شمار ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:''**وقد ذكره البخارى من قول الزهرى تعليقًا، ووصله ابن أبى شيبة**''(التلخیص الحبیر:۲/۲۳۲)

ترجمہ:امام بخاریؒ (المتوفی:۲۵۶ھ) نے زہریؒ کے قول کو تعلیقاً اور ابن ابی شیبہؒ (المتوفی:۲۳۵ھ) نے اس کو باسند ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے جس سند کا حوالہ''**التلخيص الحبير**''میں دیا ہے وہ ابن ابی شیبہ کی ہے،مصنف ابن ابی شیبہ کی سند یوں ہے:

''**حدثنا عبد الاعلى، عن معمر، عن الزهرى، فى المولود لا يصلى عليه، ولا يورَّث حتّٰى يَسْتَهِلَّ**''(مصنف ابن ابی شیبہ رقم:۱۱۶۰۰،**اسناده صحيح**)

ترجمہ:حضرت امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ نومولود کی نمازِ جنازہ نہیں ادا کی جائے گی اور نہ ہی وہ وارث بنایا جائے گا جب تک کہ وہ نہ روئے۔

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سنت کو زیادہ جاننے والے تھے چنانچہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (المتوفی:۱۰۱ھ) فرماتے ہیں:''**عليكم بابن شهاب هذا فانّكم لا تلقون أحداأعلم بالسنة الماضية منه**''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج:۸،ص:۷۲،**واسناده صحيح**)

ترجمہ:تم پر ضروری ہے کہ تم اس ابن شہاب کو لازمی پکڑو کیونکہ ان سے زیادہ ماضی کی سنت کو جاننے والا تم نے نہیں پایا ہوگا۔

غیر مقلدین کی دلیل اور اس کا جواب:

اس سلسلے میں مخالفین کی دلیل کا علمی جائزہ پیش خدمت ہے:

شیخ ناصر الدین البانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: "**والظاهر أن السقط انما يصلى عليه اذا كان قد نفخت فيه الروح، وذلک اذا استكمل أربعة أشهر، ثمّ مات، فامّا اذا سقط قبل ذلک، لأنّه ليس بميّت كما لا يخفى**" (احکام الجنائز للالبانی:۱/۸۱)

ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ مردہ پیدا ہونے والے بچہ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی جبکہ اس میں روح پھونکی گئی ہو اور یہ جب ہے کہ چار ماہ مکمل ہو جائیں۔

جواب: ابوبکر بن العربی المالکیؒ (المتوفی: ۵۴۳ھ) "عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی" میں فرماتے ہیں کہ بظاہر روایت میں تعارض ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بچے پر (خواہ زندہ پیدا ہو یا مردہ) نماز پڑھی جائے گی جبکہ بعض سے مردہ پیدا ہونے والے بچے پر نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کا حکم معلوم ہوتا ہے لہٰذا اصل کی طرف رجوع ہوگا اور اصل موت ہے جب تک کہ حیات ثابت نہ ہو جائے۔ ابن العربی مالکیؒ کی عربی عبارت یہ ہے: "**وباختلاف الرويات يرجع الى الاصل وهو انه لا يصلّى الا على حيّ، والاصل المراثية حتّٰى تثبت الحياة**" (عارضۃ الاحوذی:۴/۱۹۸)

اور قابل غور بات یہ ہے کہ حیات تو آثار سے معلوم ہوگی نہ کہ فقط چار ماہ پورے ہونے پر......! اس سے زیادہ صریح بات علامہ شوکانی نے "نیل الاوطار" میں کہی ہے کہ حدیث کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے بعد حیات وممات معتبر ہے نہ کہ پیٹ کے اندر کی، اصل عبارت دیکھئے:

"**وظاهر حديث الاستهلال ان لا يصلّى عليه وهو الحقّ لانّ الاستهلال يدل على وجود الحياة قبل خروج السقط كما يدل على وجودها بعده، فاعتبار الاستهلال من الشارع دليل على ان الحياة بعد الخروج من البطن معتبرة فى مشروعية الصلوة على الطفل وانّه لا يكتفى بمجرد العلم بحياتهٖ فى البطن فقط**" (نیل الاوطار: ۷/۳۱۲)

غیر مقلدین کا مروّجہ جنازہ ثابت نہیں

غیر مقلدین جتنا مرضی زور لگالیں مگر اپنے اعمال پر کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکتے ورنہ کوئی بھی ان کو آزما سکتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ عالم ہو یا نہ ہو، چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱) غیر مقلدین کی کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہے: ''دل میں نیت کر کے دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھائیں......الخ'' (صلوٰۃ الرسول ص:۴۳۳)

غیر مقلدین حضرات سے گزارش ہے کہ نیت کیسے کریں؟ مقتدی کو امام کی نیت کرنی چاہئے یا امام مقتدی کی نیت کرے گا؟ یا جو بھی ہو اس کی تفصیل ہمیں اپنے دعوؤں کی روشنی میں بتائیں۔

(۲) غیر مقلدین ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے ہیں اس پر کوئی ایک صحیح مرفوع روایت پیش کریں ورنہ دنیا جانتی ہے کہ آپ حضرات کے پاس چند ایک ضعیف روایات کے سوا کچھ بھی نہیں ہے......!

(۳) غیر مقلدین پہلی تکبیر کے بعد جو ثناء پڑھتے ہیں اس کی دلیل کیا ہے؟ اگر آپ اس کے قائل نہیں تو جو غیر مقلدین ثناء پڑھتے ہیں ان کی نماز کی کیا حیثیت ہے؟ واضح کریں......!

(۴) دوسری تکبیر میں جو درود ابراہیمی پڑھتے ہیں اس پر کوئی ایک صحیح مرفوع حدیث پیش کریں...... یاد رہے کہ نفس درود نہیں بلکہ درود ابراہیمی کا مطالبہ ہے ورنہ پھر اعلان کر دیں کہ جو درود بھی پڑھا جائے درست ہے......!

(۵) غیر مقلدین تیسری تکبیر میں متعدد دعائیں جمع کرتے ہیں! کوئی ایک صحیح مرفوع حدیث پیش کریں جس میں ہو کہ نبی کریم ﷺ نے دعائیں جمع کی ہوں......!

(۶) غیر مقلدین کے امام جنازہ بالجہر پڑھتے ہیں جبکہ مقتدی آہستہ پڑھتے ہیں، کیا اس پر کوئی دلیل ہے؟ اگر ہے تو دکھادیں......!

(۷) امام دعائیں جہراً کرتا رہے اور مقتدی صرف آمین آمین کہے اس کی دلیل کیا ہے؟ اے اصحابِ علم! اے دنیا میں انصاف پسند کرنے والو! کوئی ان سے صرف ایک ہی دلیل کا مطالبہ تو کرے! ایک دلیل دکھادیں ہم حنفیت سے توبہ کر کے غیر مقلدین کا مسلک اختیار کر لیں گے لیکن ہمارا چیلنج ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے! ہے کوئی مائی کا لعل جو ہمیں دلیل دکھا سکے!!!

(۸) غیر مقلدین کے امام مکمل جنازہ جہراً پڑھاتے ہیں کیا ان کے پاس پورے جنازہ بالجہر کا کوئی ثبوت ہے؟ یاد رہے کہ موقوف حدیث میں سورۃ فاتحہ کو جہراً پڑھنے کی جو شاذ روایت ہے غیر مقلدین اس کا سہارا نہ لیں کیونکہ دیگر جوابات سے قطع نظر...... اس میں صرف سورۃ فاتحہ کا جہر کے ساتھ تذکرہ آیا ہے نہ کہ پورے جنازے کا......! **فافھم**

(۹) اگرچہ نماز میں متعدد ثناء آئی ہیں لیکن ساری کی ساری نہیں پڑھی جاتیں اسی طرح متعدد دعائیں آئی ہیں لیکن وہ پڑھی جاتی ہیں جو غیر مقلدین کا مسلک ہے، آخر غیر مقلدین ایک کو عمل جائز اور دوسرے عمل کو ناجائز کس دلیل کی بنیاد پر کہتے ہیں؟

(۱۰) اگر احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو جنازے میں نبی کریم ﷺ سے مختصراً دعا منقول ہیں جبکہ غیر مقلدین کے صرف امام کئی دعائیں پڑھتے ہیں یہ برعکس فعل کیوں......؟!

(۱۱) احادیث میں تو نبی کریم ﷺ سے جنازے میں ایسے درود بھی نقل ہیں جن میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی شریک ہیں جبکہ درود ابراہیمی میں دیگر انبیاء کا تذکرہ نہیں، تو عرض ہے کہ درودِ ابراہیمی کو مختص کرنا کس دلیل سے ثابت ہے؟

(۱۲) غیر مقلدین حضرات نماز ہی میں امام کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کو مائک پکڑاتے ہیں......اس کی کوئی دلیل؟

(۱۳) نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:

''پس تنہا نماز کردن بر جنازہ صحیح باشد'' (بدور الاہلہ ص:۹۰)

یعنی اکیلے شخص کا میت پر جنازہ پڑھ لینا صحیح ہے حالانکہ اس کی تصحیح سے شریعت بالکل ساکت ہے، یہ بھی غیر مقلدین کا غلط مسئلہ ہے۔

(۱۴) غیر مقلدین حضرات جنازہ میں مختلف دعائیں جمع کر کے جہراً صرف امام ہی پڑھتے ہیں جبکہ جنازہ و دیگر عام صلوٰۃ مطلقہ میں امام و مقتدی دونوں سرًّا صرف ایک ہی ثناء پر اکتفاء کرتے ہیں جبکہ ثناء میں بھی مختلف دعائیں والفاظ منقول ہیں، تو غیر مقلدین آخر یہ فرق کس دلیل کے پیش نظر کرتے آرہے ہیں......؟

(۱۵) پوری امت مسلمہ حتی کہ حرمین شریفین کے ائمہ کرام بھی مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے حدودِ شرعیہ میں نماز متوسط انداز میں ادا کرتے ہیں جبکہ غیر مقلدین خلاف ورزی کرتے ہوئے مقتدیوں میں مجبور

ومعذور اور پریشان حال حضرات ہوتے ہوئے بھی فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ فلاں شیخ پر ہم نے پونہ ایک گھنٹہ میں جنازہ پڑھایا (اقامۃ البرھان للشیخ سلیم الانصاری ص:۹۱)

جبکہ یہی حضرات ایک رکعت دو تین منٹ میں پڑھتے ہیں......!

تو عرض ہے کہ انفرادی نماز دو تین منٹ میں اور اجتماعی نماز جو ایک رکعت حقیقی تک نہیں، وہ پونے ایک گھنٹہ تک لمبی کرنا اور ویڈیو کے ذریعے مشتہر کرنا آخر مخلوق کو دکھانا ہے یا اللہ کو......؟ یہ فرق دلیل شرعی سے ثابت ہے یا یہ بھی کئی بے دلیل اعمال کی طرح بے دلیل عمل ہے......؟

غیر مقلد حضرات سے چند سوالات

اب آخر میں گذشتہ تحقیق کے متعلق غیر مقلدین سے چند علمی اور ضروری سوالات کرتے ہیں جن سے ان شاء اللہ قارئین کرام کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی اور غیر مقلدین کے لئے بھی غور وفکر کا ذریعہ ہوں گے، شاید ان کے تشدد و تعصب کی عینک اتر جائے اور اللہ تعالیٰ ان پر حق ظاہر فرما دے۔

☆......محمد خالد سیف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''نمازِ جنازہ کا طریقہ: سب سے پہلے امام ومقتدی تکبیر تحریمہ کہہ کر آہستہ سے وہ دعا پڑھیں جو ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے، پھر تعوذ وتسمیہ پڑھیں، اس کے بعد بآوازِ بلند یا آہستہ سے سورۃ فاتحہ پڑھیں'' (نمازِ مصطفیٰ ﷺ ص:۱۸۷)

(1) عرض یہ ہے کہ ثناء امام اور مقتدی دونوں آہستہ آواز سے اور سورۃ الفاتحہ صرف امام اونچی آواز سے پڑھے گا، یہ فرق کس دلیل شرعی سے ثابت ہوگا......؟

(2) نبی کریم ﷺ نے کہاں فرمایا ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ فرض ہے اور اس کے بغیر نماز باطل اور کالعدم ہے......؟

(3) نبی کریم ﷺ نے صرف سورۃ الفاتحہ فرض کی ہے یا اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی......؟

(4) سورۃ الفاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت پڑھنے کا حکم ایک ہے یا الگ الگ حکم ہے؟ صرف اور صرف دلیلِ شرعی کی بنیاد پر واضح کریں! ''چونکہ، چنانچہ'' اور ''حکم اور اصول'' وغیرہ سے کام نہیں چلے گا کیونکہ آپ کے نزدیک صرف اور صرف دو دلائل ہیں۔

(5) آپ کے نزدیک نمازِ جنازہ (ناقص ومجازی نماز) اور پنج وقتہ نمازیں (کامل نمازیں) ایک ہیں یا ان میں کوئی فرق ہے؟ یاد رکھیں ہمارا مطالبہ ہے کہ صرف اور صرف دلیل شرعی کی بنیاد واضح کریں! ورنہ قارئین کرام خود ملاحظہ کریں گے کہ آپ کا دعویٰ کتنا بلند وبالا ہے مگر دلیل ندارد......!!!

(6) اگر یہ کہا جائے کہ نمازِ جنازہ سے وہ اشیاء دیگر نمازوں سے مستثنیٰ ہوں گی جن کی نہی آئی ہے تو عرض ہے کہ کیا ثناء پڑھنے کی بھی نہی آئی ہے......؟

(7) اگر کسی نے نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ اور اس کے علاوہ کوئی سورت نہ پڑھی تو کیا اس (نمازی) کی نماز ہوگئی یا نہیں......؟

(8) آپ لوگ جو نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں، اگر کسی شخص سے ایک تکبیر چھوٹ جائے، جب وہ سلام کے بعد اس کی قضا کرے گا تو اس میں سورۃ الفاتحہ پڑھے گا یا نہیں......؟ صرف اور صرف دلیلِ شرعی کی بنیاد پر واضح کریں!

یاد رہے کہ ''فأتمّوا'' دلیل سے کام نہیں چلے گا کیونکہ یہاں پر تکمیل کی بات تو ہے مگر سورۃ الفاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کا کوئی تذکرہ نہیں......!!!

(9) مذکورہ شخص صرف سورۃ الفاتحہ پڑھے گا یا اس کے ساتھ دوسری سورت بھی ملائے گا......؟ صرف اور صرف دلیلِ شرعی کی بنیاد پر واضح کریں!

(10) ایک شخص سے سورۃ الفاتحہ رہ گئی، ایسے وقت آیا جب آپ کے امام نے سورۃ الفاتحہ کے بعد دوسری سورت شروع کر رکھی تھی خصوصاً آخری ایک یا دو آیات میں تھا تو وہ شخص اس وقت کیا کرے گا......؟ دلیلِ شرعی کی بنیاد پر واضح کریں!

(11) آپ کے امام نے سورۃ الفاتحہ کے بعد ایک ایسی سورت شروع کر رکھی تھی جو مقتدی کو یاد نہیں تھی تو اس وقت مقتدی کیا کرے گا......؟ دلیلِ شرعی کی بنیاد پر واضح کریں!

(12) جو حضرات نمازِ جنازہ میں قرأت نہ کریں تو کیا ان کی نمازِ جنازہ ہوگئی یا نہیں......؟

(13) آپ لوگ عام نمازوں کے لئے بھی دلیل ''**لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**'' پیش کرتے ہیں اور نمازِ جنازہ کے لئے بھی، عام نمازوں میں چار رکعات کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں جبکہ نمازِ جنازہ میں صرف ایک بار پڑھتے ہیں! یہ کیوں؟ اور کس دلیلِ شرعی کی بنیاد پر......؟ باوجود اس کے کہ آپ لوگوں کی کتاب میں اس بات کی وضاحت ہے کہ ''نمازِ جنازہ کی تکبیرات رکعات کے قائم مقام ہیں'' (فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵)

(14) اگر کسی نے سورۃ الفاتحہ کی جگہ قرآن مجید کی کوئی اور سورت پڑھ لی تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں......؟ اور اگر اس میں تعیین ثابت ہو جائے تو از روئے شرع اس کے بعد والی سورت میں تعیین ہے؟

(15) نمازِ جنازہ پڑھی جا رہی ہو اور آپ کا امام سورۃ الفاتحہ کے بعد دوسری سورت کے اختتام پر ہو، اور اس وقت کوئی شخص دوڑ کر آئے اور نمازِ جنازہ میں شامل ہو جائے تو کیا وہ سورۃ الفاتحہ پڑھے گا یا دوسری سورت پڑھے گا؟ اگر وہ سورۃ الفاتحہ شروع کرے اور ابھی ایک دو آیتیں پڑھی ہوں کہ امام نے دوسری تکبیر کہی تو اس

وقت مقتدی کیا کرے گا؟ سورۃ الفاتحہ ختم کرے گا یا امام کے ساتھ دوسری تکبیر شروع کرے گا......؟ دلیل شرعی کی بنیاد پر وضاحت کریں۔

غیر مقلدین کے چند متفرق مسائل

جنازہ میں خواتین کی شرکت:

غیر مقلد حضرات کے مسلک میں جنازہ کے لئے خواتین بھی حاضر ہوسکتی ہیں، چنانچہ زبیر علیزئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''مردوں کی طرح عورتوں کا بھی (بعض اوقات) مُردوں کی نمازِ جنازہ پڑھنا ثابت ہے...... یاد رہے کہ عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا ہے مگر یہ ممانعت تحریمی نہیں ہے لہٰذا عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ عام جنازے میں نہ پڑھیں لیکن حرمین میں یا خاص مواقع پر وہ نمازِ جنازہ پڑھ سکتی ہیں'' (فتاویٰ علمیہ ج:۱،ص:۵۳۴)

مشہور غیر مقلد رئیس ندوی صاحب لکھتے ہیں: ''مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ عورت بھی پڑھ سکتی ہے'' (نمازِ جنازہ اور اس کے مسائل ص:۳۴)

تعزیت میں ہاتھ اٹھانا:

غیر مقلد مفتی عبدالستار حماد صاحب لکھتے ہیں: ''لیکن اہلِ میت کے گھر جا کر مخصوص انداز اختیار کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ثبوت کتاب وسنت سے نہیں ملتا'' (فتاویٰ اصحاب الحدیث ص:۱۷۰)

نیز اس مسئلہ پر ''فتاویٰ علمائے حدیث ج:۵،ص:۱۹۵،۲۰۳'' اور کتاب ''شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ ویرووالوی حیات وخدمات ص:۵۹۳'' وغیرہما بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

زیر طبع کتابیں

البصائر للشیخ حمد اللہ الداجوی پر اعتراضات کا علمی و تحقیقی جائزہ

''التحقیق الجلی فی مسئلۃ صفات اللہ العلی (اردو)''

اس کتاب میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد مع دلائل اور غیر مقلدین کے غلط عقائد اور ان کی نشاندہی کی گئی ہے اور آخر میں ''معیت ذات باری تعالیٰ'' پر تحقیقی سیر حاصل بحث کی گئی ہے الحمد للہ

یہ کتاب عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے ان شاء اللہ

''غیر مقلدین کا فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے''

اس کتاب میں غیر مقلدین کے قرآن وحدیث سے بغاوت کے ٹھوس حوالہ جات انہی کی کتب سے پیش کئے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ غیر مقلدین کے فقہ و فتاویٰ جات قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔

یہ کتاب عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے ان شاء اللہ



نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند

(کثر اللہ سوادھم) پشاور 0333-3300274